ماہنامہ
حنا
JUNE 2010

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیات

حمد — تنویر پھول — 7

نعت — محمد زبیر — 7

پیارے نبی کی پیاری باتیں — سید اختر ناز — 8

ناول

میرے ساحر سے کہو — ام مریم — 20

پیا سادشت — فرحت شوکت — 178

انشا نامہ

آج کا مزاح — ابن انشاء — 13

مکمل ناول

خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں — سمیرا امتیاز خاں — 56

محبت زادِ راہ میری — مدیحہ تبسم — 194

انٹرویو

اداکار شہود علوی سے ملاقات — عبداللہ — 15

ناولٹ

اس کار جنوں میں — سندس جبیں — 94

تم لوٹ آنا — غزالہ جلیل راؤ — 142

افسانے

حاصل تمنا تم ہی ہو — ثمرہ بخاری — 31

شوپیس — سحر شیخ — 49

یاد کی بات تھیں — توبیہ سجاتی — 125

رات کو آخر ڈھلنا ہے — رفعت شکور — 167

مستقل سلسلے

حاصل مطالعہ — فوزیہ سلیم — 232

بیاض — تسنیم طاہر — 236

رنگ حنا — بلقیس بھٹی — 240

میری ڈائری سے — صائمہ محمود — 244

حنا کی محفل — عین غین — 248

خیر نامہ — عبداللہ — 250

حنا کا دسترخوان — ثمینہ احتشام — 253

کس قیامت کے یہ نامے — فوزیہ شفیق — 256

چوہدری سردار محمود نے تنویر ادیب پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "حنا" 205 سرکلر روڈ سے شائع کیا۔ خط و کتابت کا پتہ 207 سرکلر روڈ محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ چوک اردو بازار لاہور۔

فون نمبر 37321690-37310797 ای میل lhracd@hotmail.com

www.pkdigest.com

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! حنا کا شمارہ جون 2010ء پیش خدمت ہے۔

گذشتہ دنوں دشمنان اسلام نے آزادی اظہار کے نعرے کا سہارا لے کر توہین رسالت کے ذریعے ایک بار پھر مسلمانوں کی غیرت کو للکارا ہے۔ آزادی اظہار کے نام پر ایک ملعون امریکی عورت موی نورس نے 20 مئی کو آقا دو جہاں کے خاکے بنانے کا دن منانے کا اعلان کیا تھا۔ مگر جب اس نے دیکھا کہ عاشقان رسولؐ نے اس کی اس جسارت پر شدید احتجاج کیا ہے تو اس نے معذرت کرتے ہوئے اپنی دعوت واپس لے لی اس گستاخانہ مہم میں فیس بک نامی ایک سوشل ویب سائٹ کا استعمال کیا گیا جس کا مالک ایک یہودی ہے۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ یہود و نصاریٰ جانتے ہیں کہ مسلمان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ رسول پاک کی محبت اس کے دل میں دنیا کے ہر شے سے زیادہ نہ ہو۔ اسی لئے یہ بہانے بہانے سے آپؐ کی ذات مقدس کو نشانہ بناتے ہیں تاکہ مسلمانوں کے دلوں سے آپ کا احترام کم کریں اور آپ کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کر کے اسلام سے مسلمانوں کو برگذشتہ کریں۔ ان کا اپنا معاشرہ تو احترام آدمیت سے نا آشنا ہے۔ نبیوں کی بے ادبی اور توہین و گستاخی تو ان کے رگ و پے میں رچی بسی ہے۔ یہ مسلمانوں کے دلوں میں بھی مختلف بہانوں سے شکوک و شبہات بھڑکا کر ان کو دین سے ہٹا کر لادینیت کی طرف لانا چاہتے ہیں اسی لئے انہوں نے نبی کریمؐ کی ذات بابرکت کو نشانہ بنایا ہے۔ کہ جب جڑ کو کاٹیں گے تو پیڑ خود بخود گر جائے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مسلمانان اسلام نے اس گستاخی رسول کا فوری نوٹس لیا اور توہین رسالت کے مرتکب افراد پر واضح کر دیا ہے کہ وہ اپنی روش سے باز آجائیں ورنہ نتائج کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے کہ ہر مسلمان نبی کریم کی ذات بابرکت سے اپنی جان سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ اور ناموس رسالت کی خاطر وہ اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے سے گریز نہیں کرے گا۔

<u>اس شمارے میں</u> اداکار شہود علوی سے ملاقات، مدیحہ تبسم اور سمیرا امتیاز خاں کے ناول، سندس جبیں اور غزالہ جلیل راؤ کے ناولٹ، نمرہ بخاری، سحر شیخ، نویدہ سبحانی اور رفعت شکور کے افسانوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آراء کا منتظر

سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

قریب ہے رگ جاں سے مگر دکھا نہ سکا
وہ دل میں آیا، سمجھ میں مگر سما نہ سکا

گناہ کا بوجھ ہے سر پر گرا ہوں سجدے میں
پڑا وہ بار مرے سر پہ کہ میں اٹھا نہ سکا

سمجھ میں آ نہیں سکتی حقیقت معبود
بشر تو اپنی بھی ہستی کا راز پا نہ سکا

بنائے سینکڑوں معبود یوں تو انساں نے
وہ برگ و غنچہ یا مور و مگس بنا نہ سکا

بشر کو تو نے نوازا، یہ فضل ہے تیرا
سروش منزل سدرہ سے آگے جا نہ سکا

ہے پھول سجدے میں، حالت سے اس کی تو واقف
بہائے اشک مگر حال دل سنا نہ سکا

تنویر پھول

نعت رسول مقبول ﷺ

مہکتے چمن ہو، رسولؐ امیں ہو
سینے میں جن کے قرآن مبیں ہو

ابر کرم بھی ہو، بحر سخا بھی ہو
مہربان رب کا فضل مبیں ہو

فراست و حکمت میں ثانی نہیں ہے
کوئی بشر چاہے کتنا ذہیں ہو

ہو راحت جاں بھی پیام اماں بھی
دل کی تمنا ہو، دل کے قریں ہو

رسولؐ خدا ہیں، یہ پہچان ان کی
باتوں پہ جن کی سب کو یقیں ہو

سجے میں گر کر قیامت کے دن بھی
سب کو بخشش کا طالب نذیر مبیں ہو

محمد زبیر

www.pkdigest.com

سید اختر ناز

پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں

مریض کی شفایابی کے لیے

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مریض کی شفایابی کے لیے انگلی پر لعاب دہن لگا کر یوں کہتے تھے۔

ترجمہ : "اللہ کے نام سے، ہماری زمین کی مٹی ہم میں سے بعض کے لعاب دہن سے مل کر، ہمارے رب کے حکم سے، ہمارے مریض کی شفایابی کے ذریعہ ہوگی۔"

فوائد و مسائل

مدینے کی مٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن دونوں کو خاص شرف حاصل ہے۔ تاہم سنت پر عمل کرنے کی نیت سے جو شخص بھی اس طرح کرے گا ان شاء اللہ مریض کو شفا ہوگی۔

حافظ صلاح الدین یوسف اس کی بابت لکھتے ہیں۔ "تھوک اور مٹی تو ظاہری اسباب ہیں جنہیں اختیار کرنے کا حکم ہے۔ ان میں تاثیر شفا کا پیدا ہو جانا باذن اللہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دم مسنون ہے۔ اس میں اصل تاثیر باذن ربنا (رب کے حکم سے) کے لفظ کی ہے۔ مومن کے منہ کا لعاب اور مٹی خواہ کسی سرزمین کی ہو، اس شفا بخشی کا ایک حصہ ہیں اور تجربے سے اس دم کا بے حد موثر ہونا ثابت ہے۔"

(ریاض الصالحین، حدیث ۱۹۰)

دعا

حضرت عثمان بن ابو العاص ثقفیؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ "میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھے اتنا (شدید) درد ہو رہا تھا کہ میں مرا جا رہا تھا۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔

"اپنا دایاں ہاتھ درد کے مقام پر رکھ کر سات بار کہہ

بسم اللہ اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ من شر ما اجد واحاذر

ترجمہ : "اللہ کے نام سے" "میں اللہ کی عظمت و قدرت کی پناہ میں آتا ہوں" "اس برائی سے جو میں پاتا ہوں اور جس سے ڈرتا ہوں۔"

میں نے یہ دعا اس طرح پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دے دی۔

فوائد و مسائل

(1) انسان خود بھی مسنون دعائیں پڑھ کر اپنے آپ کو دم کر سکتا ہے۔

صحیح مسلم کی روایت میں "بسم اللہ" تین بار اور مذکورہ دعا سات بار پڑھنے کا ذکر ہے۔ (صحیح مسلم، السلام، باب استحباب وضع یدہ علی موضع الالم مع الدعاء، حدیث 3202)

جبرئیل علیہ السلام کا دم

حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے اور فرمایا۔

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بیمار ہو گئے ہیں؟"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "ہاں۔"

جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا۔ ترجمہ : "میں آپ کو اللہ کے نام سے دم کرتا ہوں" "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے والی ہر چیز سے" "ہر جان یا آنکھ یا حاسد کے شر سے" اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفا دے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے نام سے دم کرتا ہوں۔"

فوائد و مسائل

(1) مریض سے پوچھا جائے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میں بیمار ہوں اور طبیب تفصیل سے تکلیف کا ذکر کر سکتا ہے۔ یہ صبر اور رضا کے منافی نہیں اور اللہ سے شکوہ شمار نہیں ہوتا۔

(2) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دوسرے بشری حالات کی طرح بیماری بھی آتی تھی۔ اس سے امت کو صبر، توجہ الی اللہ اور استقامت کا سبق بھی ملا اور تقدیر پر ایمان رکھتے ہوئے تدبیر پر عمل کرنے کا طریقہ بھی معلوم ہوا۔

(3) صحت و سلامتی اللہ کی نعمت ہے، لہٰذا اس کے لیے دعا کرنی چاہیے تاکہ اس سے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کیے جا سکیں۔

(4) انسان پر دوسرے کے حسد اور نظر کا اثر ہو سکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا۔

"کیا میں تجھے وہ دم نہ کروں جو میرے پاس جبرئیل علیہ السلام لائے ہیں؟"

میں نے کہا۔ "کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا۔

ترجمہ : اللہ کے نام سے تجھے دم کرتا ہوں اور اللہ تجھے شفا دے گا، تجھ میں موجود ہر بیماری سے گرہوں میں پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔"

پناہ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن اور حضرت حسین کو دم کرتے تو یوں فرماتے تھے۔

ترجمہ : "میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں، ہر شیطان سے اور کیڑے مکوڑے سے اور ہر دیوانہ کر دینے والی آنکھ سے۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"ہمارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ دعا پڑھ کر اسماعیل اور اسحاق علیہ السلام کو دم فرمایا۔

"اسماعیل اور یعقوب علیہ السلام کو دم کیا کرتے تھے۔"

اور یہ حدیث امام وکیع کی ہے۔

فوائد و مسائل

(1) "ھامّۃ" سے مراد زہریلے کیڑے مکوڑے ہیں جن سے انسان کو تکلیف پہنچ سکتی ہے۔

(2) "لامّۃ" سے مراد ایسی آنکھ یا نظر جو جنون یا کسی مرض میں مبتلا کر دے۔

(3) بچے کو حفاظت کے نقطہ نظر سے دم کیا جا سکتا ہے اگرچہ وہ کسی مرض میں مبتلا نہ ہو۔

دعا پڑھ کر پھونک مارنا

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دم کرتے وقت پھونک مارتے تھے۔

فائدہ

"نفث" سے مراد ایسی پھونک ہے جس میں لعاب دہن کی معمولی سی ملاوٹ ہو۔ مسنون دعائیں پڑھ کر مریض پر اس انداز سے پھونک مارنی چاہیے۔

خود پر دم

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہو جاتے تھے تو معوذات سورتیں پڑھ کر اپنے آپ پر پھونک مارتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض شدت اختیار کر گیا تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر (یہ سورتیں) پڑھتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ

www.pkdigest.com

اس سے برکت کی امید پر (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر) پھیرتی تھی۔

فوائد و مسائل

(1) معوذات سے مراد قرآن مجید کی آخری تین سورتیں ہیں۔ یعنی سورہ اخلاص سورہ فلق اور سورہ ناس۔

(2) اگر بیماری ایسی ہو جس کا تعلق پورے جسم سے ہے (مثلاً "بخار") یا حفاظت و برکت کے لیے دم کرنا ہو تو سر سے پاؤں تک پورے جسم پر ہاتھ پھیرنا چاہیے۔

(3) کسی کو دم کیا جائے تو اس کے جسم پر ہاتھ پھیرے جائیں۔

(4) اگر مریض اور دم کرنے والے مرد اور عورت کے درمیان محرم والا رشتہ ہو یا وہ میاں بیوی ہوں تو دم کرتے وقت مریض کے جسم پر ہاتھ پھیرنا درست ہے ورنہ اس سے پرہیز کیا جائے۔

عورت بھی اپنے آپ کو، دوسری عورتوں کو اور محرم مردوں کو یا خاوند کو دم کر سکتی ہے۔

پیتل کا کڑا

حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں پیتل کا حلقہ (چھلا یا کڑا) دیکھا تو فرمایا۔

"یہ حلقہ کیسا ہے؟"

اس نے کہا۔ "یہ واہنہ کی بیماری کی وجہ سے ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اسے اتار دے اس سے تیزی کمزوری میں اضافہ ہی ہوگا۔"

فائدہ

واہنہ ایک بیماری ہے جس سے بازو کی ایک رگ میں تکلیف ہوتی ہے۔ اہل عرب اس کے علاج کے لیے ایک خاص قسم کا منکا بازو پر باندھ لیتے تھے۔ ایسے توہمات سے پرہیز کرنا چاہیے۔

آسیب (اور جن) کے اثر کا علاج

حضرت ام جندبؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ "میں نے قربانی کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی کے نشیبی حصے میں کھڑے ہو کر بڑے بڑے کنکریاں ماریں پھر واپس ہوئے۔ قبیلہ خثعم کی خاتون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل پڑی۔ اس کے پاس ایک بچہ تھا جسے آسیب کی شکایت تھی اور وہ بات نہیں کرتا تھا۔ اس خاتون نے عرض کیا۔

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میرا بیٹا ہے اور میرے گھر میں یہی باقی بچا ہے اور اسے آسیب ہے، یہ کلام نہیں کرتا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"میرے پاس تھوڑا سا پانی لاؤ۔"

پانی لایا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ دھوئے اور کلی کی پھر (یہ مستعمل پانی) اسے دے دیا اور فرمایا۔

"کچھ پانی اسے پلا دینا، کچھ اس کے اوپر ڈال دینا اور اس کے لیے اللہ سے شفا کی دعا کرنا۔"

ام جندبؓ نے فرمایا۔ "میں اس عورت سے ملی اور کہا۔ "اس میں سے تھوڑا سا (متبرک پانی) مجھے بھی دے دو۔" اس نے کہا۔

"یہ تو اس بیمار کے لیے ہے۔"

ام جندبؓ نے فرمایا۔

"ایک سال بعد اس عورت سے میری ملاقات ہو گئی تو میں نے اس لڑکے کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا۔

"وہ صحت یاب ہو گیا ہے اور ایسا عقل مند ہو گیا ہے جو (عام) لوگوں کی طرح نہیں (بلکہ ان سے بڑھ کر عقل مند ہو گیا ہے۔)

قرآن مجید حصول شفا

حضرت علیؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"سب سے بہتر دوا قرآن ہے۔"

دو دھاریوں والے سانپ کو قتل کرنا

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دھاریوں والے سانپ کو قتل کرنے کا حکم دیا کیونکہ وہ بینائی ضائع کر دیتا ہے اور حمل کو نقصان پہنچاتا ہے۔"

(دھاریوں والے سے) مراد کوبرا سانپ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"سانپوں کو قتل کرو اور دو لکیروں والے سانپ کو اور دم کٹے سانپ کو قتل کرو کیونکہ یہ بینائی ضائع کر دیتے ہیں اور حمل گرا دیتے ہیں۔"

فوائد و مسائل

(1) لکیروں والے سانپ سے مراد ایک خاص قسم کا سانپ ہے جس کی پیٹھ پر دو لکیریں ہوتی ہیں۔

(2) دم کٹے سانپ سے مراد وہ سانپ ہے جس کی دم دوسرے سانپوں کی طرح مخروطی نہیں ہوتی بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دم کاٹ دی گئی ہو۔

(3) یہ سانپ زیادہ زہریلے ہوتے ہیں، ان کے کاٹنے سے آدمی کی بینائی ختم ہو سکتی ہے اور عورت کا حمل ساقط ہو سکتا ہے۔

(4) سانپ کی بہت سی قسمیں زہریلی نہیں ہوتیں، انہیں مارنا ضروری نہیں۔

گھر میں سانپ نظر آئے تو اسے تنبیہ کرنی چاہیے کہ چلا جا ورنہ ہم تجھے مار دیں گے۔ (صحیح مسلم، السلام، باب قتل الحیات وغیرھا، حدیث (2232)) اگر وہ جن ہو گا تو چلا جائے گا ورنہ اسے مار دیا جائے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے۔ ترجمہ: "اس کی تشریح دو طرح سے کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ اسے تین بار تنبیہ کرو اور دوسرے یہ کہ تین دن تنبیہ کرو۔ اگر اس کے بعد بھی نظر آئے تو مار دو۔" (فتح الباری 6، 420)

فال

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھا شگون لینا پسند تھا اور بدفالی ناپسند تھی۔"

بدفال

حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بیماری کا متعدی ہونا کوئی چیز نہیں، بدفالی کچھ نہیں اور میں اچھی فال کو پسند کرتا ہوں۔"

فوائد و مسائل

(1) اہل عرب کسی کام کے لیے جاتے تو راستے میں بیٹھے ہوئے کسی پرندے یا ہرن وغیرہ کو کنکر مارتے اور دیکھتے کہ وہ کس طرف جاتا ہے۔ اگر وہ دائیں طرف جاتا تو گویا کہتے کام ہو جائے گا۔ اگر بائیں طرف جاتا تو کہتے یہ کام نہیں ہو گا یا اس کا انجام اچھا نہیں ہو گا اور کام کیے بغیر واپس جاتے۔

(2) اس انداز سے فال لینا شرعاً منع ہے۔

(3) ہندسوں اور حرفوں پر انگلی رکھنا، طوطے سے فال نکلوانا اور اس قسم کے مختلف طریقوں سے فال نکالنا سب منع ہے۔

(4) جائز فال صرف اس قدر ہے کہ بلا ارادہ کوئی اچھا لفظ کان میں پڑے اور انسان اس کی وجہ سے یہ امید رکھے کہ اللہ مجھے میرے مقصد میں کامیاب کر دے گا۔ اس میں سننے والے کے قصد و ارادے کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

www.pkdigest.com

بدفالی شرک

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"بدفالی شرک ہے اور ہم میں سے ہر کسی کو کوئی نہ کوئی وہم ہو ہی جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ توکل کی وجہ سے اسے دفع کر دیتا ہے۔"

فائدہ

اگر کسی موقع پر دل میں بدشگونی کا تصور پیدا ہو جائے تو اس کا علاج اللہ پر توکل ہے۔ یعنی یہ حقیقت ذہن میں لائی جائے کہ خیر و شر کا مالک اللہ ہے۔ یہ پرندے اور دوسری مخلوقات کسی مصیبت کا باعث نہیں۔

چھوت

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"چھوت کی کوئی حقیقت نہیں، بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں۔ کھوپڑی کے الو کی کوئی حقیقت نہیں اور صفر کی کوئی حقیقت نہیں۔"

فوائد و مسائل

(1) "مریض سے صحت مند کو بیماری نہیں لگتی۔

(2) موجودہ دور کے سائنس دان اور ڈاکٹر جراثیم کے ذریعے سے بیماری پھیلنے کے قائل ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی مانتے ہیں کہ جراثیم تب ہی اثر کر سکتے ہیں جب جسم میں موجود قوت مدافعت کمزور ہو جائے۔ گویا اصل سبب جراثیم کا وجود نہیں بلکہ جسم کے حفاظتی نظام کی کمزوری ہے۔

(3) اہل عرب کا ایک غلط خیال یہ بھی تھا کہ اگر مقتول کے خون کا بدلہ نہ لیا جائے تو اس کی کھوپڑی سے ایک الو نکل کر چیختا ہے۔ جب بدلہ لے لیا جائے تو مقتول کی روح کو تسکین ہو جاتی ہے اور الو خاموش ہو جاتا ہے۔ حدیث اس توہم کی تردید کرتی ہے۔

(4) صفر سے مراد محرم کے بعد والا مہینہ ہے جسے نامبارک سمجھا جاتا تھا۔ حقیقت میں کوئی دن، مہینہ یا عدد منحوس نہیں ہوتا۔

عربوں کا ایک غلط خیال یہ بھی تھا کہ بھوک پیٹ میں موجود ایک کیڑے کی وجہ سے لگتی ہے "اسے صفر کہتے تھے"، یہ بھی ان کا وہم تھا۔

متعدی بیماری

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"نہ بیماری متعدی ہوتی ہے، نہ بدشگونی کوئی چیز ہے اور نہ الو کی کوئی حقیقت ہے۔"
ایک آدمی نے اٹھ کر عرض کیا۔
"اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ایک خارشی اونٹ سے تمام اونٹوں کو خارش لگ جاتی ہے۔"
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "یہ تقدیر ہے، پہلے اونٹ کو کس نے خارش لگائی؟"

فائدہ

اگر ایک اونٹ کو دوسرے سے خارش لگی اور دوسرے کو تیسرے سے تو کوئی اونٹ تو ایسا ہوگا جس کو دوسرے سے نہیں لگی ہوگی تو جس سبب سے وہ بیمار ہو، اسی سبب سے بعد والے بیمار ہو سکتے ہیں۔ خواہ انہیں کوئی بیمار ملے یا نہ ملے۔

بیمار اونٹ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"بیمار اونٹوں والا تندرست اونٹوں والے کے ساتھ (اپنے اونٹوں کو) پانی نہ پلائے۔"

فائدہ

اس ممانعت میں یہ حکمت ہے کہ اگر اللہ کے حکم سے تندرست اونٹوں کو بیماری لگ گئی تو مالک کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ بیماری بیمار اونٹوں کے ساتھ تندرست اونٹ چرانے یا انہیں ان کے ساتھ پانی پلانے سے لگی ہے۔ لہٰذا ایمان کی حفاظت کے لیے ایسا کام ہی نہ کیا جائے جس سے صحیح عقیدے کے منافی وسوسے پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ ☆

آج کا مزاج

ابن انشا

مزاح لکھنا اور مزاح کا سمجھنا دونوں ایک طرح کی سائنسی یعنی علم دریاؤ ہیں اور دونوں میں باون بکسوئے لگتے ہیں۔ آپ کسی محفل میں کوئی لطیفہ کہیے بعض تو ایسے جلد باز ہیں کہ فوراً ہی اس پر ہنس پڑتے ہیں۔ اگر لطیفہ کہنے والا کوئی افسر یا سیٹھ واقع ہوا ہو تو لطیفے کے ختم ہونے کا بھی انتظار نہیں کرتے۔ اس کے برعکس کچھ لوگ بیٹھے خضوع و خشوع سے سنتے رہتے ہیں اور آنکھیں جھپکتے رہتے ہیں اور موقع پا کر پاس والے کو کہنی مار کر پوچھتے ہیں۔

"کیوں بھئی اس میں کیا بات تھی ہنسنے کی۔"

تیسری قسم ان دونوں کے بین بین ہے۔ یہ لوگ لطیفہ سنتے ہیں اس پر غور کرتے ہیں اس کا تجزیہ کرتے ہیں اس کے بعد اپنے آپ کو ہنسنے کی اجازت دیتے ہیں۔

پچھلے دنوں ایک روسی مزاح نگار کی یہ حکایت بہت مشہور ہوئی کہ ایک محفل میں، میں نے ایک لطیفہ سنایا کہ ڈاکٹر اپنے مطب میں ایک مریض سے پوچھتا ہے کہ۔

"تمہارے پاؤں پر پٹی کیوں بندھی ہے۔"

مریض کہتا ہے۔

"جناب میرے سر میں درد ہے۔" ڈاکٹر پوچھتا ہے کہ۔

"سر کے درد کو پاؤں کی پٹی سے کیا تعلق ہے؟"

مریض مسمسی آواز میں جواب دیتا ہے کہ۔

"جناب باندھی تو سر پر ہی تھی لیکن کھسک کر نیچے آ گئی ہے۔"

سب لوگ اس پر ہاہا کر کے ہنس دیے۔ سوائے ایک شخص کے جو چپ ٹک ٹک دیکھتا رہا۔ آخر کہنے لگا۔

"اس میں ہنسی کی کیا بات ہے۔ کچھ مجھے بھی بتائیے۔"

میں نے لطیفہ دہرایا۔ وہ بھی پھر بھی نہ ہنسا بولا۔

"ٹھہریئے ڈاکٹر نے یہ کہا۔ مریض نے وہ جواب دیا۔ اس میں ہنسی کا کون سا پہلو ہے؟"

میں نے کہا۔ "پہلو یہ ہوا کہ وہ بھلا آدمی کہتا ہے کہ پٹی سر درد کے لیے سر پر باندھی تھی کھسکتے کھسکتے پاؤں میں آ رہی۔"

وہ شخص قائل نہ ہوا لیکن چپ ہو رہا۔

آدھی رات کو اس نے مجھے فون کیا اور کہا۔

"اس وقت سے میں اس لطیفے پر سوچ رہا ہوں۔ اگر اس نے پٹی سر پر باندھی تھی تو پاؤں میں کیسے آ رہی؟" میں نے فون بند کر دیا۔ دوسرے دن وہ پھر میرے پاس آ گیا اور بولا۔

"کیا اس مریض کی ایک ٹانگ تھی؟"

قصہ مختصر یہ کہ وہ صاحب غور کرتے رہ گئے۔ اس لطیفے پر ہنس نہیں سکے۔ ایک اور ایسا ہی قصہ ہم نے پڑھا تھا۔ جس میں مثالیں اپنی طرف سے ڈال کر پیش کرتے ہیں۔ بیان کرنے والے صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں نے دوستوں کی محفل میں لطیفہ سنایا کہ دو ماہر ارضیات ایک کیفے میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔

ایک نے کہا۔

"آج سے پندرہ ارب سال بعد سورج بالکل ٹھنڈا ہو جائے گا اور اس کے ٹھنڈا ہونے کے بعد زمین پر سے بھی زندگی کا نام و نشان مٹ جائے گا۔"

ایک شخص پاس کی میز پر بیٹھا تاش کھیل رہا تھا۔ اس کے کان میں بھنک پڑی تو کھیل روک کر پوچھا۔

"قبلہ آپ کیا فرما رہے تھے؟"

ان صاحب نے کہا۔

"پندرہ ارب سال بعد اس دھرتی سے زندگی کا نام و نشان مٹ جائے گا۔"

اس شخص نے اطمینان کی سانس لی اور کہا۔

www.pkdigest.com

''پندرہ ارب سال۔ پھر تو بہت دن پڑے ہیں۔ میں سمجھا آپ نے پندرہ کروڑ سال کہا ہے۔''

اس پر جن کو ہنسنا تھا وہ تو ہنس دیئے لیکن ایک پروفیسر صاحب چپ بیٹھے رہے جیسے کسی غور و فکر میں غلطاں ہوں۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے سر کو ہلایا اور کہا۔

''ہاں اچھا لطیفہ ہے۔ لطیفے کی شرائط پر پورا اترتا ہے۔''

ہم نے کہا۔

''کیا مطلب؟''

بولے۔

''اگر ہم ارسطو کے قول کو تسلیم کریں تو لطیفہ وہ چیز ہوتا ہے جس میں ہم کسی کو ایسی خامی، کوتاہی یا عیب پر ہنسیں جس سے کسی کو گزند نہ پہنچتی ہو یا کسی کی دل آزاری نہ ہوتی ہو۔ تو یہ لطیفہ اس پر پورا اترتا ہے۔ سورج کا بتدریج ٹھنڈا ہونا ایسے ہی مظاہرہ میں سے ہے۔''

ہم نے کہا۔

''خوب۔''

''اگر ہم غالب کی بات کو درست مانیں جو کہتے ہیں۔''

''بازیچہ اطفال ہے دنیا مرے آگے۔'' یا ''جزو ہم ہستی اشیا مرے آگے۔'' تب بھی یہ لطیفہ خوب ہے کیونکہ جب ہر چیز موہوم ہے تو سورج بھی موہوم ہے۔ اس کے ٹھنڈے یا گرم ہونے سے کسی کو کیا مطلب؟''

ہم نے اس نکتے کی داد دی۔ پروفیسر صاحب نے مزید فرمایا۔

''اس لطیفے کو علمائے معاشیات کی کسوٹی پر کسیں تب بھی تسلی بخش قرار پائے۔ کیونکہ انسان کی عمر پندرہ ارب یا پندرہ کروڑ سال کیا۔ پندرہ سو سال بھی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ان تاش کھیلنے والے صاحب کی سادگی اسی لائق ہے کہ اسے مضحکہ خیز گردانا جائے اور اس پر ہنسا جائے۔''

ہم نے کہا۔

''بہت عمدہ تجزیہ ہے یہ بھی۔''

لیکن پروفیسر صاحب نے مسلسل کلام جاری رکھا۔ ایک حوالہ اقبال کے کلام سے دیا۔ ایک قول سر سید احمد خان کا دہرایا۔ حتیٰ کہ چوہدری خلیق الزماں، رائے صاحب منشی گلاب سنگھ، حافظ شیرازی، سیماب اکبر آبادی اور فضل القادر چوہدری کے اقوال حکمت سے بھی اس لطیفے کو جانچا اور ان سب معیاروں پر پورا پایا تو اس پر ہنسے۔ خوب ہنسے پیٹ پکڑ کر ہنسے حتیٰ کہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

مزاح نگاروں کے ساتھ اکثر یہ ہوتا ہے کہ کوئی بات بہت لطیف پیرائے میں کہی۔ کسی کے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ کسی کے نیچے سے اسی لئے اب یہ رواج ہو گیا ہے کہ رسالوں اخباروں والے کوئی مزاحیہ مضمون چھاپتے ہیں تو اس کے اوپر لکھ دیتے ہیں۔ طنز و مزاح۔ یعنی یہ مزاحیہ مضمون ہے اس پر ہنسیئے ضرور۔ آگے چل کر حاشیئے میں تیر کا نشان بنا کر یہ بھی لکھا جایا کرے گا کہ یہاں ہنسیئے۔ یہاں مسکرایئے۔ یہاں سنجیدہ رہیے جب یہ ہنسنا ہنسانا ایک طبعی کیفیت کے بجائے ضرورت زندگی میں شمار کیا جانے لگا اور انڈسٹری بن گیا ہے تب سے اس قسم کا مزاح عام ہو گیا ہے جو مشینوں سے بنا ہوتا ہے اور تیاری کے کسی مرحلے میں ہاتھ سے نہیں چھوا جاتا۔

یہ خیالات پریشان ہمارے ذہن میں کیوں آئے۔ ایک تو اس لئے کہ لوگ اکثر ہم سے ہماری تحریروں کے جے اور معنی پوچھتے ہیں جن باتوں پر برا نہ ماننا چاہیے ان پر مانتے ہیں اور جن پر ناراض ہونا چاہیے ان پر نہیں ہوتے۔ دوسرے اس لئے کہ آج کل ہم ایک کتاب پڑھ رہے ہیں۔ جس سے ارسطو اور حافظ شیرازی، سر سید احمد خان، انور سیماب، اکبر آبادی کے اقوال کے حوالوں کے بغیر بھی لطف اندوز ہوا جا سکتا ہے۔ وہ ہے مشتاق احمد یوسفی کے مضامین ناز کا انبار خاکم بدہن۔ لکھنے والے تو بہت سے ہم ہوئے تم ہوئے کہ۔ میر ہوئے، لیکن دیکھو اس طرح سے کہتے ہیں سخور سہرا۔

☆☆☆

اداکار شہود علوی سے ملاقات

عبداللہ

''شہود علوی'' کا شمار ٹی وی کے ٹاپ موسٹ ایکٹرز میں ہوتا ہے، اُس نے کئی یادگار اور بے مثال کردار، پلے کئے ہیں مگر آج کل جس کردار نے اسے شہرت کی بلندیوں پر پہنچا رکھا ہے، وہ خود پستیوں میں گر رہا ہے! بول میری مچھلی، جیو چینل کا پسندیدہ ترین ڈرامہ بن چکا ہے، اس کی کامیابی کی ایک وجہ مجاز صدیقی، کا وہ کردار بھی ہے جس سے دیکھنے والے شدید نفرت پر مجبور ہو رہے ہیں مگر شاعرانہ مزاج کے ساتھ مکروہ ارادے رکھنے والے اس کردار پر لڑکیاں فدا ہیں! کئی لڑکیاں، مجاز کے کردار میں اپنا آئیڈیل تلاش کر رہیں کیونکہ نیگیٹو کردار ہونے کے باوجود، اس کردار میں ایک خاص قسم کی گریس اور اٹریکشن پائی جاتی ہے اور اسی لئے برا ہونے کے باوجود وہ، کم از کم لڑکیوں کو عزیز ہے!

اپنے اس کردار کے برعکس شہود، کا ظاہر اور باطن اُس کی طرح خوب صورت ہے! وہ خوش مزاج، زندہ دل، سب سے محبت اور سب کی عزت کرنے والا فن کار ہے! وقت اور شہرت نے اُسے خراب نہیں کیا! شہود، 29 مئی 73ء کو کراچی میں پیدا ہوا، وہ شادی شدہ اور تین پیاری بیٹیوں کا باپ ہے! بیگم سے حیرت انگیز طور پر ذہنی ہم آہنگی ہے، ایسی کہ ایک سوچے تو دوسرے کو خبر ہو جائے! خطرناک کردار کرنے والے شہود، کی ازدواجی زندگی بے حد خوش گوار گزر رہی ہے! حنا کے قارئین کے لیے ہم نے اُس سے ایک مختصر سی گفتگو کی آیئے دیکھتے ہیں وہ کیا کہتے ہیں۔

☆ شہود صاحب، میں تمہیں اور تم مجھے، اچھی طرح جانتے ہو اس کے باوجود تم نے مجھے کئی

www.pkdigest.com

باروقت دیا مگر انٹرویو ممکن نہیں ہوسکا! میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ تمہیں شہرت کا نشہ چڑھ گیا ہے.....؟

O توبہ کرو بھائی! ہم کیا اور ہماری اوقات کیا! سب اوپر والے کی مہربانی ہے، وقت ایک سا نہیں رہتا ہے، میں کیوں کسی عارضی چیز کے لئے اپنی شخصیت اور اخلاص کو خراب کروں! بھائی، تمہیں

غلط فہمی ہوئی ہے، فوراً اپنے دماغ سے یہ بات نکال دو! میری کچھ پیشہ وارانہ مجبوریاں تھیں جس کی وجہ سے ہمارا انٹرویو نہیں ہو پا رہا تھا!

☆ جب تمہیں بول میری مچھلی، کے مجاز صدیقی کا کردار آفر ہوا تو کیا فوراً ہی قبول کر لیا تھا؟

O اسکرپٹ دیکھے اور اپنا کردار پڑھے بغیر کبھی کوئی ڈرامہ قبول نہیں کرتا! جب مجھے اس کردار کے بارے میں بتایا گیا تو محسوس ہوا کہ کافی ٹف ہے لیکن مشکل اور چیلنج دینے والے کام میں ہی مزہ آتا ہے اس لئے رول پڑھنے کے بعد آفر قبول کر لی!

☆ یہ نیگیٹو رول قبول کرنے سے پہلے تمہیں خیال آیا تھا کہ اسے نہیں کرنا چاہیے؟

O ایک لمحے کے لئے سوچا ضرور تھا کہ اگر کردار کروں گا تو کہیں امیج خراب نہ ہو جائے مگر پھر رئیل آئز کیا کہ ایک آرٹسٹ ہوں اور کسی کردار کو پورٹرے کرنے سے گھبرانا نہیں چاہئے، ہمارا معاشرہ اچھے برے کرداروں کے ساتھ بنا ہے اور اس معاشرے کی سچی تصویریں پیش کرنا ہمارا فرض ہے لہٰذا فائنلی طے پایا کہ کردار کرنا ہے!

☆ کیا تمہیں اُمید تھی کہ مجاز صدیقی، اتنا زیادہ کلک کر جائے گا؟

O کم از کم اتنی زیادہ اُمید تو ہرگز نہیں تھی! خوف زدہ تھا کہ شاید لوگوں کی سخت تنقید کا سامنا کرنا پڑے گا مگر حیرت انگیز طور پر لوگوں نے کردار کو پسند کیا جس کے لیے شکر گزار ہوں!

☆ کردار کے حوالے سے کسی پبلک پلیس پر ناخوش گوار واقعے سے دوچار تو نہیں ہونا پڑا؟

O نہیں! بس اتنا ہوا کہ کبھی کبھار کسی جگہ پر لوگوں نے جملے کس دیئے ورنہ مجموعی طور پر تو مجھے تعریف و توصیف سے نوازا گیا ہے! اُس وقت بہت خوشی ہوتی ہے جب میرے نام کی بجائے مجاز صدیقی کہہ کر بلایا جاتا ہے! کسی بھی آرٹسٹ کے لئے یہ فخر کی بات ہوتی ہے کہ لوگ اُسے کردار سے پہچانیں، خاص طور سے آج کے دور میں جبکہ لا تعداد چینلز پر بے شمار ڈرامے، روزانہ دیکھے جا رہے ہیں اور لوگ، ان ڈراموں کے ٹائٹلز بھی یاد نہیں رکھ پا رہے! ایسے میں کسی کردار کا یاد رکھا جانا بہت بڑی بات لگتا ہے اور اس کے لئے میں اپنے رب کا شکر گزار ہوں!

☆ بہت سے فن کار، نیگیٹو کردار کرنا ہی نہیں چاہتے، چہ جائیکہ ایسا کردار جو بے حد اوباش ہو، تم نے ہمت کیسے کر لی؟

O ہمارے معاشرے میں ایسے برے افراد کی کمی نہیں اور خاص طور پر شعر و سخن کی دنیا سے تعلق رکھنے والے کئی نام، اس حوالے سے شہرت رکھتے ہیں! ایسے کرداروں کا کیا باطن ہے اور کس طرح وہ لڑکیوں پہ جال پھینکتے ہیں اور ان کی زندگیاں تباہ کرتے ہیں، یہ ہمیں ان معصوم لڑکیوں کو بتانا ہوگا جو، ان کے جھانسے میں آجاتی ہیں اور ضروری نہیں کہ وہ، شاعر ہی ہوں بلکہ کسی بھی فیلڈ سے تعلق

www.pkdigest.com

رکھنے والے لوگ ہو سکتے ہیں جو اپنی وجاہت سے لڑکیوں کو متاثر کر کے اُلو سیدھا کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو پورٹرے کرنا ہم فن کاروں کا فرض ہے! فن کاروں کا کام معاشرے کے تاریک پہلوؤں کو لوگوں کے سامنے لانا ہے لہٰذا میں نے یہ سوچ کر اس کردار کو قبول کیا ہے!

☆ ذاتی طور پر تم بہت مہذب اور رکھ رکھاؤ والے ہو تو تم نے اس کردار کو خود پہ کیسے طاری کیا؟

O میں نے کچھ حقیقی کردار دیکھے، ان کو اپنے سامنے رکھا اور اپنی اصلی شخصیت کو چھپانے کے لئے گیٹ اپ اور بول چال پر بھی بہت توجہ دی تا کہ یہ

کردار، بھرپور انداز میں لوگوں کے سامنے آ سکے،
دیکھنے والوں کو اس میں شہود کہیں بھی نظر نہ آئے! میں نے شروع میں بہت محنت کی اور بہت توجہ سے کردار کے ہر پہلو کو دیکھا!

☆ نیگیٹو کردار کیا پہلے بھی کیے ہیں؟

O جی ہاں، میں پہلے کئی بار منفی کردار ادا کر چکا ہوں مگر اس نوعیت کا کردار پہلی بار کیا ہے! یہ کردار نیگیٹو ضرور ہے مگر اس کی بناوٹ اور اداکاری کا انداز الگ ہے اور بھرپور نیگیٹو ہونے کے باوجود اس میں جو ایک خاص گریس ہے، وہ لوگوں کو اٹریکٹ کرتی ہے اور جب وہ اس کردار سے ملتے ہیں تو انہیں اس میں برائی کی بجائے چارم نظر آتا ہے!

☆ جس طرح مجاز صدیقی، لڑکیوں کے پیچھے بھاگتا ہے اس طرح کیا کبھی تم بھاگے......؟

O نہیں لڑکیاں میرے پیچھے بھاگیں (قہقہہ)، بھئی دیکھو تو جوانی میں تو لڑکے، لڑکیاں ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے ہی ہیں، صنف مخالف میں کشش جو ہوتی ہے لہٰذا ہم نے بھی دوستیاں کی ہیں مگر چھچھوری حرکتیں نہیں کی! یہ لڑکیوں کے پیچھے بھاگنا تو چھچھوری حرکتیں ہیں اور تم یہ بھی خیال رکھنا کہ مجاز صدیقی بھی لڑکیوں کے پیچھے بھاگتا نہیں، صرف انہیں چارہ ڈالتا ہے اور پھر پیچھے ہٹ جاتا ہے، لڑکیاں خود ہی اس کے پیچھے آتی ہیں، وہ بہت گریس فلی ساری وارداتیں کرتا ہے!

☆ تو کہیں تم بھی تو گریس فلی یہ کام......؟

O اوہ نہیں بھئی نہیں، گھر میں رہنے دینا ہے یا پٹوانا ہے بیگم سے، اللہ کا شکر ہے، زندگی بڑے وقار سے گزاری ہے، ہاں دوستیاں ضرور کی ہیں۔

☆ ماشاءاللہ، تمہارا امیج کافی اچھا ہے ویسے اب یہ بتاؤ کہ اس وقت، اس سیٹ پر کیا کر رہے ہو، یہ کیا ہے، سیریل یا سوپ اور تمہارا کردار......؟

O یہ سوپ ہے، جس کا نام بھورانی، ہے اور

میرا کردار اس میں بھی بڑا نیگیٹو قسم کا ہے!

ہے؟

O ہرگز نہیں! صرف اچھا اور منفرد کردار میری خواہش ہے، اس سوپ بھورانی، میں جو نیگیٹو رول ہے، وہ مجاز صدیقی کے کردار سے بالکل ہٹ کر ہے! یہ خاصا خطرناک قسم کا شخص ہے جو اپنے تیور سے نظر بھی آتا ہے جبکہ مجاز صدیقی اپنے رکھ رکھاؤ اور شخصیت سے ایسا نظر نہیں آتا!

☆ فرض کرو اگر اسی طرح منفرد نوعیت کے نیگیٹو کردار ملتے رہے تو کیا کرتے رہو گے؟

O بالکل نہیں! میں چینج چاہتا ہوں اور ویسے بھی اس وقت میری دو سیریلز چل رہی ہیں، ایک ہم ٹی وی سے جس کا نام وصل، ہے اور اس میں میرا کردار بالکل پازیٹیو ہے جبکہ دوسرا سیریل بول میری مچھلی، جیو سے چل رہا ہے اور اس میں میرا کردار نیگیٹو ہے، دونوں کردار ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اسی طرح ابھی میں یہ سوپ ریکارڈ کروا رہا، ابھی تو یہ آن ایئر نہیں جائے گا اور اس سے پہلے کئی اور چیزیں بھی لوگوں کے سامنے آسکتی ہیں لہٰذا گیپ آجائے گا!

☆ اور کیا کر رہے ہو......؟

O انڈس وژن سے ایک سوپ آن ایئر ہونے والا ہے جس کا نام نیتا، ہے اس میں میرا کردار خاصا پازیٹیو ہے اور بہت بھرپور اور خوب صورت کردار ہے جو ایک وڈیرے کے بیٹے کا ہے! عام روایتی وڈیرے سے ہٹ کر ایک دھیما اور خوب صورت کردار ہے اسی طرح میں کوشش کرتا ہوں چلو وقفے وقفے سے چینج لے کے سامنے آتا رہوں لیکن میں کسی کردار کے لیے منع نہیں کرتا، ہر طرح کے کردار کرنا چاہتا ہوں! میں کسی مخصوص امیج میں قید نہیں ہونا چاہتا اور شروع ہی سے یہ چاہا ہے کہ ایکٹر کہلاؤں، ہیرو نہیں! اپنے ابتدائی دور میں بھی میں، کریکٹرز ڈھونڈتا تھا، میں نے کبھی یہ نہیں دیکھا

کہ یہ ہیرو کا کردار ہے یا ولن کا، کبھی بھی ہیرو نہیں بننا چاہا بلکہ ہمیشہ کریکٹر ایکٹر بننے کی کوشش کی ہے!

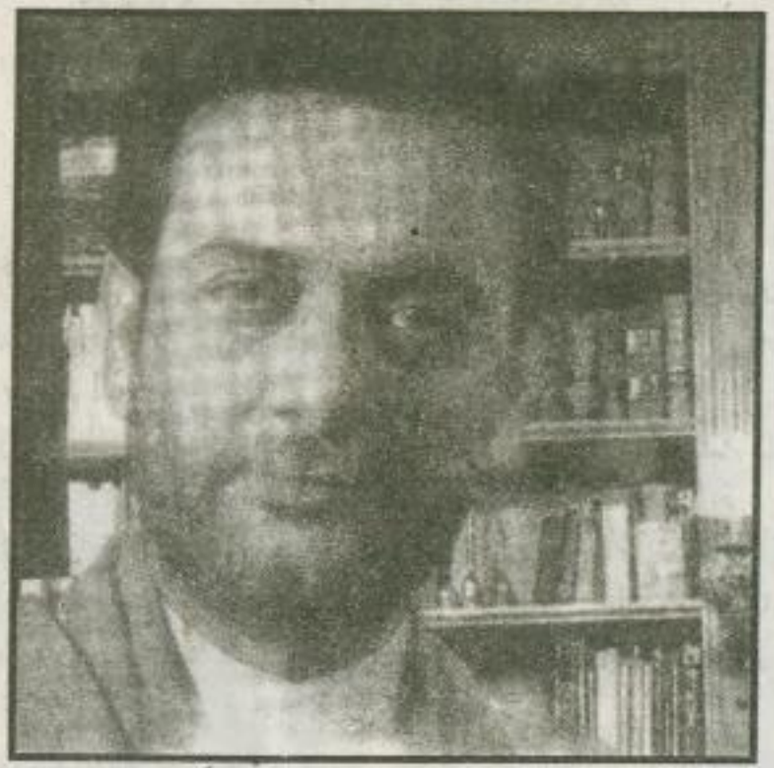

☆ تم نے ابتدائی دنوں میں ڈائریکشن کی کوشش بھی کی تھی؟

O میں تو بننے ہی ڈائریکٹر آیا تھا بھئی، میرے ماموں پی ٹی وی کے سینئر پروڈیوسر اقبال انصاری ہیں، جنہیں ہمیشہ آئیڈیل آئز کیا اور کوشش کی کہ ان کی طرح ایک اچھا ڈائریکٹر بن سکوں! ابتدا میں، میں نے اُن کے ساتھ کافی کام کیا، انہیں کافی عرصے اسسٹ کرتا رہا، پھر دو ایک پرائیویٹ پروجیکٹس خود ڈائریکٹ کیے اپنی مامی بشریٰ انصاری کے ساتھ مل کر بھی کچھ پروجیکٹس کیے مگر سمجھتا ہوں کہ ڈائریکشن بہت مشکل اور ذمہ داری والا کام ہے اور میں صرف شوق کی وجہ سے یہ کام نہیں کر سکتا! اب میں ایکٹنگ بھی ساتھ ساتھ کر رہا تھا اور پھر رفتہ رفتہ ایکٹنگ میں مجھے اچھی آفرز آتی رہیں اور میں ادھر مصروف ہوتا چلا گیا لہٰذا ڈائریکشن کا شوق کہیں پیچھے رہ گیا ہے!

☆ اور زندگی میں کیا کیا شوق ہیں؟

O کھانا پینا، موج اڑانا، ارے بھئی میں زندگی کو ہنس کھیل کر گزارنا پسند کرتا ہوں، دوستوں کے ساتھ انجوائے کرتا ہوں، فیملی کے ساتھ یادگار وقت گزارتا اور خوش رہتا ہوں! اپنے کام کے علاوہ میرے یہی مشاغل ہیں۔

☆ تم ماڈلنگ بھی شروع کر دی ہے؟

O ماڈلنگ تو میرا ابتدائی شوق ہے اور شوبز میں میری پہلی پہچان، ماڈل کے طور پر ہی ہوئی ہے اس کے بعد میں ایکٹنگ اور پھر ڈائریکشن میں مصروف ہو گیا تھا تو ماڈلنگ ایک طرف ہو گئی، مگر اب ماڈلنگ بھی کر رہا ہوں، یعنی ٹی وی کے کچھ اچھے کمرشلز کیے ہیں اور اسی طرح کے کمرشلز اچھے امیج کے ساتھ کرتا رہوں گا!

اس کے ساتھ شہود علوی کے ڈرامے کی شوٹنگ شروع ہو گئی تو ہم نے اجازت چاہی اس وعدے کے ساتھ کہ وہ جیسے ہی فارغ ہوئے ہمیں ایک مکمل انٹرویو کے لیے ٹائم دیں گے۔

☆

www.pkdigest.com

میرے ساجن سے کہو

ام مریم

سترہویں قسط کا خلاصہ

نگین داؤد حسن خاں کے دھوپ چھاؤں جیسے مزاج کی وجہ سے قدم قدم پہ ہرٹ ہوئے ہے۔ داؤد حسن خاں خون کے رشتوں کی محبت کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو کر واپس گاؤں جانے پر آمادہ ہوتے ہیں مگر نگین سے اسی سرد رویے کے ساتھ بات کرتے ہیں جس سے طیش میں آ کر نگین گاؤں جانے سے انکار کر دیتی ہے۔ شہریار رابیل کی ضدی اور زور آور محبت کے سامنے پوری طرح ہار تسلیم کرنے کے بعد رابیل کی گمشدگی سے پریشان ہے اور اسے دن رات ڈھونڈتا ہے۔

پریشے درانی کا بار بار سامنا طارق شیرازی سے ہوتا ہے مگر اسے ہر بار طارق سے مل کر ایک نارسائی کا احساس ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جسے وہ کوئی بھی نام دینے سے گریزاں ہے۔ طارق شیرازی ماہ نور کو اپنے ساتھ اسلام آباد لے جانے کے لیے ایک دن کی چھٹی پر گھر آتا ہے تو گھر والوں کا ماہ نور سے رویہ دیکھ کر بہت دل برداشتہ ہوتا ہے۔

www.pkdigest.com

ہاں اب کیو! کس واسطے مجھے مسلسل گھوریاں اور دھمو کے مار رہی تھیں۔" سونیا اس کی سمت پلٹی تو پریشے جو خاموش مگر سوچتی ہوئی نظروں سے طارق شیرازی کو اندر کی سمت جاتے دیکھ رہی تھی اس کی سمت متوجہ ہو گئی مگر انداز کی خفگی کی جگہ اب بے بسی اور افسردگی نے لے لی تھی۔

"مجھے ڈر لگتا ہے سونی۔" وہ سخت مضطرب سی ہوتی اپنی نازک موسی انگلیاں بے دردی سے مسلنے لگی۔

"آخر کسی بات ڈر آف کورس اسے الہام ہونے سے رہا کہ تم اس کے عشق کے سمندر میں گوڑے گوڑے ڈوب چکی ہو۔ سوچ کو کیا کرنا ہے آج سب کہہ دوں یا....." پریشے ہاتھوں کے ساتھ اب ہونٹ بھی کچلنے لگی اضطرب بے پناہ تھا۔

"وہ میرے بارے میں کیا سوچیں گے سونی کیسی بے حجاب لڑکی ہے پہلے محبت کرتی ہے پھر اظہار بھی۔" اس کی آواز پر آنسوؤں کی نمی غلبہ پانے لگی۔

"تو پھر یونہی سلگتی سسکتی اور تڑپتی رہو ہجر کی آگ میں جل کر خاک ہوتی رہو وہ کبھی تم سے پوچھنے نہیں آگے گا کہ تم اس سے محبت کرتی ہو۔" سونیا اتنی دیر تک اسے ڈانٹ ہی رہی تھی۔ اتنی دیر تک طارق بریگیڈیئر سالار درانی کے ساتھ چلتا ہوا باہر نہیں آ گیا۔

فل یونیفارم میں کیپ ہاتھ میں پکڑے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے بالوں کو سہلاتا ہوا باوقار انداز میں قدم اٹھاتا وہ اتنا شاندار اتنا وجیہ نظر آ رہا تھا کہ پریشے کی نگاہیں ٹک اسے تکتی چلی گئی تھیں۔

"کیا اس شخص کو اتنی آسانی سے کھو دنیا آسان ہوگا کیا اسے پھر سے کھو کر میں جی پاؤں گی۔" اور اس کے من میں ہر سو نہیں نہیں کی پکار اٹھنے لگی تھیں۔

"پھر کیا سوچا تم نے۔" سونیا نے اس کی نگاہوں کا اٹھنا اور لڑنا محسوس کر لیا تھا۔ جبھی مسکراہٹ دبا کر معنی خیزیت سے پوچھا گویا اس کی لاچاری بے بسی کی انتہاؤں سے اچھی طرح سے آگاہ ہو۔

"تم بات کرو گی میں سامنے ہرگز نہیں جاؤں گی۔" وہ بہت ہارے ہوئے انداز میں سر جھکا کر بولی تھی جبکہ سونیا مسکرا دی تھی۔

"او کے فائن تم یہاں کھڑی ہو کے اسے خوب جی بھر کے دیکھو ظاہر انکل کی موجودگی میں وہ تو ایسی جرات کرنے سے رہا۔" وہ ہنسی تھی اور سیڑھیاں پھلانگتی نیچے آ گئی۔

"انکل پلیز" وہ دوڑتی ہوئی نیچے آئی تھی دونوں نے ایک ساتھ اور پلٹ کر اسقا ہی نگاہ سے اسے دیکھا۔

"یہ جا رہے ہیں۔" اس کے مخاطب سالار درانی تھے مگر دیکھ وہ طارق کو رہی تھی۔

"ایسا ہے انکل کہ مجھے ان سے کچھ ضروری کام ہے۔"

"او کے بیٹا۔" بریگیڈیر سالار درانی نے مسکرا کر کہا پلٹ کر پھر سے اندر چلے گئے۔

"آپ اتنے ہی بے نیاز ہیں جتنے کہ نظر آتے ہیں یا کہ پوز کرتے ہیں۔" وہ کڑے انداز میں اس کی سمت پلٹتے ہی تیکھے چتونوں سے بولی تو طارق شیرازی متحیر ہوتا ہوا مسکرایا آپ یہ بتائیں آپ کو اتنا غصہ کس بات کا ہے خاتون۔

خاتون! وہ صدمے کی زیادتی چیخی مگر پرانگلے ہی لمحے دھیمی بھی پڑ گئی۔

"آپ بہت چالاک ہو میجر۔" وہ ٹھنڈا سانس بھر کے گویا ہوئی تو طارق کی نگاہیں کی الجھن کی جگہ حیرت نے لے لی۔

لیجئے یہ الزام بھی عائد ہو گیا ہم پر یہ جبکہ جرم کا ابھی تک پتہ نہیں۔" وہ بسور کر بولا۔

"اگر محبت ہو اور اظہار نہ ہو تو گزرتا وقت بگاڑ ہی نہیں نقصان بھی جھولی میں ڈال جاتا ہے۔" اس فلسفیانہ انداز پر طارق شیرازی نے قدرے دکتے ہوئے نافہم نظروں سے اسے دیکھا۔

"آئی ایگری ود یو مگر آپ پر مجھے کیوں بتا رہی ہیں۔" وہ ہنوز حیران بلکہ پریشان تھا۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی کی ایک نظم کا ترجمہ ہے۔

یاد کر کے ہر بات سجن سے کہوں گی
سب کچھ بتاؤں گی مگر جب اس کا سامنا
ہوتا ہے تو سب کچھ بھول جاتی ہو

اس کے لہجے و انداز میں جو غیر معمولی پن تھا اس نے طارق کے حواس الرٹ کیے تھے وجیہ چہرے پر ہمہ وقت چھایا رہنے والا خود اعتمادی اور بے نیازی کا تاثر پھیکا پڑ گیا وہ قدرے چونک گیا۔

"یہ آپ.....!"

مجھے کیوں بتا رہی ہیں یہی کہنا چاہ رہے ہیں نا آپ۔" سونیا نے اس کی بات کاٹ دی اور بیچ میں ٹکڑا جوڑا طارق اس کسکی ہوئی لڑکی کو محض دیکھ کر رہ گیا۔

"آیئے نا اندر چل کر بیٹھنے میں اب اتنی اہم بات یہاں کھڑے ہو کر تو ہونے سے رہی میں بیٹ مین سے چائے کا کہہ دوں آپ چلئے۔" وہ اس کا ضبط آزماتی ہوئی کہہ کر آگے بڑھ گئی طارق شیرازی کے ڈرائینگ روم کی سمت اٹھتے ہوئے قدم اور مضبوط سینے کی دیواروں میں پھنسا ہوا دل بوجھل ہونے لگا۔

"آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔" وہ دوبارہ اس کے سامنے آ کر بیٹھی تو طارق اپنا ضبط آخری حد تک آزما چکا تھا۔

"آپ بہت سے تاب ہو رہے ہیں سننے کو۔" وہ اس متفکرانہ نگاہوں میں جھانک کر بہت شرارت سے مسکرائی طارق شیرازی کے لب آپس میں سختی سے پیوست ہو گئے۔ وہ سمجھ سکتا تھا آنے والے لمحات اس پر کسی درجہ کٹھن اور بھاری ثابت ہونے والے ہیں۔

"مجھے نہیں پتہ کہ آپ پریشے کے متعلق کیسے جذبات رکھتے ہیں مگر میں آپ سے ایک ریکوسٹ کرتی ہوں میجر پلیز اس کے احساسات کی پرواہ کیجئے صرف اس لیے ہی نہیں کہ آپ اس کی برسوں کی تلاش کا حاصل ہیں بلکہ اس لیے بھی کہ وہ اب آپ کو کھو کر زندہ نہیں رہ پائے گی۔" ہمیشہ کی بے فکر اور کھلنڈری نظر آنے والی سونیا اس وقت ایک یکسر بولے ہوئے انداز میں اس کے سامنے تھی اور جو کچھ اس کے منہ سے نکلا تھا وہ طارق شیرازی کو شاکڈ کرنے کو کافی تھا مگر وہ خود کو سنبھال کر اٹھا تو سونیا نے بہت چونک کر اسے دیکھا تھا اور اس کی معمولی سے بڑھی ہوئی سنجیدگی سونیا کو عجیب سے خوف اور گھبراہٹ میں مبتلا کر گئی۔

"آ آپ..... آپ نے کچھ کہا نہیں۔" وہ سٹپٹائی ہوئی اس کے پیچھے لپکی جو اسی سنجیدگی کے ساتھ جانے کے ارادے سمیت دروازے تک جا پہنچا تھا۔ طارق شیرازی رکا اور پلٹ کر اسے دیکھا اس کی نگاہوں کے اضطراب کو بڑھا اور گہرا سانس کھینچ کر خود کو حیلا چھوڑ دیا اور جب بولا تو ہی سنجیدگی اور متانت اس کے ایک ایک لفظ سے چھلکی تھی۔

"آئی ایم ساری مس سونیا! آپ نے میرے بارے میں غلط اندازہ قائم کیا میں آل ریڈی میرڈ ہوں اور شادی بھی اس سے ہی کی ہے جسے میں پسند کرتا تھا اب اس کے سوا کیا کہوں کہ میں پریشے صاحبہ کے جذبات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور مجھے ان سے ہمدردی ہے اینڈ دیٹ سک۔" اور اشتیاق و تجسس سے لبریز دل لیے دروازے کے باہر کھڑی ایک ایک حرف تمام گفتگو کا اپنے کانوں سے سنتی پریشے درانی کو لگا تھا جیسے اس کا دل پوری قدت سے پھیل کر سکڑا ہے اور ڈھڑکنا بھلا بیٹھا۔

"یہ کیا ہو گیا تھا ایکدم اچانک دنیا ختم ہو گی۔ درانی ہاؤس کے در و دیوار پہ ایک زرد شام اپنی تمام تر حسرتوں سمیت اتر آئی اور اس زبان کے احساس کو ذہنی طور پر قبول نہ کرتی پریشے درانی تیورا کر پورے قد سمیت گرتی چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

www.pkdigest.com

اتنے چپ کیوں ہو رفیقانِ سفر کچھ تو کہو
درد سے چور ہوئے ہو کہ قرار آیا ہے
بھر گیا ہجر کا ہر زخم کہ جیسے ہار چلے
بجھ گیا شوق کہ پیغام نگار آیا ہے
نامرادی کی تھکن ہے کہ خمار شب وصل
جاں سلگتی ہے کہ چہروں پہ نکھار آیا ہے
کتنی اجڑی ہوئی رت ہے کہ سکوں ہے نہ جنوں
اتنی بے فیض ہوئی بادِ بہاری کیسے
نہ کہیں نوحہ جاں نہ کہیں نغمہ دل
کچھ تو بولو کہ شب درد گزاری کہیں
سر بزانو ہو تو کیوں چاک گریبان والو
بازیِ راہ طلب جیت کے ہاری کیسے

درانی ہاؤس میں موت کا سناٹا طاری ہو چکا تھا پریشے درانی کو ہاسپٹل لے جایا گیا جہاں اسے پورے بیس گھنٹے بعد ہوش آیا اریبہ بیس گھنٹے سونیا سالار درانی کے ساتھ ساتھ طارق شیرازی نے بھی پل پل کے اضطراب میں بتائے تھے۔

پریشے درانی کو شدید قسم کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا اور ہوش میں آنے کے بعد وہ جس طرح بریگیڈیر سالار درانی سے لپٹ کر وحشت زدگی اور دیوانگی کی کیفیت میں دھاڑیں مار مار کے روئی تھی اس کی سسکیاں آہیں اور ہچکیاں طارق شیرازی کے دل کو درد کے ایک نئے صحرا میں لا کر پٹخ چکی تھیں اس پر ستم یہ کہ جتنی مرتبہ بھی اس کی نگاہ ارادتاً یا غیر ارادی طور پر سونیا کی نگاہ سے ٹکرائی تھی اتنی مرتبہ وہ اس کی الزام دیتی نظروں سے آنکھیں چرانا خست وخجالت کا شکار ہوتا رہا تھا۔

"آئی ایم ساری شاید میری باتیں سن کر ہی ان کی زیادہ حالت خراب ہوئی مگر اتنی معمولی بات کا اتنا شدید ری ایکشن۔" اور اپنی بات کہہ چکنے کے بعد طارق شیرازی کو احساس ہوا تھا وہ اس پریشانی میں کیسی بے تکی بات کر چکا ہے اس پر سونیا کے الفاظ اور نگاہیں اسے مزید خجالت سے دوچار کر گئیں۔

"یہ معمولی بات آپ کے لیے ہو سکتی ہے میجر صاحب! اس لڑکی کے لیے نہیں جس کو محض آپ کی ایک جھلک نے خود اسی سے چھین لیا تھا جو برسوں آپ کی تلاش میں ماری ماری پھرتی خود پہ کھلنے والا خوشی کا ہر دروازہ بند کرتی آئی تھی جو استعمال جیسے خطرناک مرض کا شکار ہو گئی اس کی حساسیت اور شدتوں کا اندازہ آپ اس بات سے بھی لگا لیں کہ وہ کس درجہ حواس گنوا بیٹھی اس زیاں کے احساس کو سہتے ہوئے۔" سونیا نے تو گویا اسے آڑے ہاتھوں لیا پھر اس کے مسلسل سے بج اٹھنے والے موبائل فون کی سمت اشارہ کرتے ہوئے خاصے طنزیہ انداز میں بولتی تھی۔

کال ریسو کریں جناب آپ کی مسز آپ کی اس غیر حاضری کی وجہ سے خاصی ڈسٹرب ہو چکی ہوں گی۔"

طارق شیرازی مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرمانہ شرمندگی میں مبتلا ہو گیا اور بالکل غیر شعوری طور پر اس نے موبائل کا سوئچ آف کر دیا ہاسپٹل کے خاموش پرسکون ماحول میں جو نامانوس سا شور اس گھنٹی نے برپا کیا تھا یکدم تھم گیا۔

"مجھے بالکل سمجھ نہیں آ رہی مجھے اس سچویشن میں اپنی پوزیشن کس طرح سے کلیئر کرنا چاہیے۔" وہ خاص سے زیادہ پریشانی میں مبتلا ہو کر کہہ رہا تھا۔

سونیا نے ایک نظر اسے دیکھا صوفے سے اٹھ کر کاریڈور کے پار ہاسپٹل احاطے سے پرے گھاس کے

سرسبز قطعات پر کرتی بارش کی بانہوں کو تکنے لگی۔ تبھی بریگیڈیر سالار درانی آنکھوں کی نمی ہاتھ کی پشت سے پونچھتے ہوئے باہر آئے تھے۔ وہ ہچکچا کر ان کی سمت بڑھا۔

"سر اب کیسی ہیں مس پریشے!"

اور بریگیڈیر سالار درانی چونک گئے اور یوں بغور اس دیکھا جیسے پہلی مرتبہ دیکھ رہے ہوں اور طارق شیرازی تمام تر اعتماد اسی ایک پل میں زائل ہوتا محسوس ہوا یہ آگاہی کے بعد کی نظر تھی اور اس ایک نگاہ میں کتنی بے بسی اور کتنا دکھ رچا تھا یہ وہ جان سکتا تھا۔

ہیجان اور جنوں کی کیفیت میں پریشے نے وہ سب ان پر عیاں کیا تھا جو حواسوں میں رہ کر کہنے کا تصور بھی محال تھا۔ ان کا سر اس کے سامنے جھک گیا اور وہ بے ربط سے بڑبڑانے لگے۔

"وہ ٹھیک نہیں ہے۔ میری بیٹی بالکل ٹھیک نہیں ہے۔ ڈاکٹر اس کی جانب سے تشویش میں مبتلا ہیں کچھ ٹیسٹ تجویز کیے گئے ہیں اس کے بعد ہی پتہ چل سکے گا۔"

وہ گھٹ گھٹ کر رو رہے تھے چھے فٹ لمبا مضبوط مرد بے بسی لاچاری کی انتہاؤں پر کھڑا آنسو بہا رہا تھا طارق شیرازی ششدر سا انہیں دیکھتا چلا گیا محبت کا یہ رخ اسقدر شدت سمیت پہلی بار اس کے سامنے تھا۔

"اس سے پہلے میری بیوی اور بیٹا بھی مرض میں مبتلا ہو کر اس دنیا سے منہ موڑ چکے ہیں اور اب ڈاکٹر پریشے کے متعلق بھی ایسے ہی خدشے کا اظہار کر رہا تھا مگر حتمی رائے وہ میڈیکل رپورٹ اور ٹیسٹ وغیرہ کے بعد ہی دے سکے گا۔" خوف وہ حراس ان کے چہرے ہی نہیں آنکھوں سے بھی چھلک رہا تھا طارق کی آنکھ میں حیرانی حیرانی در آئی۔

اور پھر خدشات سچ ثابت ہوئے ایک ہفتے بعد رپورٹس کا نتیجہ سامنے تھا کہ ہجر کا آکٹوپس نارسائی کے احساس سمیت اس کی رگ جاں میں کر اپنے نیچے گاڑھ چکا تھا سالار درانی کو لگا تھا ڈاکٹر الفاظ نے ان کی روح ان کے وجود سے کھینچ لی ہے۔

"کینسر ہے اور گال بلیڈر میں Stone بھی ہے۔" باہر تیز ہوائیں تھیں اور اندر بریگیڈیر سالار درانی کی وجود کی عمارت ریتلی دیوار کی طرح ڈھتی جا رہی تھی دکھ کرب اور مایوسی کا احساس ان کی آنکھوں کو دھندلاتا جا رہا تھا ڈاکٹر انہیں آپریشن اور اس بیماری کے متعلق مزید معلومات فراہم کر رہا تھا اور وہ صفا میں کسی طوفان کا پیش خیمہ محسوس کرتے ہر پل ہراساں ہوئے جا رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

جب یار نے رخت سفر باندھا کب ضبط کا سارا اس دن تھا
ہر درد نے دل کو سہلایا کیا حال ہمارا اس دن تھا
جب خواب ہوئیں اس کی آنکھیں جب دھندلا اس کا چہرا
ہر اشک ستارہ اس شب تھا ہر زخم انگارہ اس دن تھا
سب یاروں کے ہوتے سوتے ہم کس کے گلے لگ کر روتے
کب گلیاں اپنی گلیاں تھیں کب شہر ہمارا اس دن تھا
جب تجھ سے ذرا غافل تیرے ہر یاد نے دل پر دستک دی
جب لب پر تمہارا نام نہ تھا ہر دکھ نے پکارا اس دن تھا
اک تم ہی فراز نہ تھے تنہا اب کہ تو بلا وہ جب آیا
اک بھیڑ لگی تھی مقتل میں ہر در کا مارا اس دن تھا

سونیا کی آنکھیں بہت سرعت سے پانیوں سے چھلک گئیں تب اس نے ہونٹوں کو سختی سے بھینچا اور ڈائری بند کر دی اٹھی اور اس کے کمرے کی سمت آ گئی۔ در ادھ کھلا تھا اور کمرا نیم تاریک بالکل کمرے والی کے نصیب کی

www.pkdigest.com

طرح۔ وہ آہستگی سے آگے بڑھ آئی پریشے تکیوں میں منہ دیے ساکن لیٹی تھی۔ سونیا کو اس کے وجود کے اس سکتے نے وحشت کا شکار کیا تھا۔

"پریشے۔" وہ اسے جھنجوڑ کر چیخی تو پریشے ایکدم سیدھی ہو بیٹھی۔ اس کے چہرے پر سرسوں کا رنگ جما ہوا تھا۔

"یہ سب آسان کہاں تھا ہجر بھوگنا آسان کہاں تھا پھر یہ تصور کہ وہ جسے ہر پل چاہا ہر پل سوچا وہ کسی اور کا ہے کسی اور کے سنگ ہے دیوانگی کی سیڑھی پر پہلا قدم ہے پھر چاہے سانس تیز چلے یا مدھم یا چلے ہی نہ کیا فرق پڑتا ہے۔"

"سونیا کو پریشے کی ہی کہی بات یاد آئی جو اس نے چار دن کی جان ہوا خاموشی کے بعد اس کی منت سماجت کے بعد کہی تھی اور سونیا کو لگا تھا اس کا دل کسی نے چیر کر رکھ دیا ہو۔

"تم ایسا کچھ مت سوچو پری پلیز۔" وہ گڑگڑائی تھی اور پریشے کے چہرے پر بے بسی پھیل گئی ایسی بے بسی جو صرف اس کے چہرے پر ہی نہیں دل اور آنکھوں پر بھی چھا گئی تھی جو اس کی ہر خوشی اور بے فکری کو چاٹ گئی تھی اور تب وہ اسے اپنے تصورات بتانے لگی جنہیں جان کر سونیا پتھر کی ہونے لگی تھی۔

"پری۔" وہ بے ساختہ سسکتی ہوئی اس سے لپٹ گئی تھی۔ جبکہ پریشے جیسے ہر احساس سے بے نیاز تھی ماسوائے ایک احساس زیاں کے۔

"وہ اس کے بغیر خود کو تنہا اور ادھورا محسوس کرتا ہوگا تبھی تو وہ جا کے اسے اپنے پاس لے آیا پاپا بتا رہے تھے تاکہ اس نے بالخصوص اپنی مسز کی خاطر رہائش کا مسئلہ اٹھایا تھا سونی اب وہ ماہ نور کے ساتھ ہے اور میجر عبداللہ کی مسز ان کی باتیں بتا دیں۔ وہ کہہ رہی تھیں طارق شیرازی محبتوں کے معاملے میں بہت شدت پسند واقع ہوا ہے اس نے خاندان کی مخالفت مول کر اس لڑکی کو اپنایا جو اس کی کزن تھی۔ سونی میں اسی لڑکی کو دیکھنا چاہوں گی جسے وہ مرتبہ ملا ہے جو مجھے دعاؤں اور التجاؤں کے بعد بھی نصیب نہیں ہو سکا۔" کمال ضبط اپنایا تھا اس نے مگر اس کی آنکھوں میں نامرادی کا ماتم تھا وہاں نوحے تحریر ہو چکے تھے اور لبوں سے کراہیں لپٹ گئی تھیں۔ سونیا کو لگا اس وقت اس کے سامنے اس کی جانی پہچانی پریشے نہیں تھی وہ تو کوئی ایسی پگلی تھی جس میں ان گنت سوئیاں تھیں اور وہ بھٹی میں اترنے کو تیار تھی وہ تو کوئی جوگن تھی جو خود کو یکسر فراموش کیے پیا پیا پکارتی ہجر کے صحراؤں میں بھاگتی پھر رہی تھی۔

"جب بھی روح لاحاصل محبت کرتی ہے یہ دیوانے پن سے کیوں ہمکنار ہو جاتی کیا روح ہمیشہ لاحاصل راستوں پر ہی جانا پسند کرتی ہے کیا اس کے لیے دیوانگی کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں۔" وہ سوال کر رہی تھی اور سونیا کے پاس کوئی جواب ہی کہاں تھا اس نے تسلی دینے کو پریشے کا ہاتھ تھاما تو اس کے ہاتھ میں انگارے کی سی تپش اور گرمی تھی۔ وہ چونک گئی تھی۔

"تمہیں ٹمپریچر ہے اور تم نے بتایا بھی نہیں۔" وہ شاکی ہونے لگی پریشے کے لبوں پر زخمی مسکان بکھر گئی۔

"میرے اندر جو آگ ہے سونی! وہ باہر کی تپش کو محسوس نہیں ہونے دیتی۔" وہ پھیکی سی ہنسی ہنسی۔

سونیا نے گہرے دکھ میں گھر کر اسے دیکھا جس کی آنکھیں ان چند دنوں میں ہی اندر کو دھنس گئی تھیں اس کے گالوں پر کھلے رہنے والے گلاب کتنی تیزی سے مرجھا رہے تھے اپنی مرجھاتے ہوئے گلاب سے رخساروں پر آنسو شبنمی قطروں کی طرح برسنے لگے ان آنسوؤں میں لاچاری بھی تھی شکست خوردگی بھی۔ حسرتوں کی بے بسی تھی۔

"میں آدھی اس روز مر گئی تھی سونی جب وہ مجھ سے مل کر بچھڑ گیا اور میں ایک بار پھر اس روز آدھی پھر مر گئی۔ جب اس نے شادی کی پتہ نہیں کیوں میرا دل گواہی دینے لگا تھا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا نا۔ مجھے اس کے دوبارہ ملنے پر وہ خوشی نہیں ہو پائی جو ہونا چاہیے تھی وہ میرا ہوتے کہاں آیا تھا میرے سامنے وہ تو کسی اور کا ہو کر میرے پاس آیا تھا۔"

"تمہیں ایسی باتیں کیونکر پتہ چل جاتی ہیں پری۔" سونیا آنسو ضبط کرتی اس کا ہاتھ سہلا رہی تھی اسی دوران جانے کتنی مرتبہ اس کی سانس اکھڑی تھی اور سونیا نے ان ہیلر کے ذریعے سانس بحال کیا تھا مگر وہ اسے بولنے سے روک نہیں سکی شاید اس صورت دل کا غبار نکل جاتے اس نے کتنی بے دلی سے ایک ایسی بات سوچی تھی۔ جس کے نہ ہونے کا اسے خود بھی یقین تھا۔

"وجہ تو مجھے معلوم نہیں مگر پتہ چل جاتی ہیں۔" پریشے نے تھکے تھکے انداز میں کہہ کر آنکھیں موند لیں۔

☆......☆......☆

"چپ کیوں ہو گئے دیجئے وضاحت! جب یہاں آپ کی دلچسپیاں موجود تھیں تو پھر میں پوچھتی ہوں آپ کو میری زندگی برباد کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی بتائیے۔" غصے اور ہیجان نے اس کی آواز کو بلند کر دیا تھا۔

"شٹ اپ موموا جسٹ شٹ اپ۔" وہ بھینچے ہوئے لہجے میں ٹوک گیا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے جو تم سوچ رہی ہو۔ پریشے میرے آفیسر کی بیٹی ہے بیمار تھی پچھلے دنوں ہاسپٹلائزڈ تھی میں اس کی......"

"آپ اس کی دلداری کے لیے وہاں دن رات موجود رہے مجھے خود کو ہی نہیں گھر اور ڈیوٹی کو بھی بھلائے رکھا ہے نا۔" وہ اس کی بات کاٹ کر چیخی طارق شیرازی کو اس کے غصے اور نفرت جھلکاتی آنکھوں نے طیش نہیں دلایا بلکہ وہ اس کی جلن رقابت کو محسوس کرتا ایک بالکل نئے انوکھے احساس سے دوچار ہوا تھا۔ ماہ نور کا خالصتاً بیویوں والا یہ انداز اس کے اندر بھرپور طمانیت بھری اور خوشی کے احساس کو جگا گیا تھا وہ آگے بڑھا اور بڑی طرح سے تلملائی ہوئی ماہ نور کو شانوں سے تھام کر اپنے مقابل کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک کر گویا ہوا تھا۔

"جیلسی فیل کر رہی ہو؟" ماہ نور نے بھڑک کر اسے دیکھا اور ایک ہی جھٹکے سے اس کے ہاتھ ہٹا دیے۔

"فضول بات مت کریں مائی فٹ میری جوتی کو بھی جیلسی فیل نہیں ہوئی سمجھے آپ! میں تو آپ سے یہ پوچھ رہی ہوں کہ اگر ایسی عیاشیاں آپ کی زندگی کا حصہ تھیں تو میرے ساتھ یہ گھٹیا حرکت کرنے کی کیا تک بنتی تھی۔" طارق شیرازی کی سفید رجلی انگشت لفظ عیاشیوں پر ٹھک کر انگارہ ہوئی۔ اس نے لب بھینچ کر سگریٹ ایش ٹرے میں اچھال دیا۔

"جب تمہیں پرواہ ہی نہیں ہے تو پھر تمہیں میری کسی وضاحت کی بھی ضرورت نہیں ہونی چاہیے عیاشی کرنے والا یہ نہیں بتاتا تاکہ تم سمجھ لو میں نے تمہیں بھی اپنی عیاشی فطرت کی بھینٹ چڑھا دیا ہے اور کسی اور کو بھی چڑھانے والا ہوں جو جیسا ہو رہا ہے ہونے دو۔

"آپ؟" وہ چیخی تھی کہ طارق نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے اسے سرد نگاہوں سے دیکھا اور گویا خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"چلاؤ مت ماہا اور جاؤ یہاں سے میں تمہاری ہر بات کا جواب کا پابند نہیں ہوں۔" اس کی آواز اس کی نظروں سے بھی زیادہ سرد تھی۔ اس سے پہلے کہ ماہ نور اندر بھرتے اشتعال میں کچھ کہتی اس کا سیل فون گنگنانے لگا اور وہ اسے نظر انداز کرتا اس کی سمت متوجہ ہو گیا۔

"ہیلو۔ وسلام! کیسی ہیں آپ!" وہ کتنا لاتعلق نظر آنے لگا تھا پل کے پل ہی ماہ نور نے اپنے اندر لاوا دہکتے محسوس کیے یہ کچھ فاصلے پر موجود چاکلیٹی کلر کے سلیپنگ گاؤن میں اپنی دراز قامت کے ساتھ بے حد خوبرو نظر آنے والا طارق شیرازی اس پل اسے نظر انداز کرتا اسے کیسے دیگر احساس میں مبتلا کر چکا ہے یہ ماہ نور نے لمحے کے ہزارویں حصے میں جانا اور آنکھوں میں اترنے والے آنسوؤں سمیت آہستگی سے پلٹ گئی۔

یہ سوچ کتنی ہرٹ کر دینے والی تھی کہ وہ اس کی موجودگی میں کسی یکسر غیر لڑکی سے اتنی تہذیب اتنی شائستگی سے بات کرتا ہوا اسے کیوں بھلا بیٹھا کہ وہ بھی وہیں ہے۔ اسے احساس تک نہ ہوا اور اس رقابت اس جلاپے میں جلا

www.pkdigest.com

ہوتی چلی گئی جس سے آج سے پہلے تک یکسر انجان تھی۔

☆......☆......☆

مہندی سے لکھ دو ہاتھوں پر میرے میرے سنوریا کا نام

وہ کمرے میں کھڑکی کے سامنے بیٹھے تھے آنگن میں کھلنے والی کھڑکی کا ایک پٹ ادھ کھلا تھا اور اندر ڈھولک پر گاتی لڑکیوں کی آواز ان کی کانوں تک پہنچ رہی تھی جس روز سے کی شادی کی تاریخ طے کی گئی تھی وہ اس روز گاؤں سے چلے گئے تھے اور آج آئے تھے انہوں نے جانا تھا دل جن راہوں پر جن کاموں پر آمادہ ہو نہ بھی ہو وہ بھی کرنے پڑتے ہیں زندگی کا انداز اتنا بھیانک تھا کہ قدم قدم پر آزمائش بن رہی تھی۔

"بھئی میں نے تو تمہاری کم عمر نازک اور پیاری سی بیوی کو اس لیے اسے پاس روک لیا تھا داؤد کہ تم بھاگ بھاگ کر یہاں آتے رہو مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہو گیا تم تو جیسے جان چھڑا کہ بھاگے۔" رافعیہ آپا نے ان پر گرفت کی تھی۔ ان کی نگاہ نا چاہتے ہوتے بھی اٹھی تگین کی خفا خفا سی صورت پر شرمندگی کے بھی سائے لرزاں نظر آتے تو لب بھینچ کر نگاہ کا زاویہ بدل ڈالا۔

"میں نے کوشش کی تھی مگر مصروفیت......"

"سب بہانے ہیں۔ نئی نئی شہر میں بھی تو کوئی چکر نہیں چل رہا داؤد کا ذرا بتاؤ۔" آپا نے پہلی ان کی بات کاٹی پھر تگین کو بھی شامل گفتگو کیا۔ پتہ نہیں انہیں کیوں اتنی شرارت سوجھ رہی تھی ایسے ہی ذو معنی فقروں اور معنی خیز شرارتوں سے جھنجھلاتے وہ جان چھڑا کہ اپنے کمرے میں آ گئے مگر نیند اتنی مہربان ہوتی تو زندگی بھی کچھ سہل ہو جاتی وہ بستر پر تو لیٹ گئے مگر سوائے کروٹیں بدلنے کے اور کچھ نہ کر پائے نظریں خوامخواہ چھت کی ڈیزائننگ میں الجھتی رہیں تو جھلا کر اٹھ گئے سگریٹ سلگایا اور ایزی چیئر سنبھال لی۔ مگر جب تگین بھی ان کے پیچھے ہی اندر چلی آئی تو محض وہ اس سے کترانے کو اٹھ کو ٹیرس کی بالکونی کا دروازہ کھول کر وہاں آ کر ریلنگ کے سہارے کھڑے ہو گئے۔

شہیر نے گھر تو بہت اچھا بنوا لیا تھا جالی دار دیوار کی منڈیر پر ہاتھ رکھے انہوں نے ایک لمحے کو اپنا دھیان بٹانا چاہا سردیوں کی نرم خرحت آ گئیں دھوپ نے نرمی و پیار سے انہیں چھوا گویا پیار کر لیا ہو مست ہوا نے ان کے بالوں کو بکھیر دیا انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے سامنے سڑک کا جائزہ لیا جہاں بنیادی مرکز صحت کی سرکاری عمارت دکھائی دے رہی تھی سڑک کے کنارے اس کا نیلے رنگ کا سائن بورڈ بھی نظر آ رہا تھا۔ سڑک کے پار کھیتوں کا سلسلہ پھیلا تھا جس میں کپی اور کماد کی فصلیں لہلا رہی تھیں۔ وہ یقیناً یونہی گم رہتے اگر جو انہیں اپنے پیچھے تگین کی پکار نہ سنائی دیتی مگر جب وہ پھر بھی نظر انداز کیے۔ جیب سے نکال کر نیا سگریٹ سلگانے لگے تو تگین خود بھی ان کے سلگتے سگریٹ کی طرح سے سلگتی ان کے سامنے آ گئی۔

"آپ سوتے ہیں۔" ان کے مضمحل چہرے پر محض ایک نگاہ ڈال کر ہی وہ اپنا غصہ بھولنے لگی۔ دل جتنا بھی خفا ہوتا اس دشمن جاں سے مگر اتعلق نہیں برت پاتا تھا۔ وہ جواب دینے کی بجائے اسے تکنے لگے گو کہ ان آنکھوں کا رنگ شوخ تھا نہ گہرائی لیے اس کے باوجود تگین کے اندر ہلچل مچنے لگی اس کی نگاہیں جھک گئیں اور ایکدم سے اٹھنے والے ہوا کے شریر جھونکے نے اس کے کھلے بالوں کو مزید کھول کر بکھیر دیا۔

"چلئے اندر چلیں یہاں بہت ٹھنڈ ہے اور پھر آپ تو سفر سے تھکے ہوئے بھی آتے ہیں۔" وہ دوپٹے اور بالوں کو سنبھالتی اس پل کسی کو بھی اپنی خوبصورتی اور دلکشی کے ہمراہ اپنا اسیر کر سکتی تھی ماسوائے داؤد حسن خاں کو جن کے اندر جذبوں پر اتنی برف گر چکی تھی کہ وہ اپنا احساس گم کر چکے تھے۔ انہوں نے نگاہ کا زاویہ بدلا اور پلٹ کر اندر آ گئے۔

سیاہ بادل آندھی کے ساتھ دیوانہ وار بھاگے چلے آ گے اور آن واحد میں آسمان سیاہ پڑ گیا دیکھتے ہی دیکھتے موٹی موٹی بوندیں گریں اور موسلا دھار بارش کا روپ دھار گئی الگنی پر پڑے دھلے کپڑے یونہی پڑے رہ گئے۔ سکھ

چین کے پیلے پڑتے پتے ٹوٹ ٹوٹ کر صحن میں برسنے لگے۔ بادل زور سے گرجے تھے جب تگین نے ٹیرس کی جانب کھلتا بالکونی کا دروازہ بند کیا اور انہیں دیکھا مگر وہ جیسے خود سے بھی غافل تھے تگین کی نگاہ ان کی انگلیوں میں سلگتے سگریٹ پر جا رکی ج سلگ سلگ کر ختم ہونے کو تھا اس نے سرعت سے لپک کر سگریٹ ان کی انگلیوں کے درمیان سے نکالا اور کھڑکی سے باہر اچھال دیا۔

"خود سے اتنی غفلت خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔" اس کا انداز ناصحانہ تھا داؤد نے پہلے چونک کہ پھر اچاٹ نظروں سے اسے دیکھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر اسے حیران پریشان چھوڑتے کمرے سے نکلتے چلے گئے۔ برآمدے کو عبور کر کے سڑھیاں اترنے کے بعد آنگن میں آتے ہی وہ گویا ایک دم جھٹکا کھا کر رکے تھے۔ بانہوں کے گھیرے میں گیلے سوکھے کپڑوں کا ڈھیروں سنبھالے شہرینہ اپنے دھیان میں دوڑ کر آنگن عبور کرتی ان سے ٹکراتے بچی تھی۔ انہیں روبرو پا کے اس کی آنکھیں پہلے بے تحاشا چمکیں۔

"کیوں آئے ہو اب؟ میری زندگی میں برپا تماشا دیکھنے۔" وہ ہونٹ سکوڑ کر پھنکاری اور داؤد کے اعصاب کشیدہ ہو گئے۔ وہ اس سے کترا کر سرعت سے نکلتے گئے تھے اور ان کے چوڑے مضبوط شانوں کو جھلتی آنکھوں سے دیکھتی شہرینہ اس وقت بے اختیار ہنس پڑی تھی جب تگین کو بھی اچھی خاصی عجلت میں بھاگ کر سڑھیاں اترتے ان کے تعاقب میں جاتے دیکھا۔

"داؤد کہاں جا رہے ہیں رکیں تو پلیز!"

"اس نے جیسے شہرینہ کو دیکھا نہیں تھا۔ تگین کی آواز پر ٹھٹھک کر پلٹی اور حیران رہ گئی تو گویا یہ تمہاری بھی پہنچ سے باہر ہے؟ گڈ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔" وہ پاگلوں کی طرح سے ہنستی تگین کو بھونچکا کر گئی۔

"واٹ یو مین آپ!"

"کچھ نہیں ڈیئر بس میرے دل میں آج ٹھنڈک پڑ گئی جو خوشی مجھے نہیں مل سکی وہ دنیا کی کسی بھی عورت کا نصیب نہیں بن سکی۔ تہی داماں ہو نا تم بھی ابھی تک؟" وہ اس کا چہرہ اس کی آنکھیں کھوج رہی تھی اور تگین یوں بوکھلا گئی جیسے چوری پکڑی گئی ہو کسی نے اسے بے پردہ کر ڈالا ہو۔ اس نے فق ہوتے چہرے سے شہرینہ کی فاتحانہ نظروں کو دیکھا اور پلٹ کر بھاگ گئی۔

☆......☆......☆

یہ اب جو موڑ آیا ہے۔
یہاں رک کر
کئی باتیں سمجھنے کی ضرورت ہے
سنا ہے ریگ صحرا کے سفر میں
راستے میں دو قدم بھٹکیں
تو منزل تک پہنچنے میں
کئی فرہنگ کی دوری نکلتی ہے
سو اب جو موڑ آیا ہے
یہاں رک کر
کئی باتوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے

یہ آپ کے لئے ہے۔ وہ اس کے چہرے پر پھیلی زاویوں کو ایک نظر دیکھتا ہوا تگین خوبصورت ریپر میں لپٹا پیک اس کی جانب بڑھا کر بولا۔

www.pkdigest.com

''واٹ ازدس۔'' پریشے سنبھل کر بیٹھ گئی گدکہ دل اسے روبرو پاتے ہی سینے کی کمزور دیواروں میں اتھل پتھل ہونے لگا تھا۔

''بکس ہیں آئی ایم شیوڈ کہ آپ کو پسند آئیں گی۔ وہ اس کی عیادت کو ہی آیا تھا مگر اس پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا وہ جانتا تھا وہ کتنی خوددار ہے اس کی ہمدردی کو بھی پسند نہیں کرے گی اور وہ اس کے احساسات کو مجروح نہیں کر سکتا تھا۔

''تھینکس مگر میں اب کتابیں اتنے شوق سے نہیں پڑھتی۔' اس نے دانستہ نگاہ اٹھا کر دیکھنے سے گریز برتا کہ دل کے تقاضے اسے دیکھ کر کیسے خون رلانے لگتے تھے اور وہ اس سے اس کے ہر حق سے دستبردار ہو گئی تھی اور ایسا کرتے اس نے کتنی اذیت سہی تھی یہ کون جانتا تھا سوائے اس کے رب کے جو اس کے آنسوؤں سسکیوں آہوں کے ساتھ اضطراب اور بے کلی کا بھی گواہ تھا۔

''اب کیسی ہیں آپ؟'' وہ کتنی گہری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا پریشے جلتی ہوئی شمع کی طرح سے پگھلنے لگی۔

''مجھے کیا ہوا تھا۔'' وہ اس کے سامنے کمزور پڑنے سے ڈری جانتی تھی ذرا سی کمزوری اسے ایسا بکھیرے گی کہ پھر وہ کبھی خود کو جوڑ نہ پائے گی۔

''آپ کو سونیا کے بلانے پر بھی نہیں آنا چاہتے تھا وہ تو ہے ہی بیوقوف پتہ نہیں کیوں مجھے بیمار ثابت کرنے پر تلی ہوئی ہے۔'' وہ اس کے کچھ جتانا بھی نہیں رہی تھی اس کے باوجود وہ اتنا خفت زدہ ہوا کہ کئی ثانیوں کو کچھ بول نہیں پایا۔ یہ اس کی غفلت تھی یا انستہ اپنایا گیا گریز کہ اس انکشاف کے بعد وہ پریشے کے سامنے سے بھی خائف ہو چکا تھا۔

''اگر سونیا نہ بھی کہتی کہیں تب بھی مجھے آنا تھا آپ میری دوست ہیں آپ کو خبر گیری میرا فرض بنتا ہے۔'' وہ بڑی دقتوں سے مسکرایا جبکہ پریشے چونک گئی تھی۔

''دوست! مگر میں نے تو.....''

''آپ نے نہ سہی مگر میں نے ضرورت آپ کو دوست مانا ہے سمجھا ہے۔'' وہ ابھی بھی مسکرا رہا تھا پریشے کی آنکھوں میں روکنے کے باوجود نمی بڑھنے لگی۔

''نہیں مجھے ان راستوں پر نہیں چلنا جن پر میرے لیے کچھ نہیں ہے۔'' وہ مچلتے ہوئے دل کو جھڑک کر لب بھینچے بیٹھی تھی جبکہ طارق کی سوالیہ نگاہیں اسی پر فوکس تھیں۔

''آپ کو برا لگا کیا؟'' پریشے نے چونک کر اسے دیکھا اور گہرے دکھ کو محسوس کرتی پھیکا سا مسکرائی۔

اس دنیا میں واحد انسان آپ ہیں جس کی کوئی نہیں بات مجھے بری نہیں لگ سکتی مگر آہ! تم ہی نہیں جانتے۔''

میری تربیت اس انداز میں نہیں ہوئی کہ مردوں کی دوست بننے کی آفر قبول کی جا سکے اور طارق ہنس پڑا تھا۔

''چلیں آپ مجھے اپنی سہیلی سمجھ لیں۔'' اور پریشے کے اندر موجود دکھ رو پڑے میں نے تو تمہیں اپنا سب کچھ من ہی سمجھا تھا مگر تم بہت جلد باز نکلے طارق شیرازی کاش آہ کاش تم میرا نصیب بن سکتے۔

وہ بے خیالی میں حسرت زدہ نگاہوں سے اسے تکے گئی اور طارق شیرازی بے پناہ اعتماد کے باوجود کنفیوز ہونے لگا۔

باقی اگلے ماہ

حاصل تمنا تم ہی تو ہو

نمرہ بخاری

www.pkdigest.com

"ارے کس سے بات کرنا ہے۔" ریسیور کان سے لگائے پھوپی بیزاری سے گویا ہوئیں۔
جواب نہ ملنے پر انہیں غصہ آنا لازمی امر تھا۔ کہ گرمی کی دوپہر میں سوتے سے اٹھ کر آئی تھیں۔
"کاشر تمہاری پھوپی اماں بول رہی ہیں شاید۔" عرلیس نے ماؤتھ پیس پہ ہاتھ رکھ کر کاشر کو بتایا۔
"ٹھیک ہے یار آج تم بھی جی بھر کے ان کی گفتگو سن لو۔"
"ہیلو۔" پھوپی نے لیوری آواز سے کہا۔
"جی۔ جی بول رہا ہوں۔" کاشر سے بات کرتا عرلیس گھبرا کر بول اٹھا۔
"کس سے بات کرنی ہے۔"
"جی بات تو فرح سے کرنی تھی۔ مگر اب تو جی چاہتا ہے آپ کی شیریں گفتگو سنتا ہی چلا جاؤں۔" بڑے چاؤ سے کہا گیا۔
"ہاں کیوں نہیں۔ میں تمہارے اماں باوا کی نوکر بیٹھی ہوں جو بھری دوپہر میں آرام کرنے کے بجائے تمہارے ساتھ باتیں بگھاروں گی۔ ہاں یہ فرح کا ذکر کیوں کیا تم نے، کون ہو تم؟ سیدھی طرح بتا دو ورنہ منہ نوچ لوں گی۔"
"مگر یہ تو سوچیں فون پر بھلا منہ کیسے نوچا جا سکتا ہے۔ کہیں تو خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔"
"او خدائی خوار کسی خیال میں مت رہنا، اچھے اچھوں کو ٹھیک کر دیتی ہوں۔ تمہیں انسان نہ بنا دیا تو نام جمیلہ بانو نہیں ہے۔"
"واہ کیا بھلا سا نام ہے۔ آپ کا۔" وہ تعریف کرنے لگا۔
"بتایا نہیں فون کیوں کیا تھا؟"
"جی فرح سے بات کرنا ہے۔"
"شرم کیا گھول کر پی گیا ہے گھر میں اماں بہن نہیں جو یکے چلا جا رہا ہے۔ ضرور کسی ہیچ خاندان سے تعلق ہے تیرا۔"
"اوئے بس اب نہیں سن سکتا۔" عرلیس نے ریسیور کریڈل پر ڈالتے ہوئے کاشر سے کہا۔
"کیوں؟ کیا زیادہ ہی خاطر تواضع ہو گئی ہے۔"

پھر عرلیس نے اسے تفصیل بتا دی۔
"ہماری پھوپی اماں ماشاء اللہ زبان کی بہت کھٹی میٹھی ہیں۔ ابھی تو فون پر ملے ہو۔ باقاعدہ ملاقات ہوگی تو مزا آ جائے گا۔"
"ان کے سامنے تو میں ایسی باتیں نہیں کر سکتا۔ مودب رہوں گا۔"
"ہاں مگر پھر بھی وہ شے دیکھنے کی ہیں ان کے دم سے ہمارا گھرانہ زمانے سے ایک صدی پیچھے ہے۔"
"اچھا۔" عرلیس کو حیرت ہوئی۔
"اور کیا وہی پرانی گول اینٹوں کا آنگن بڑا سا برآمدہ، اس کے ستون پر توری کی بیل۔ آگے پیچھے بنے بہت سے کمرے اور سب کے سب پرانے زمانے کے فرنیچر سے بھرے۔"
"اچھا پھر تو تمہارا گھر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہوگا۔"
"ہاں اگر آثار قدیمہ سے دلچسپی ہے تو کہہ سکتے ہو۔"
"میں آؤں گا۔ کسی روز۔"
"تو کیا میں خود نہیں لے کر جاؤں گا۔ اس وقت اجازت دو۔" کاشر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔
عرلیس اور کاشر کی دوستی زیادہ پرانی نہ تھی۔ کچھ عرصہ قبل تصویروں کی نمائش میں ملاقات ہوئی اور پھر دوستی ہو گئی کہ طبیعتیں ایک جیسی ہی پائی تھیں۔ فرق تھا تو یہ کہ عرلیس کا تعلق اس خاندان سے تھا جو مغربی اقدار پر جان دیتا ہے۔ دولت گھر کی باندی تھی۔ جبکہ کاشر کے ہاں مکمل مشرقی ماحول رائج تھا۔ اور یہ لوگ کھاتے پیتے عزت دار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔
پھوپی اماں نے آج بھی گھر میں نانی، دادی کے زمانے والا ماحول پیدا کر رکھا تھا۔ ہر چند ان کا بھتیجا کاشر اور بھتیجی فرح بہت شوخ و شریر تھے مگر ایک تو ان کا یہ آبائی مکان اور اس پر جمیلہ بانو یعنی پھوپی اماں کی شخصیت انہیں ماڈرن دور کے بہت کار نقشے سے روکتے تھے۔ انہیں فرح کا کالج جانا کاشر کا رات دیر سے گھر آنا قطعاً پسند نہیں تھا۔ فرح، عرلیس سے واقف بھی کاشر کے ساتھ اس کے محل نما گھر میں بھی آ چکی تھی۔ مگر پھوپی اماں اس بات سے ناواقف تھیں بھی فون پر فرح کا نام آتے ہی بھڑک اٹھیں اور یوں بھی اس نے کون سا مکمل تعارف کروایا تھا۔ چھوٹتے ہی فرح کا نام لے دیا جو جمیلہ بانو جیسی طرحدار شریف خاتون کے لیے ناقابل برداشت تھا۔
کاشر کو آج پھر دیر ہو گئی گھر پہنچا تو پھوپھی اماں کو آنگن کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ٹہلتے پایا۔
"کیا زیادہ کھا لیا پھوپی اماں؟" اس نے تشویش کا اظہار کیا۔
"نہ سلام نہ دعا آتے ہی بدفال منہ سے نکال دی۔ میں پوچھتی ہوں۔ حضور کی سواری اس وقت کہاں سے آ رہی ہے؟"
"باہر سے۔" اس نے گیٹ کی سمت اشارہ کیا۔
"تو اور کیا اتنی دیر سے بھاڑ رہی ہوں کاشر باہر گیا ہے پھر بھی منٹ منٹ بعد کہتی ہیں پتا نہیں کہاں چلا گیا۔" فرح بھی آ پہنچی۔
"آلینے دو اپنے باپ کو بہاولپور سے تم دونوں کو سیدھا کرا دوں گی تو وہ جھلا کر اندر چلی گئیں۔"
صبح کاشر کے یونیورسٹی اور فرح کے کالج جانے کے بعد وہ سبزی بنانے بیٹھ گئیں۔ آج کام والی ماسی بھی نہیں آئی تھی۔ لہٰذا خاموش بیٹھنا پڑ رہا تھا۔ فون کی بیل پر گویا امید بندھی۔ جلدی سے اٹینڈ کیا۔
"آپ جمیلہ بانو صاحبہ ہیں نا۔" کسی نے بے تکلفی سے سوال کیا۔
"ہاں، ہوں! آپ کون ہیں؟"
"بوجھ لیں۔" مزے سے کہا گیا۔
"سیدھی طرح بات کرو مجھے پہیلیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"
"کل آپ کے انداز بیان نے مجھے بہت متاثر کیا آج اکیلا بیٹھا بور ہو رہا تھا، سوچا آپ سے گپ شپ کر لوں۔"
"کیوں مجھے میں ایسی ویسی لگتی ہوں اور ہاں سن لو تم فارغ ہو تو ضروری نہیں ہم بھی مال اسباب لٹا کر بیٹھے ہیں خدا کے فضل سے بہتیرے کام ہیں مجھے۔ خبردار جو اب کے فون آیا تمہارا ایسی۔ ایسی سناؤں گی کر کانوں کو ہاتھ دھر و گے۔" انہوں نے ریسیور پٹخ دیا۔ دیر تک بڑبڑاتی رہیں۔
شام کو جب کاشر، عرلیس کے ساتھ گھر آیا تو پھوپی اماں غائب تھیں۔ فرح کو کاشر نے فون والا واقعہ سنا دیا۔
"شکر کریں عرلیس بھائی فون میں نے اٹینڈ نہیں کیا اگر آپ میرے ساتھ یوں ہی بنا تعارف یہ سب فرماتے تو پھوپی سے زیادہ تواضع کرتی میں آپ کی۔" ہنسی کے درمیان فرح نے کہا۔ پھر جمیلہ بانو کو برآمدے کی سیڑھیوں پر دیکھ کر خاموش ہو گئے۔
"آ گئیں آپ اب گلنے والے شکرانے کے نفل ادا کریں گے۔" کاشر نے انہیں دیکھ کر نعرہ بلند کیا۔
"بڑے ہٹو کوئی تمہاری طرح ناشکرا تھوڑی ہے لوگ تو شرفا کی باتیں سننے کو ترستے ہیں۔" وہ چادر سا تار کر تہ کرتے ہوئے بولیں، پھر عرلیس پر نظریں رک گئیں۔
"اے یہ بچہ کون ہے؟"
"دوست ہے میرا آپ سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا اسے۔ اس لیے آیا ہوں۔"
"مجھ سے ملنے کا کیوں؟"
"دراصل یہ بھی خاندانی لوگ ہیں شرافت کے دل سے قائل ہے۔"
"یہ تو مجھے شکل سے دکھ رہا ہے۔ اے بیٹھو بچے میں ابھی آئی۔" وہ چادر اٹھا کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔
"عرلیس غور سے سن لو۔ ہماری پھوپی اماں پرانی قدروں پر جان دیتی ہیں۔ میں تمہارے متعلق ان سے جو بھی کہوں بس ہاں میں ہاں ملاتے جانا فائدے میں رہو گے۔"
"ٹھیک ہے۔" عرلیس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ویسے یار یہ تو بڑی شفیق ہستی لگ رہی ہیں۔ فون والی سے قطعی مختلف۔"
"ہائے ان کی شفقت کی داستانیں ہم سے سنیے۔" کاشر نے ٹھنڈی آہ بھری۔
"نہیں ویسے اس میں کوئی شک نہیں یہ ہیں بہت شفیق۔" فرح نے تائید کی۔

www.pkdigest.com

جمیلہ بانو جلد ہی آگئیں اور لگیں عریس کا شجرۂ نسب کھنگالنے۔ ان مشکل ترین سوالوں کے جواب کاشر نے دیئے عریس خاموش رہا۔

"پھوپی اماں ان کی والدہ کی سوتیلی خلیا ساس بھی بریلی کی تھیں۔" فرح نے نیا شوشا چھوڑا۔

"اچھا پہلے کیوں نہیں بتایا بیٹا۔ میری اماں جان بھی بریلی کی تھیں۔"

"ہاں بریلی میں ان کی حویلی تھی۔ وہاں ایک بیری تھی، بیری پر بیر تھے اور وہ سارا دن بیر توڑ کر کھایا کرتی تھیں۔"

کاشر نے یوں بیان کیا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے یہ سب ہوتا رہا ہو۔

"مجال ہے جو تم بزرگوں کے قصے دھیان سے سن لے، ہاں تو عریس بیٹا آبا۔ کہاں کے ہیں تمہارے۔"

وہ پھر اس کی طرف متوجہ تھیں۔

"جب سے یہ پیدا ہوا ہے کہیں کے نہیں رہے۔" کاشر نے پھر دخل اندازی کی۔

"تو اٹھ جا یہاں سے۔" وہ بڑی طرح خفا ہو گئیں۔ فرح اچھے وقت پر چائے لے آئی اور کاشر کو بھول کر چائے پینے لگیں۔ جب پھر دوبارہ گفتگو کا آغاز ہوا تو وہ کاشر کی گستاخیاں بھول چکی تھیں۔

"بیٹا میرے ابا جان حکیم تھے بڑا چرچا تھا۔ ان کا شہر میں اللہ نے بڑی شفا رکھی تھی ان کے ہاتھ میں۔"

"جی ہاں کشتے بھی تو بناتے تھے، جن کو کھا کر تایا حضور کشتی لڑتے تھے۔" فرح نے یاد دلایا۔

"اے ہاں یہ تو میں بھول ہی گئی۔ میرے بڑے بھائی کو کشتی کا بڑا شوق تھا شہر میں ہونے والے ہر مقابلے میں ضرور شریک ہوتے تھے۔"

"جی ہاں اور مروت کا یہ عالم کہ مہمان کا دل رکھنے کو ہر مقابلے میں چت ہو جاتے۔" کاشر نے عقیدت سے کہا۔

"اور دوسرے علاقے میں جا کر۔" عریس نے مسکراہٹ دبا کر پوچھا۔

"وہاں بھی یہی عالم تھا آخر میزبان کا دل دکھانا بھی تو اچھی بات نہیں۔"

"بالکل، بالکل۔" عریس شدید متاثر نظر آنے لگا۔ اور جمیلہ بانو نے شاید جملے پر غور نہیں کیا۔

جبھی تو برابر مسکرائے جا رہی تھیں

بات کھانے کے بعد عریس واپسی کے لیے اٹھا تو انہوں نے پھر آنے کی تاکید کی۔ اسے تو خود یہ ماحول بہت بھایا تھا جھٹ وعدہ کر لیا۔

"اچھا لڑکا ہے۔" کاشر عریس کے ساتھ باہر گیٹ تک تو انہوں نے فرح سے کہا۔!

"ہوں پھر چلائیں بات۔" وہ ان کے کان کے قریب رازداری سے بولی۔

"کیا مطلب؟" وہ واقعی نہیں سمجھیں۔

"لو جی مطلب بھی ہم سمجھائیں آخر ہمارے جیسے لڑکے کو دیکھ کر آپ کو ایک ہی بات یاد آتی ہے کہ نہیں؟"

"اوئی، بھی، لڑکی ہوش کے ناخن لے، ذرا حیا نہیں تجھ میں باپ سنے تو زندہ گاڑ دے۔" فرح ہنستی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"کاشر بیٹے ذرا بات تو سن۔" انہوں نے عریس کو رخصت کر کے آتے کاشر کو آواز دے کر اپنے کمرے میں بلایا۔ فرح کے کہتے ہی انہیں مقصد حیات یاد آ گیا تھا۔

"جی فرمایئے۔"

"برے بیٹ کے بیٹھ کیوں میری ہڈیاں جھنجلانے کا پروگرام بنا لیا ہے تم بہن بھائی نے۔"

"جی بہتر اب فرمایئے۔" وہ اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"بیٹا یہ لڑکا بڑا بھلا سا لگا ہے مجھے۔"

"ارے جی ظاہری صورت پر مت جایئے۔" اس نے مشورہ دیا۔

"صورت ہی نہیں سیرت کا بھی اچھا دکھتا ہے بھلا کرتا کیا ہے۔؟"

"انجینئرنگ کے آخری سال میں ہے۔ ویسے ان دونوں بھائیوں کا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس بھی ہے۔"

"ابھی فرح کے لیے کیسا رہے گا؟"

"جیسے اس کی مرضی ہوگی ویسا رہے گا۔ ہمیں آپ کو کیا معلوم۔"

"اے میرے اللہ یعنی میرا مطلب ہے اگر فرح کے لیے مانگ لیا جائے تو۔"

"ارے واہ ہم کوئی فقیر ہیں۔ اوہ وہ در اصل کہنا کچھ اور تھا زبان سے پھسل گیا۔" پھوپی اماں کو غضب میں دیکھ کر فوراً سنجیدہ نظر آنے لگا۔

"کیا کہنے لگے تھے ذرا وہ بھی فرما دیجیے۔"

"پھوپی اماں لڑکی والے مانگا نہیں کرتے کیا آپ کو ابھی تک یہ خبر بھی نہیں۔"

"کہلوا تو سکتے ہیں نا ادھر ادھر سے ایک تو تم لوگ کسی معاملے میں سنجیدہ ہی نہیں ہوتے اور وہ بھائی میاں کو بھی کوئی فکر نہیں سارے کام مجھ ناتواں پر چھوڑ رکھے ہیں۔ اب میں تم چھلاووں کو کہاں تک قابو کروں۔"

"پھوپی اماں ناراض مت ہوں، دیکھیں میں بالکل سیریس ہوں کہیے کیا کہنا ہے۔"

"میں تو کہہ چکی تم اپنی رائے دو۔"

"میرے خیال میں فرح اور عریس قطعاً نامناسب ہیں۔"

"کیوں یہ بھلا کیسے کہہ دیا۔" انہیں اس کا خیال پسند نہیں آیا۔

"پھوپی اماں وہ بظاہر شوخ سا نظر آتا ہے مگر احساسات بڑے نازک ہیں۔ اس کے کچھ گہرا سا ہے یوں لگتا ہے جیسے اس کے دل میں ایک اور ہی دنیا آباد ہے جو اس کے ظاہر سے قطعی مختلف ہے۔"

"چلو اب تم خود سے اندازے ہی لگاتے رہنا۔ آخر کس شے کی کمی ہے فرح میں۔"

"ارے میں نے کب کہا پھوپی اماں مگر وہ میرا دوست ہے میں اسے جہاں تک سمجھا ہوں تو اس لحاظ سے یہ بات سراسر حماقت ہی معلوم ہوتی ہے اور وہ میرا دوست ہے میں جانتے بوجھتے کوئی ایسا کام کیسے کر سکتا ہوں، جو ہمارے بیچ دراڑ ڈال دے، اور فرح کے لیے رشتوں کی کمی تو نہیں۔"

"یہ میں نے کب کہا، خدا کا بڑا فضل ہے، ابھی کل ہی بلقیس بیگم اپنے بیٹے شہریار کے لیے آئی تھیں۔ میں نے تو اس لیے تم سے یہ خیال ظاہر کر دیا کہ عریس مجھے اچھا لگا تھا۔"

"میرا خیال ہے ابا جان کے آتے ہی شہریار کے لیے بات کر لیں اچھا لڑکا ہے۔"

"ٹھیک ہے کر لوں گی بات، مگر وہ آئیں تو عجیب ہیں بھائی میاں جہاں جاتے ہیں جم جاتے ہیں۔" جمیلہ بانو اپنے بھائی شبیر حسن کی اس عادت سے سخت نالاں تھیں۔

محکمہ جنگلات میں تھے پھر سیر و تفریح کے شوقین گھر کو وقت کم ہی دیتے۔ ایک جمیلہ بانو کا دم غنیمت تھا۔ جو گھر کی گاڑی رواں دواں تھی، ورنہ شبیر حسن اپنے آپ میں مگن اور یہ بہن بھائی بھی مست کوئی ہوش ہی تھا گھر کا۔ جمیلہ بانو ٹوکتیں تو جواب ملتا پھوپی اماں ضرور آپ کی تربیت میں کمی رہ گئی ہے جو ہم اس قدر بدتمیز ہیں۔ جواب میں ڈانٹ پھٹکار کر رہ جاتیں کہ اور کر بھی کیا سکتی تھیں۔

اصل حقیقت یہ کہ انہیں اپنے بھتیجی بھتیجا بہت عزیز تھے، کاشر چھ برس اور فرح چار برس کی تھی جب وہ اس گھر میں آئی تھیں۔ بیاہ ان کا چھوٹی عمر میں ہی ہو گیا اور شوہر قدر دان نہ ملا چار سال بس کسی طرح نبھ سکے بعد طلاق کا داغ اجلی پیشانی پر لے کر میکے آ گئیں۔ بھائی دل سے چاہنے والا تھا تو بھابی بھی بہن سے کم نہ تھی۔ نند کو چھوٹی بہن ہی سمجھا۔ ہمیشہ دکھوں کی عمر تھوڑی لائی تھیں یوں بچوں کی پرورش پھوپی کی آغوش میں ہوئی۔

کبھی دوسری شادی کی بات اٹھی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ اب یہ بچے ہی ان کی زندگی ہیں انہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گی ان کے ایثار سے بچے دونوں بھی واقف تھے اور قدر کرتے تھے مگر طبیعت میں شوخی تھی دو گھڑی ٹک کر نہ بیٹھتے اور پھوپی سے ڈانٹ کھاتے۔

اب جو شبیر حسن آئے تو جمیلہ بانو نے انہیں گھیر لیا۔ بلقیس کو بھی بلا لیا۔ شہریار انہیں اور کاشر کو پسند تھا۔ فرح سے رائے لی گئی۔ اس نے ان کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ یوں بات طے کر دی گئی اور رسم لگے ہاتھوں ہونا قرار پائی۔ گھر پر ہی سادہ سی تقریب تھی۔ نزدیکی رشتہ دار تو اس شہر میں ان کے کوئی نہیں تھے دو چار کے چند عزیز

www.pkdigest.com

محلے دار اور دوست شریک ہوئے کاشر نے عریس کو بھی بلا لیا۔

پھوپی اماں اتنا کام ہونے کے باوجود بالکل فریش نظر آ رہی تھیں، ہر ایک سے خیریت دریافت کرتی ادھر سے اُدھر پھرکی کی طرح گھوم رہی تھیں۔ عریس انہیں دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ ان کے طبقے میں خواتین یہ سارے کام کب انجام دیتی تھیں۔ انہیں لباس، جیولری، میک اپ سے فرصت ہی نہیں ہوتی تھی۔

"یار بڑے خوش قسمت ہو تم کہ تمہارا تعلق انسانوں کے اس گروہ سے ہے جو وضع پاسداری کے اصولوں سے واقف ہے اور شاید انسان کو باقی مخلوق پر سبقت ایسے ہی شیشے جیسے شفاف دل رکھنے والوں نے دلائی ہے۔"

"اچھا۔ اب اتنی بھی تعریف مت کرو پہلے ہی میرا وزن کچھ زیادہ ہو رہا ہے اور پھول جاؤں گا۔" کاشر نے اسے سنجیدہ دیکھ کر بات ہنسی میں ٹال دی۔

"رشیلی کاشر تم لوگوں کا ایک دوسرے سے اتنا قریب ایک دوسرے میں پیوست ہونا مجھے اچھا لگتا ہے اور ایک میں ہوں ممّا کتنے عرصے سے پاپا سے ہجر کر کے دور امریکہ جا بیٹھی ہیں۔ گرینڈپا سے ان کا نظریاتی اختلاف تھا پاپا ہیں تو ان کو بزنس کے علاوہ کسی سے کوئی سروکار نہیں ایک رومیل بھائی کا دم غنیمت ہے۔ ان کے پاس وقت کم ہوتا ہے مگر پھر بھی بات تو کر ہی لیتے ہیں نا۔" بہت آزردہ ہو رہا تھا۔

"میرا گھر بھی تو تمہارا ہے عریس جب جی چاہے آ جایا کرو۔" کاشر نے اس کے چوڑے مضبوط شانوں پر ہاتھ رکھ کر خلوص سے کہا۔

"شاباش ہے تم لوگوں پر ابھی تک یہیں کھڑے ہو میں نے کہا تھا پھولوں کے ہار لے آؤ۔ مگر سنتا کون ہے۔" جمیلہ بانو آتے ہی شروع ہو گئیں۔

"جا رہے ہیں۔ پھوپی جان دراصل ہم سوچ رہے تھے کون سے پھولوں کے ہار لائیں۔"

"کاشر تو تو بالکل پیدل ہے۔ اے بچے عریس سمجھا کرا سے۔" انہوں نے سر پیٹ لیا۔

"پھر کون سے لائیں۔" کاشر نے معصوم صورت بنا کر پوچھا۔

"گلاب اور موتیے کے اور کون سے لاؤ گے۔"

"پہلے نہا لوں پھر جاؤں گا۔" وہ ان کا جواب سنے بغیر باتھ روم میں گھس گیا۔

"لو اب یہ نہاتا ہی رہے گا، نامعلوم آج نکلے گا بھی یا نہیں۔"

"میں ابھی لے آتا ہوں۔ آپ فکر مت کریں پھوپی اماں۔" عریس نے ان کی تشویش پر ہنستے ہوئے تسلی دی۔

تقریب تو سادہ سی تھی مگر آپس میں ہنسی مذاق اسی قسم کی پرانی تقریبات کے قہقہے۔ عریس تو مگن سا ہو گیا۔ شہریار ائیر فورس میں تھا دور پار کی رشتے داری بھی تھی۔ جمیلہ بانو اور بلقیس (شہریار کی والدہ) نے وہیں یہ بھی طے کر لیا۔ شادی ٹھیک تین ماہ بعد ہو گی۔

اس وقت تو کہہ دیا۔ مگر بعد میں انہیں کچھ جلدی معلوم ہوئی کہ بہت سی تیاری باقی تھی اور وہ اکیلا! ہاتھ پاؤں پھولے جا رہے تھے۔

کاشر رشتے داری نبھا رہا تھا مگر انہیں یہی گلہ تھا شبیر بھائی کی طرح غیر ذمہ دار ہے۔ فرح تھی تو وہ اپنے آپ میں مگن ان کے کہنے سننے سے کام میں دلچسپی لے بھی لیتی تو دونوں میں جلد ہی اختلاف ہو جاتا۔ اُسے گوٹے ٹھپے والے سوٹ قطعاً ناپسند تھے جبکہ جمیلہ بانو کا کہنا تھا بیاہ کے موقع پر ایسے ہی لباس دیئے جاتے ہیں۔ وہ شوخ کلرز سے الرجک تھی اور ان کا کہنا تھا جہیز انہی سے سجتا ہے۔ آخر تنگ آ کر فرح کہہ دیتی۔ "جو آپ کے جی میں آئے بنوا لیں بعد میں میں نئے جوڑے سلوا لوں گی۔ اور انہیں آپ کی محبت کی نشانی سمجھ کر سنبھال لوں گی۔"

عریس بھی اکثر آ جاتا پھوپی اماں کی بوکھلاہٹ سے بہت محظوظ ہوتا۔ انہیں دیکھ کر تو یہ احساس ہوتا تھا جیسے بارات آنے میں ایک گھنٹہ باقی رہ گیا ہے اور تمام کام یونہی پڑا ہے۔

"پھوپی اماں آپ آخر اتنی پریشان کیوں ہوتی

ہیں ہم سب لگے تو ہوئے ہیں آپ کے ساتھ۔" فرنیچر کی لسٹ ہاتھ میں پکڑے عریس انہیں سمجھا رہا تھا۔

"بس بیٹا یہ وقت ہی ایسا ہوتا ہے تو ذرا جلدی سے بتا کر دینا فرنیچر کا اور آ کے کہہ دینا وقت پہ نہ ملا تو بہت برا ہو گا اس کے ساتھ۔"

"گھبرائیں نہیں، میں اُسے نتائج سے پوری طرح آگاہ کر دوں گا۔"

"بس بچے تیری یہی عادت مجھے اچھی لگتی ہے۔ کام پوری سنجیدگی سے کرتا ہے اسی لیے بار بار تکلیف دیتی ہوں۔"

"کیا مطلب اور کوئی عادت اچھی نہیں۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں۔ تجھ پہ بھی کاشر کا اثر ہو گیا ہے۔"

"سب جانتا ہے مگر تنگ کیے جا رہا ہے۔" انہوں نے پیار بھری ڈانٹ پلائی۔

"سچ پھوپی اماں مجھے بھی آپ بہت اچھی لگتی ہیں۔ یہاں آپ کے پاس آ کر سکون مل جاتا ہے۔" وہ ان کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ ہاتھ ان کے گھٹنوں پر رکھ دیئے۔

"کہیں بات وات طے ہے تمہاری یا نہیں۔"

"نہیں مگر آپ کو اچانک کیا سوجھی؟" وہ ہنس پڑا۔

"لو اچانک والی خوب کہی میں تو کب سے پوچھنا چاہ رہی تھی موقع نہیں ملا۔ تمہارے اماں بابا کو پروا نہیں۔ تمہاری باتو یہ ہو کر بہن بیٹھی ہے اسے رخصت کرو گے تو دلہن لاؤ گے۔"

"آپ ہی کچھ کیجیے نا کہیں کنوارے ہی کوچ نہ کرنا پڑے۔"

"خدا نہ کرے۔ کیوں مجھے ہولاتے ہو۔ جیتے رہو ہزاری عمر پاؤ۔ سکھ کی چھاؤں میں جیو آخر میں کس لیے ہوں جیسے کاشر میرا بچہ ہے ویسے ہی تم ہو چاند سی دلہن لاؤں گی تمہاری۔"

"ہاں جیسے کاشر کی لے آئی ہیں۔" کاشر پیکٹ سنبھالتا آ پہنچا۔

"کسی کام کے تو ہو لو پھر نہ لاؤں تو کہنا۔"

"لو جی ابھی بھی نکما کہتی ہیں۔ عریس گواہ ہے صبح سے شام پیکٹ ڈھوتے ڈھوتے اب تو نہانے کو جی چاہتا ہے۔"

"بس یہی کسر رہ گئی تھی کر لو پوری۔" پھوپی اماں پر اس کی دکھی آواز نے اثر نہیں کیا۔

شادی سے ایک ماہ پہلے ان کے اندازے کے مطابق تمام کام مکمل ہو چکا تھا۔ کاشر کے مطابق اگر آج بارات آ جائے تو بھی تیاری مکمل ہے جبکہ جمیلہ بانو مطمئن نہیں تھیں ان کا کہنا تھا ابھی تو سو بکھیڑے باقی ہیں اور رخصتی تک رہیں گے۔ نگوڑی زیتون آ جاتی تو کچھ اطمینان ہو جاتا۔

"پھوپی اماں یہ نگوڑی صاحبہ آپ کی دوست ہیں یا عزیزہ۔" عریس نے مسکراہٹ دبا کر خصوصیت سے سوال کیا۔

"اے بیٹا کیا ہو گیا ہے تجھے ان کا نام نگوڑی نہیں زیتون ہے۔ دور کی عزیزہ ہیں میری اور دوستی تو بہت ہے ان سے۔ میں نے کارڈ کے علاوہ خط بھی لکھا ہے خدا کرے آ جائیں۔ بڑی سلیقہ مند خاتون ہیں۔"

"خدا خیر کرے۔" سلیقہ مندی کا سن کر کاشر نے آہ بھری کہ وہ تو پھوپی اماں کے سلیقے کے مارے ہوئے تھے اب زیتون آنٹی اپنا کام دکھانے آ رہی تھیں۔

زیتون صاحبہ نے بھی خط ملتے ہی دوڑ لگائی ٹھیک ایک ہفتے بعد وہ ان کے ہاں پہنچی تھیں۔ عریس آیا تو فرح نے دروازے پر ہی مطلع کیا "وہ آ گئی ہیں۔"

"کون وہ؟"

"ارے وہی آنٹی نگوڑی اور ساتھ میں میری بہن دیپ بھی ہے۔"

"اچھا آ گئیں آنٹی نگوڑی۔" وہ بھی انہیں دیکھنے کا مشتاق تھا۔

"یہ دیپ صاحبہ کیا بیٹی ہیں ان کی۔"

"نہیں ہماری دور پرے کی عزیزہ ہیں۔ والدین حیات نہیں سو آنٹی نے اپنے پاس بلا لیا وہ بیچاری بھی اکیلی ہیں نا۔" فرح نے کمرے تک آتے آتے مکمل تعارف کرا دیا۔

www.pkdigest.com

اندر آنے کی دیر تھی پھوپی اماں سلام کا جواب دیتے ہی اپنی سہیلی سے بمعہ ان کے خاندان کی تاریخ کے تعارف کرانے لگیں۔ آنٹی نگوڑی بڑے پُرشفقت انداز میں مسکرا رہی تھیں۔ عرنیس کبھی انہیں اور کبھی پھوپی اماں کو دیکھ کر ان کی باتوں پر سر ہلا دیتا، گویا ہر بات سے مکمل اتفاق ہے۔

"بہن جمیلہ فرنیچر کچھ ٹھیک معلوم نہیں ہو رہا کہاں سے بنوایا ہے۔" زیتون آنٹی نے فرنیچر پر نظریں گاڑ کر پوچھا۔

"عرنیس سے کہا تھا۔ یہی لایا ہے۔"

"ہے یہ کام کوئی بچوں کے کرنے کے ہیں۔ اب یہ دیکھ لو یہاں جوڑ ہے۔" عرنیس نے اس جگہ کو پوری آنکھیں کھول کر دیکھا مگر وہ جوڑ نہیں صاف دکھ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی چھپ گیا۔

"یہ ڈنر سیٹ کون لایا ہے؟" اب نظر کرم ادھر تھی۔ کاشر نے سنتے ہی اخبار چہرے کے آگے پھیلا لیا کہ یہ خطا اس کی تھی۔

"اتنے شوخ رنگ بھلا گنواروں میں بھی دیتے ہیں؟ جو ایسا سیٹ دے رہی ہو۔ دیپ کو ساتھ کر دوں گی بڑی سلیقہ مند بچی ہے بدل کر لے آئے گی۔"

"سن رہے ہو کاشر شام کو لے جانا ساتھ دیپ کو۔" پھوپی اماں نے اخبار اس کے چہرے سے ہٹا کر کہا۔

"سن رہا ہوں پڑھنے تو دیں۔" وہ پھر اسی پوزیشن میں بیٹھ گیا۔ "خالہ جان نیلے دوپٹے پر سلور کرن ہی بھلی لگے گی نا۔" آواز پر عرنیس نے آنے والی کو دیکھا۔

بادامی کلر کا سادہ سوٹ پہنے نگاہ جھکائے درمیانہ قد۔ سونے جیسی رنگت بڑا سا دوپٹہ پھیلائے سب سے بے نیاز اپنے کام میں مگن وہ عام سی لڑکی تھی۔ اگر کوئی شے اسے منفرد بناتی تھی تو وہ آواز اور چہرے پر سوز کا ہلکا سا تاثر تھا۔ نگاہ اٹھائی تو یوں لگا جیسے ابھی کچی نیند سے اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ زیتون سے ہدایت لے کر وہ واپس ہو گئی۔

"اف اب یہ نیا ستم ٹوٹا ہے مجھ پر ڈنر سیٹ واپس کرنے جاؤ۔" اپنے کمرے میں آ کر کاشر ضبط نہ کر سکا۔

"لگتا ہے ساری تیاری دوبارہ کروائیں گی۔" عرنیس کے خیالات بھی ان کے بارے میں نیک نہیں تھے۔

"ایک تو فرح کو خود کوئی ہوش نہیں۔ اپنی پسند سے سب کچھ خریدا ہوتا، تو یہ نوبت نہ آتی۔" کاشر کو بہن پر غصہ آ رہا تھا۔

"چلو چھوڑو اب تو جو نیر سلیقہ مند آ گئی ہیں خود ہی کریں گی سب کچھ۔"

"کون وہ دیپ ارے اس کی تو بات ہی نہ کرو بڑی مسکین قسم کی شے ہے جو آنٹی زیتون فرمائیں گی یہ وہی کرے گی۔"

"آنٹی نگوڑی بلا رہی ہیں آپ دونوں کو۔"

"ارے او فرح کیوں مروانے کا ارادہ ہے۔ سن لیا تو قیامت ڈھا دیں گی۔" اس کے یوں مطلع کرنے پر کاشر گھبرا گیا۔

"کیا کروں وہ منہ پر چڑھ گیا ہے۔"

"کوشش کرو آئندہ یہ لفظ ان کے لیے استعمال نہ ہو، ورنہ کچی خیر نہیں تیری۔"

"اچھا اب آپ دونوں آ جائیں۔ وہ شاید کوئی ترتیب دکھانا چاہ رہی ہیں یا ڈنر ہاتھ میں ہے اور سب کو بلوا رہی ہیں۔"

"آؤ دیکھیں ہو سکتا ہے گھر بیٹھے بیٹھے فرنیچر چینج ہو جائے۔" عرنیس یہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تو کاشر کو بھی آنا پڑا۔

پھوپی اماں کے کمرے میں آنٹی زیتون پرانے وقتوں کا ناشتہ دان لیے بیٹھی تھیں۔ تھوڑے فاصلے پر فرح، دیپ اور پھوپی اماں موجود تھیں۔

"کیا دکھائیں گی آنٹی۔" عرنیس کے ذہن پر جادو سوار تھا۔ پوچھ بیٹھا۔

"کچھ نہیں بیٹے یہ چنے کی دال کا حلوہ بنایا تھا۔ سوچا بچوں کو بھی دے دوں۔" انہوں نے قریب رکھی چینی کی پلیٹوں میں حلوہ ڈالنا شروع کر دیا۔ اور پھوپی اماں اس زمانے میں کھو گئیں۔ جب وہ اپنے ننھیال میں بڑی بڑی کڑاہیوں میں حلوہ تیار کیا کرتی تھیں اس دوران کاشر نے دو مرتبہ ان کی پلیٹ پر حملہ کیا مگر ادھر ہوش کسے تھا۔

حلوہ کھانے کے بعد سب باتوں میں مگن ہو گئے اور ایسے میں ہی شام کر دی۔ عرنیس نے محسوس کیا دیپ ان سب سے مختلف بجد کم گو لڑکی تھی۔ ان کے درمیان ہوتے ہوئے بھی موجود نہیں لگتی تھی کونے میں بچھے دیوان پر بیٹھی فرح کے دوپٹے پر کرن ٹانکتی رہی۔ سر جھکائے مکمل خاموشی کے ساتھ ایسے میں عرنیس نے باتیں کرتے ہوئے جب بھی اس کی جانب نگاہ اٹھائی لمبی سیدھی مانگ پر ہی نظر پڑی جو اس کے گھنے سیاہ بالوں میں کچھ زیادہ نمایاں ہو رہی تھی، یا پھر اس کے نرم چلتے کندنی ہاتھوں پر، جو ڈارک بلیو کلر پر بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔

"دیپ دیکھ تو کیا وقت ہونے لگا ہے۔ تیار ہو جاؤ۔ تمہیں کاشر کے ساتھ بازار جانا ہے۔" آنٹی زیتون اپنی کہی بات بھولی نہیں تھیں۔

"جی اچھا۔" دوپٹہ رکھ کر فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد گلابی سادے سے سوٹ میں بال دوبارہ سنوار کر سیدھی چوٹی گوندھے موجود تھی۔

"تم بھی چلو یار۔" کاشر نے گاڑی کی چابی عرنیس سے پکڑنے کی بجائے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اس روز بازار کی ایک ایک دکان کھنگالتے ہوئے انہیں احساس ہوا خواتین کے ساتھ شاپنگ کرنا کتنا کٹھن کام ہے چھوٹی سی معمولی قسم کی شے پر بھی گہری نظر ڈالی گئی۔ خریدنے سے پہلے سو سو نقص نکالے گئے۔ دونوں سخت بور ہو رہے تھے۔

جب تک شاپنگ کا مرحلہ طے ہوا شام رات کا سفر مکمل طور پر طے کر چکی تھی۔

"گلشن نہ چلا جائے سچ سخت بور ہوا ہوں۔" کاشر کی رائے سے عرنیس نے اتفاق کیا۔

"نہیں بھائی پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔ اب گھر چلیں۔" دیپ بالکل راضی نہ تھی۔

"ذرا دیر کی بات ہے۔ فریش ہو کر گھر چلیں گے۔"

"آپ پہلے مجھے ڈراپ کر دیں پھر چلے جائیے گا۔" وہ جانا نہیں چاہ رہی تھی۔

"چلیں جی جیسے آپ کی مرضی۔" کاشر نے ہتھیار ڈال دیے۔

"یار گاڑی کی ضرورت رہے گی تمہیں، ایسا کرو مجھے گھر پہ ڈراپ کر دو۔"

"نہیں رات میں ہمیں بھلا کیا کرنا ہے ویسے اس آفر کا بہت بہت شکریہ۔" کاشر نے اس کے خلوص سے متاثر ہو کر کہا۔ پھر دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ جبکہ دیپ خاموش بیٹھی رہی۔ کاشر نے ایک دو مرتبہ اپنی گفتگو میں شریک بھی کیا مگر وہ مختصر جواب دے کر پھر خاموش ہو جاتی۔

یہاں روز آنے جانے میں عرنیس نے محسوس کیا دیپ نے آتے ہی بہت سے کام اپنے ذمے لے لیے تھے۔ پھوپی اماں بھی مطمئن تھیں۔ اکثر آنٹی زیتون سے گفتگو میں مگن نظر آتیں۔

"آپ تھکتی نہیں ہیں اتنا کام کر کے۔" وہ کسی کام سے اندر آئی تو عرنیس پوچھ بیٹھا۔

"جی مجھ سے کہا۔" وہ اپنے کسی خیال سے چونکی۔

"میں نے کہا ہے تھکتی نہیں ہیں اتنا کام کر کے۔"

اس نے جواب نہیں دیا مسکرا کر باہر نکل گئی۔ وہ جتنی دیر کاشر کے ہاں رہتا ایک آدھ مرتبہ گہری نظر اس پر ضرور ڈال لیتا۔ جبکہ وہ بے خبر اپنے کام میں مگن رہتی۔ عرنیس کو تو اس کا یہ خاموش ذمے دار بے ضرر وجود انوکھا سا لگنے لگا جبکہ ادھر شاید اتنی فرصت ہی نہ تھی کہ ایک نظر رک کر اس مضبوط قد اور گورے چٹے خوبرو لڑکے کو سراہ لیتی جو اسے اتنا کام کرتے دیکھ کر بہت حیران ہوتا تھا۔

"دیپ بیٹی کبھی آرام بھی کر لیا کرو۔" پھوپی اماں اسے دھلے کپڑوں کی باسکٹ اٹھائے زینہ چڑھتے دیکھ کر بولیں۔

"اے لو بہن جمیلہ یہ آرام کا کون سا موقع ہے آخر اس کی بہن کا بیاہ ہے۔ اس پر بھی کچھ فرض بنتا ہے یا نہیں۔" آنٹی زیتون نے جھٹ مداخلت کی۔ جبکہ وہ زینہ چڑھ کر اوپر جا چکی تھی۔

"بڑی کام کی بچی ہے۔" پھوپی اماں نے تعریف کی۔

"ہاں بہن اللہ سے دعا ہے۔ نصیب اچھا کرے۔ میں تو کچھ بھی کرنے کے لائق نہیں اس لیے جب سے اپنے ہاں لائی ہوں تربیت میں بہت سختی کرتی ہوں۔"

www.pkdigest.com

تاکہ جیسا بھی ماحول میسر آئے یہ اُس میں رچ بس سکے۔"
آنٹی زیتون کے لہجے میں اس کے لیے شفقت تھی۔

"ہاں زیتون ہم بیٹیوں کے حق میں دعا کرنے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ میں تو دیپ کو اپنی بیٹی بنا لیتی مگر یہ کاشر عقل کا اوندھا ہی سمجھو کہتا ہے مجھے تو اپنے جیسی زندہ دل لڑکی چاہیے۔ صورت کی عام ہی کیوں نہ ہو۔"

"چلو کوئی بات نہیں۔ جوڑ تو اللہ بناتا ہے۔ تم اب کاشر کے لیے اس کی پسند کے مطابق لڑکی دیکھو آخر دو چار سال کی بات ہے پھر انشاء اللہ بر سر روزگار ہو گا۔"
عرسیس ان دونوں کی باتیں برآمدے میں پڑے دیوان پر بیٹھا سن رہا تھا۔ انہوں نے دیپ کا ذکر چھوڑ کر کوئی دوسری بات شروع کی تو اس کی دلچسپی بھی ان کی باتوں میں ختم ہو گئی۔

"ہیلو، کب آئے؟" کاشر سامان سے لدا پھندا آن پہنچا۔

"ابھی آیا ہوں تم کیا اٹھائے چلے آ رہے ہو۔" عرسیس اس کی حالت پر مسکرا دیا۔

"بس یار مروا دیا ہے۔ فرح نے۔ میں نے بھی سوچ لیا ہے اپنی شادی کا تمام کام ابھی سے کرواؤں گا۔"

"چھوڑو یار پھر فرح کو بھلا ہم کہاں یاد ہوں گے" کمرے سے برآمد ہوتی فرح کو دیکھ کر عرسیس نے چوٹ کی۔

"آپ نے مجھے بھی اپنے جیسا سمجھ رکھا ہے کیا۔"

"اپنے جیسا سمجھتے تو یہ بات ہی کیوں۔"

"آپ فکر نہ کریں عرسیس بھائی میں نا صرف کاشر بلکہ آپ کی شادی میں بھی پیش پیش رہوں گی۔"

"ہونہہ میں بلاؤں گا تب نا۔" عرسیس ابھی سنجیدہ نہیں تھا۔

"نہ بلایئے گا میں پھر بھی چلی آؤں گی۔" وہ اس کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"سچ؟" عرسیس نے بے یقینی کا انداز لیے پوچھا۔

"سو فی صد سچ کہ آپ مجھے کاشر سے کم عزیز نہیں ہیں اور یہ بھی جانتی ہوں آپ بھی مجھے عزیز رکھتے ہیں۔ تبھی تو اتنا ساتھ دے رہے ہیں کاشر کا اور میں اس پر آپ کا شکریہ ادا نہیں کروں گی کہ یہ بہنوں کا حق ہوتا ہے۔"

"تم نے مجھے بھائی سمجھ کر بڑا مان بڑھا دیا ہے فری، تمہارے اتنا کہنے پر مجھے اپنا وجود بہت اہم، بہت وزنی محسوس ہونے لگا ہے اور جو خوشی ملی ہے اس کا تم اندازہ بھی نہیں کر سکتیں۔" وہ واقعی بہت خوش تھا اور اس کا اظہار آنکھوں کی مسکراتی چمک کر رہی تھی۔ زینہ اترتی دیپ نے ان دونوں کو دیکھا پھر خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔

"عرسیس بھائی آپ کے والدین اور بھائی سے آج تک ملاقات نہ ہو سکی، شادی میں تو آئیں گے نا؟"

"نہیں فرح، میرے والدین تمہاری شادی تو دور کی بات، میرے بیاہ پر آ جائیں تو بھی حیرت انگیز ہے۔"

"ارے کیوں؟"

"یہی تو دکھ ہے جنہوں نے مجھے بے وزن کر دیا ہے۔ اور میں گھر کی اتنی روشنیوں میں بھی اندھیر محسوس کرتا ہوں بچپن سے کہ آج تک میں نے ہر خوشی اور غم کے موقع پر ان کی طرف اس آس سے دیکھا ہے کہ شاید ان کے ٹھہرے پانی جیسے ساکن چہرے پر خوشی یا فکر کی کوئی لہر ابھرے مگر وہ ہمیشہ جیسے رہے۔ ہم دونوں اور خود سے دور۔ روحیل بھائی نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا۔ مگر میں اپنے اطراف کی دنیا بہتر بنانے کے لیے بھٹک رہا ہوں۔"

"عرسیس بھائی میں نے ہمیشہ آپ کو ہنستے مسکراتے ہی دیکھا ہے میں سوچ نہ سکتی تھی کہ آپ اندر سے اتنے حساس اور رنجیدہ ہوں گے۔"

"دعا کرو کوئی نیک بخت مجھ سے ٹکرا جائے اور سارے دکھ دور ہو جائیں۔" فرح کو اپنے لیے اداس دیکھ کر عرسیس نے موضوع پلٹ دیا۔

شادی میں ایک ہفتہ باقی تھا گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا ضرورت سے کہیں زیادہ چہل پہل تھی مردوں کی بحثیں، خواتین کی گھریلو اسٹوریاں، بچوں کی ریں ریں ان سب نے مل کر مچھلی بازار کا منظر پیش کر دیا تھا۔ اسے حیرت اس نازک، ملوک سی لڑکی پر تھی جس کا نام دیپ تھا چہرے پر وہی اطمینان لیے کاموں میں پھرکی کی طرح مصروف رہتی۔ اس کے غلامانہ انداز پر جو ہر فرد کے لیے تھا عرسیس کو سخت غصہ آتا۔ آخر یہ کچھ کہتی کیوں نہیں، کیوں ہر کسی کی بے دام غلام بنی ہوئی ہے اور یہاں تو سب موقع سے فائدہ اٹھانے پر تیار ہیں۔ کئی مرتبہ دیکھا خواتین خود باتوں میں مصروف ہیں اور بچے کو کھانا کھلانے کی ڈیوٹی اُسے سونپ رکھی ہے۔

"دیپ ذرا ستا لے بیٹی۔" پھوپی اماں نے اُسے پھرکی کی طرح گھومتے دیکھ کر کہا۔

"اچھا جی برتن ٹھکانے پر رکھ لوں۔"

"دیپ میری بہن بڑے بھائی چائے مانگ رہے ہیں۔ ایک کپ بنا دو ذرا جلدی سے شاباش۔"

"اچھا باجی ابھی لائی۔" رشتے کی کسی بہن نے کہا اور وہ فوراً تیار ہو گئی۔

قریب ہی کھڑے عرسیس کو اس جی حضوری پر سخت طیش آیا جب وہ چائے کپ میں انڈیل رہی تھی تو پہنچ گیا۔

"لاؤ میں دے آتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے مگر آپ شفو آپا کے شوہر کو جانتے بھی ہیں۔"

"ہاں ہاں اچھی طرح جانتا ہوں لاؤ ادھر دو۔" وہ کپ اٹھا کر لے آیا اور آنٹی زیتون سے باتیں کرتے ہوئے آرام سے پیتا رہا پھر ان سے شام میں آنے کا کہہ کر اپنے گھر آ گیا۔

اتنے ہنگامہ خیز ماحول سے آنے کے بعد یہاں کی خاموشی اور بھی کھل رہی تھی۔ عالیشان بنگلہ بھوتوں کا مسکن معلوم ہو رہا تھا جہاں صدیوں سے کسی آدم زاد کا گزر نہ ہوا ہو۔ آ کر لباس چینج کیا پھر بیڈ پر دراز ہو گیا۔ آج کی حرکت یاد آئی تو لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بے چارے شفو آپا کے شوہر نامدار چائے کا انتظار ہی کر رہے ہوں گے۔ یہ دیپ بھی گو زبان رکھنے کے باوجود گونگی ہے۔ کہہ نہیں سکتی خود بنا لیں فوراً منہ جھکا دیتی ہے۔ مگر مجھے اتنی ہمدردی کیوں ہو رہی ہے آخر یہ ٹھیک کہ اچھی لڑکی ہے مگر میرا آج کا کارنامہ۔

وہ اسی کے بارے میں سوچتے سو گیا اور ہمر لیوں حل ہوا کہ دل نے اقرار کر دیا چپکے چپکے کسی منزل طے کرنے کا صاف کہہ دیا۔ ہر دھڑکن اسی کا راگ الاپ رہی ہے۔ یہاں سے وہاں تک اسی کا راج ہے۔ اوہ بے چاری دیپ سنے گی تو سکتے میں نہ آ جائے گی کہ اس نے تو بھانڈے، برتن مانجھنے میں ریکارڈ قائم کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ اور میں چلا ہوں رخنہ ڈالنے۔

ویسے لڑکی ہے تو بہت اچھی میرے تخیل کے پیکر جیسی سیدھی سادی معصوم، نگاہ جھکائے اپنے کام میں مگن رہنے والی مان جائے میری بات تو زندگی بن جائے میری۔ اب وہ دیپ سے ملنے کو بے قرار تھا مگر اتنی جلدی کیسے جائے وہ تو تھوڑی دیر آرام کرنے کا کہہ کر آیا تھا۔

شکل و صورت تو سادہ سی ہے مگر وہ جو کہتے ہیں کہ عام سے چہرے ہی زیادہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔ بڑی گہری چھاپ ہوتی ہے ان کی۔

"عرسیس صاحب میں نے آپ سے پوچھا بھی تھا آپ شفو آپا کے شوہر کو جانتے بھی ہیں یا نہیں مگر آپ۔" گھر میں داخل ہوا تو سب سے پہلے دیپ سے ملاقات ہو گئی جو شاید گلہ کرنے کو تیار بیٹھی تھی۔

"ارے آپ کو غصہ بھی آتا ہے۔" عرسیس نے اس کی بات نظر انداز کر کے حیرت سے پوچھا۔

"نن نہیں میں نے غصہ تو نہیں کیا۔ میں تو یہ کہہ رہی ہوں آپ نے غلط کیا باجی مجھ پہ اتنا ناراض ہوئی ہیں نا۔" تب عرسیس نے اس کے ستے ہوئے چہرے کو غور سے دیکھا وہ شاید رو رہی تھی۔

"اور آپ نے جواب میں انہیں کچھ نہیں کہا۔"

"میں کیا کہتی غلطی تو مجھ سے ہوئی تھی نا۔"

"کیوں آپ نے کیا غلطی کی کیا وہ اپنے شوہر کے لیے چائے بھی نہیں بنا سکتیں اور آپ کیا ملازم ہیں ان کی۔" عرسیس کے تیز لہجے پر دیپ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"بتائیں نا آپ سب سے دبی دبی کیوں رہتی ہیں دیپ؟" مگر وہ جواب دیئے بنا بس اسے دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گئی کہ اس غیر لڑکے سے جو کاشر کے دوست کی حیثیت سے یہاں آتا جاتا تھا۔ ایسی ہمدردی کی توقع ہر گز نہیں تھی۔

"السلام علیکم! پھوپی اماں کے کمرے میں آ کر اس نے بلند آواز میں کہا۔

www.pkdigest.com

کے قریب آ بیٹھی۔ گانے میں حصہ تو نہیں لیا۔ مگر سُن بہت دلچسپی سے رہی تھی۔ لڑکیاں ساتھ میں ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کر رہی تھیں۔

"دیپ پانی تو پلا دو، گا گا کر گلا خشک ہو رہا ہے"۔ اسے آرام سے بیٹھے دیکھ کر عالیہ سے شاید برداشت نہ ہو سکا کہہ بیٹھی۔ عالیہ اس کی تایا زاد تھی بے حد مغرور اور والدین کی لاڈلی دیپ میں اتنی جرأت کہاں کہ انکار کر دیتی فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی گویا آج کی پربڈ سے ٹانگوں میں سخت درد ہو رہا تھا۔ پانی کا جگ لے کر واپس ہوئی تو عرلیس اور کاشر سے ٹکراؤ ہو گیا۔ کاشر تو آگے بڑھ گیا۔ البتہ عرلیس اسے دیکھ کر رک گیا۔

"کہاں جا رہی ہے سواری جگ پانی کا لے کر"۔

"وہ عالیہ نے پانی مانگا تھا"۔

"اور آپ بھلا انکار کر سکتی ہیں۔ آخر کنیز جو ہوئیں عالیہ کی"۔

"میں کیوں ہونے لگی کنیز عالیہ کی میری کیا لگتی ہے"۔

"اچھا اگر تم اُس سے پانی مانگتیں تو وہ لا دیتی"۔

"مجھے نہیں معلوم آپ راستہ چھوڑیں"۔

"آخر تم اتنی بے زبان کیوں ہو؟" وہ زچ ہو کر بولا۔

"مجھے نہیں معلوم آپ جانے دیں نا"۔

"پہلے یہ جگ مجھے دو"۔

"آپ کو اور لا دیتی ہوں مجھے جانے دیں"۔ اس نے راستے میں کھڑے مضبوط مرد سے گویا التجا کی۔

"کیا وہ خود اٹھ کر پانی بھی نہیں پی سکتی"۔

"آپ کیوں مجھے ڈانٹ پڑوانے کے موڈ میں ہیں"۔ وہ روہانسی ہو گئی۔

"کون ڈانٹے گا تمہیں"۔

"تائی اماں اور کون؟ عالیہ میری شکایت کر دے گی"۔

"انہیں کوئی حق نہیں تمہیں ڈانٹنے کا"۔

"لو جی میں نے پانی لینے بھیجا اور یہاں بیٹنگ شروع ہو گئی"۔ عالیہ نے آتے ہی چوٹ کی دیپ کے ساتھ باتیں کرنے والے شخص کی شکل تو نہ دیکھ سکی کہ اس کی جانب پشت تھی۔ مگر اس کی بات پر اس نے رخ پھیرا تو ٹھٹک گئی۔ عرلیس اور دیپ اتنے قریب کھڑے تھے اور عرلیس نے دیپ کا وہ ہاتھ بھی تھام رکھا تھا جس میں جگ پکڑے ہوئے تھی۔

"اوہ آپ یہاں عرلیس صاحب کوئی کام تھا کیا؟"

"جی نہیں کیا ان کے پاس کسی کام سے ہی آیا جاتا ہے"۔

"ہوں نن نہیں مگر"۔

"آپ اتنی حیران کیوں ہو رہی ہیں؟"

"آ آپ یہاں"۔ وہ واقعی سخت حیرت میں تھی۔ اس نے کتنے جتن کیے تھے اس مسکراتی آنکھ روشن پیشانی والے امیر زادے کو اپنی جانب متوجہ کرنے اور یہاں دیپ جیسی کم مایہ لڑکی تو شاید بازی جیتنے لگی تھی۔ حسد کی آگ بھڑک کر دہکتا الاؤ بن گئی۔ وہ کم از کم دیپ کو اس مقام پر برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"دیپ ابی کہہ رہی تھیں میرے کچھ پرانے جوڑے تمہیں دینا چاہتی ہیں جا کر لے لو"۔ وہ عرلیس کے سامنے اسے پوری طرح ذلیل کرنا چاہتی تھی۔

"میں اُترن نہیں پہنتی عالیہ"۔ دیپ کی آہستگی اور نرمی سے کہی گئی مضبوط بات عرلیس کو سرشار کر گئی۔ جی چاہا اسے دنیا کے ہر درد و غم سے بچا کے اپنی پناہ میں لے کر اسے ان سب کے لیے اتنا معتبر کر دے مگر ایسی باتیں کرنا تو در کنار وہ آنکھ اٹھا کر اسے دیکھنے کی ہمت بھی خود میں نہ پا سکیں۔

"میں امی کو بتاتی ہوں"۔ عالیہ پیر پٹختی چلی گئی۔

"آپ نے تو مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا عرلیس۔ اب نہ جانے تائی اماں سے کیا کہے گی۔ آپ مجھے تباہ کرنے پر تل گئے ہیں"۔ آنکھوں میں آنسو بھرے دنیا والوں کے خوف سے زرد پڑتی یہ لڑکی اسے اپنی جان لگنے لگی۔

"گھبراؤ نہیں دیپ میں جو تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ دکھ اذیتیں عارضی ہیں تم اچھے دنوں کے صدقے انہیں اگنور کر دو"۔

"اچھے دن کون سے اچھے دن اور آپ مجھے تو بخشیں"۔ وہ آنسو دوپٹے میں جذب کرتے ہوئے تلخی سے بولی۔

"تمہارا کیا خیال ہے صرف ظاہری طور پر ہمدردی کر رہا ہوں تم سے یقین کرو دیپ میں تو تمہارا دامن خوشیوں سے بھرنے کا عہد کر بیٹھا ہوں، تمہیں کیا پتہ کیا کیا خواب دیکھے ہیں میں نے تمہارے حوالے سے"۔

"آ۔ آپ"۔ وہ چونک گئی اور گھبراہٹ میں کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"ہاں مگر اتنی پریشان کیوں ہو گئی ہو"۔

"نہیں پریشان تو نہیں مگر"۔ وہ جانے کیا کہتے ہوئے اٹک رہی تھی۔

"ہاں تمہیں اعتبار نہیں ہے نا مجھ پر۔ اور یہ تو کوئی دیپ کے دل سے پوچھتا اعتبار، یقین تو بعد کی بات اُسے تو اسی بات پر حیرت تھی کہ کوئی اُسے یوں ہم بڑا جان کر اس سے مخاطب ہے اور باتیں بھی اتنی انمول کرتا ہے جو اس کے خوابوں کی دنیا سے بھی دور تھیں۔

"مت کرو یقین مگر اس روز تو مجھے ماننا پڑے گا جب تمہارے سارے حقوق میرے نام ہوں گے"۔ وہ اسے حیران و پریشان چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

یہ شام دیپ کی زندگی میں سحر بن کر آئی تھی اسے عرلیس کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ مگر پھر بھی خوش تھی بہت خوش، یوں لگتا جیسے عرلیس کی باتوں نے تن مردہ میں روح پھونک دی ہے محبت کے ٹھنڈے شفاف چھینٹے تپتے صحرا میں ابر کی مانند خوشگوار احساس دلا رہے تھے۔ خون کے رشتے جن سے سالوں کی ڈور بندھی تھی اسے بیگانے لگ رہے تھے اور وہ جو اس کا کچھ بھی نہ تھا چند لمحوں میں سب سے زیادہ عزیز اور اپنا سا لگا تھا۔

اسے یہ سب کہہ کر عرلیس بھی مطمئن سا ہو گیا تھا۔

"چھوٹے صاحب بیگم صاحبہ کا فون آیا تھا"۔ ملازم نے اطلاع دی۔

"مما کا؟" عرلیس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"جی ہاں وہ لاہور ہی میں اپنے بھائی کے ہاں موجود ہیں۔ ابھی کچھ دیر بعد پھر فون کریں گی"۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ"۔ اسے نوشابہ کے فون پر حیرت ہو رہی تھی کہ آٹھ ماہ سے انہوں نے فون کا سلسلہ بھی موقوف کر رکھا تھا۔

اس کی حیرت بجا مگر نوشابہ اور ان جیسی بہت سی دوسری خواتین کے لیے یہ بات حیرت انگیز نہ تھی۔ آج سے چند سال پہلے شوہر سے لڑ جھگڑ کر علیحدہ ہو گئیں اور بہن کے پاس امریکہ جا بسیں، شوہر سلطان صاحب بھی پکے بزنس مین تھے انہوں نے بیوی کے جانے کو زیادہ اہمیت نہیں دی کہ جب دونوں ایک چھت تلے رہتے ہوئے بھی اجنبی ہی تھے تو دور جانے سے کیا فرق پڑ جاتا۔ اور نوشابہ یہ سمجھتی تھیں کہ وہ سلطان کے بغیر بھی نہ صرف زندگی گزار سکتی ہیں بلکہ بہت بہتر انداز میں جی سکتی ہیں۔ مگر گزرتے وقت نے احساس دلایا کہ ہٹ دھرمی اور خود غرضی سے کیا گیا وہ فیصلہ ان کی بہت بڑی بھول تھا۔ شوہر اور بچوں کے بنا ان کی اہمیت کیا ہے۔ یہ اندازہ انہیں بہت پہلے ہو جانا چاہیے تھا۔ مگر یہاں بھی غلطی کر گئیں۔ عمر کے بڑھتے احساس کو چہرے پر نہ آنے دیا۔ تھوڑے میک اپ میں چھپا لیا۔ مگر دل یہ تنہائی، یہ برسوں کی دوری برداشت نہ کر سکا، چلا چلا کر گزرتے وقت۔۔۔ اور اپنی بے کسی کا رونا روتا رہا۔

تب انہوں نے سوچا پاکستان چلے جانا چاہیے خیال تھا اپنے بھائی کے ہاں قیام کریں گی ان کے بچوں سے خود کو بہلا لیں گی، مگر یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ بھابی جو انہیں اور سلطان کو سر آنکھوں پر بٹھاتی تھیں انہیں دیکھتے ہی ماتھے پر بل ڈال لیتیں بچے ان سے سوال کرتے کہ پھوپھو آپ نے اپنے بچوں کو کس طرح چھوڑ دیا۔ تب وہ گڑ سی جاتیں۔ آج انہی باتوں سے گھبرا کر انہوں نے سلطان ہاؤس فون کر ڈالا۔ عرلیس کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ جلد ہی نوشابہ نے رابطہ قائم کیا۔

"ہیلو مما آپ کیسی ہیں کیسے آنا ہوا ٹھیک تو ہیں نا"۔ عرلیس کی بیتابی ایک ساتھ کیے گئے اتنے سوالوں سے ہویدا تھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں میرے بیٹے تم سے ملنا چاہتی ہوں۔ آ رہے ہو نا"۔

"ہاں مما کیوں نہیں ضرور آؤں گا اور آپ کو اپنے ساتھ گھر لے کر آؤں گا"۔

"پپا کیسے ہیں تمہارے؟" وہ پوچھ بیٹھیں۔

"مجھے نہیں معلوم"۔ اس کا لہجہ حد درجہ سنجیدہ تھا۔

www.pkdigest.com

”تمہیں نہیں معلوم ایک ہی گھر میں رہنے کے باوجود؟“ ان کا لہجہ حیرت ظاہر کر رہا تھا۔

”بس مما اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حالات اب بھی وہی ہیں جو آپ چھوڑ گئی تھیں۔ ہم سب ایک دوسرے سے بے خبر اپنی ڈگر پر رواں دواں ہیں۔“

”اوہ۔“ وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئیں۔ جانے اس اوہ میں حیرت کا اظہار چھپا تھا یا فکر مندی ظاہر کرنا چاہتی تھیں۔

”کیں آجاؤں مما۔“

”ہاں کیوں نہیں۔ میں تمہارا ویٹ کر رہی ہوں عرسی دیر مت لگانا۔“

”او کے آپ آنکھیں بند کریں۔ میں حاضر ہو رہا ہوں۔“

نوشابہ سے ملا تو حیران رہ گیا کہ وہ آج پہلے سے بہت مختلف انداز میں ملیں باقاعدہ ساتھ لگا کر پیشانی پر پیار سے بوسہ دیا۔ جبکہ پہلے وہ ہونٹ اس کے چہرے سے ذرا فاصلے پر رکھ کر ہی کس کر لیا کرتی تھیں۔ پھر آج وہ کتنی سادہ اور کمزور لگ رہی تھیں۔

”مما آپ ٹھیک تو ہیں نا۔“ وہ انہیں اپنے بازوؤں میں لیے فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔ عرسی یہ بتاؤ روحیل کیسا ہے کیا اس کے بارے میں بھی نہیں معلوم۔“

”نہیں وہ آپ دونوں سے قدرے مختلف ہے اتنا مصروف ہونے کے باوجود بھی میرے لیے وقت نکال لیتا ہے۔“

”بہت ناراض ہو۔“ انہوں نے اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر آہستگی سے پوچھا۔

”ہاں بہت۔“ اس نے سچائی سے اعتراف کر لیا۔

”میں اب ہمیشہ کے لیے تم لوگوں کے پاس آنا چاہتی ہوں۔ کیا خیال ہے تمہارے پپا مان جائیں گے؟“

”ما سویٹ مما۔ آپ نے کہہ دیا تو پھر پپا کیوں کر انکار کریں گے وہ ضرور مان جائیں گے۔“ اور عرسی کی بات سچ ثابت ہوئی کہ گزرا وقت دولت کے انبار تلے دبے سلطان صاحب کو گھر اور اس کی اہمیت کا احساس دے گیا تھا۔ آج وہ ایک ساتھی کے متلاشی تھے جبکہ کل تک ان کی نظر میں ایسی باتوں کی کوئی اہمیت ہی نہ تھی۔

روحیل اور عرسی کا خیال تھا انہیں راضی کرنے میں خاصی محنت کرنا پڑے گی مگر وہ اتنی جلدی مان گئے کہ دونوں بھائی خوش ہونے کے بجائے حیران ہوتے رہے۔ عرسی نے سب سے پہلے یہ خبر کاشر کو سنائی۔

”تمہیں بہت بہت مبارک ہو میرے دوست۔“ کاشر نے اسے گلے لگا لیا۔

”آج میں بہت خوش ہوں کاشر یوں لگتا ہے جیسے برسوں کی کھوئی کوئی اہم شے اچانک مجھے مل گئی ہے جس کی میں امید بھی کھو بیٹھا تھا۔“

”ہاں عرسی دُنیا میں یہی نعمتیں ہی سب سے بڑی دولت ہیں۔ ان کے بغیر زندگی ادھوری، نامکمل اور بے کیف ہے۔“ آج کاشر بھی بہت سنجیدہ تھا۔

”ایک خوشی اور چاہتا ہوں جس کا حصول تمہارے توسط سے بہت آسان ہو جائے گا۔“

”ہاں کہو میں ہر قسم کی مدد کے لیے تیار ہوں۔“

”کہہ دوں۔“

”ہاں بابا کہہ دو۔“

”تو سنو مجھے دیپ چاہیے۔“ عرسی نے جگمگاتی آنکھیں اس کے چہرے پر جما کر مضبوط لہجے میں کہا۔

”دیپ؟“ کاشر کی حیرانی بجا تھی۔

”ہاں دیپ۔“ اس کا لہجہ اب بھی وہی تھا۔

”کیا تمہارے علاقے میں بھی لوڈ شیڈنگ ہونے لگی ہے۔“ کاشر کے لیے زیادہ دیر سنجیدہ رہنا بھلا کہاں ممکن تھا پھر دیر تک دونوں کے قہقہے گونجتے رہے۔

”یار اندازہ تو کچھ تھا مجھے مگر معاملہ اتنا سیریس ہو گا یہ نہ سوچا تھا۔“

”اچھا تو تم نے مجھے فلرٹ سمجھ رکھا ہے۔“

”نہیں یار مگر اتنا جلد باز نہیں سمجھتا تھا نہیں کہ دیکھا اور دل تھام کر رہ گئے۔“

”بکواس نہیں چاہیے۔ میں نے سلیپ کے لیے کہا ہے تمہیں۔“

”وہ تو ہم کریں گے مگر پہلے اپنے والدین کو تو راضی کر لو۔“

”ہاں بات تو کروں گا ان سے ویسے ان کے راضی ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔“

”واٹ فرق کیوں نہیں پڑتا۔ بیوقوف لڑکے۔“

”انہوں نے ہمیں کب اتنی اہمیت دی ہے۔ کب یہ احساس دیا کہ انہیں ہماری اور ہمیں ان کی ضرورت ہے اس کے پیچھے میں تلخی در آئی تھی۔“

”اچھا بات ضرور کر لینا ان سے۔“

”او کے اب چلتا ہوں۔“ وہ کی رنگ ٹیبل سے اٹھاتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

اور جب سلطان اور نوشابہ سے بات ہوئی تو نوشابہ تو جیسے بھڑک ہی اٹھیں۔

”امپاسیبل تم نے یہ سوچا بھی کیوں۔ عرسی میں تو تمہارے لیے بھائی اقبال کی بیٹی ’نوما‘ لانا چاہتی تھی، تاکہ انہیں پتا چل جائے اتنا عرصہ گھر سے دور رہ کر بھی کیا ویلیو ہے میری مگر تم۔ اوہ نو۔ یہ نہیں ہو سکتا۔“

”مجھے لگا تھا یہ ہو کر رہے گا۔“ اس کی آواز میں دبا دبا احتجاج تھا۔

”عرسی تم بچے ہو ابھی نہیں سمجھتے ان باتوں کو ذرا سوچو تو ایک مڈل کلاس لڑکی بھلا کیسے تمہارے مطابق ڈھل سکے گی اور اس طبقے کے لوگ لوٹوں بھی اپنی ہی بنائی ہوئی نام نہاد قدروں پر جان دیتے ہیں۔“ نوشابہ کا لہجہ اس کی خواہش کی شدید مذمت کر رہا تھا۔

”مما آپ کے اپنانے کا فیصلہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے آئی نو۔ وہ ہم جیسی دولت مند لڑکی نہیں ہے اور یہی خوبی تو مجھے متاثر کر گئی، شاید کہ میں اس دولت مند طبقے سے الرجک ہونے لگا ہوں۔ آپ دونوں کے رویے نے مجھے توڑ کر رکھ دیا میرا بچپن کسی بھی ایسی یاد سے خالی ہے جس میں آپ دونوں میرے قریب ہوں اور میں تو کیا آپ تو خود سے بھی دور رہے پپا کی میٹنگز اور تو مما کی شاپنگ لنکشن اور دوسرے بہت سے پروگرام باتیں تو صرف روپے کی باتیں فیشن، سیاست کی باتیں اور بنگلے میں لڑائی جھگڑے کی باتیں۔ جنہیں سن کر میں اپ سیٹ ہو جاتا تھا۔ میں نے سوچا ہے میں اپنے گھر کو گھر بناؤں۔ ایسا ساتھی لاؤں جو جو اسے ہوٹل نہیں اپنا گھر جانے میری بات سمجھے، اور اپنی فیملی سے کہیں بڑھ کر دولت سے زیادہ مجھ سے دلچسپی ہو۔“

”اور وہ چھوٹے گھر کی لڑکی یہ سب کرے گی۔ ہے نا تم یہی سمجھتے ہو نا۔ تو یہ تمہاری بھول ہے عرسی دیکھ لینا غربت میں پلی بڑھی وہ لڑکی جب اتنا دھن دیکھے گی تو تمہیں تو کیا خود کو بھی بھول جائے گی۔“ نوشابہ کا غصہ عروج پر تھا۔

”ٹھیک ہے مما جب دولت مند عورت بھی گھر شوہر اور بچوں کو چھوڑ کر جا سکتی ہے پھر ہم کیوں نا اس غریب لڑکی کو لے آئیں جو عرسی کی پسند ہے؟“ روحیل نے پہلی مرتبہ اس گفتگو میں حصہ لیا۔

”تم چپ کرو۔“ نوشابہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کو کہا۔

”سوری مما، میں سمجھتا ہوں اس وقت میرا خاموش رہنا مناسب نہیں کہ نہ صرف عرسی سے مکمل اتفاق ہے بلکہ میں خود بھی اپنی سیکرٹری ماریہ سے شادی کرنے والا ہوں۔ انویٹیشن کارڈ دینا بھول گیا تھا۔“

”اور تم نے ہمیں بتایا بھی نہیں۔ ہم سے رائے تک نہیں لی۔“ نوشابہ کے ساتھ ساتھ سلطان صاحب اور عرسی بھی اپنی جگہ پر حیران کھڑے تھے

”بتایا انہیں جاتا ہے رائے ان سے لی جاتی ہے جنہیں ہم سے ہمارے معاملات سے دلچسپی ہوتی ہے عرسی سے میں نے ایک مرتبہ ماریہ کا ذکر کیا تھا شادی کا بھی اسے بتایا مگر یہ پچھلے چند ماہ سے مصروف ہی بہت ہے ویسے مجھے یقین تھا اسے میری پسند سے اختلاف ہرگز نہ ہو گا۔“

”آپ نے ٹھیک کہا۔ روحیل بھائی میں تو بھابی سے ملنے کے لیے سخت بے چین ہو رہا ہوں۔“ عرسی اپنی بات چھوڑ کر اس سے ماریہ کے متعلق پوچھنے لگا۔ نوشابہ بھی اب عرسی کو بھول کر روحیل کی اس حرکت پر سیخ پا ہو رہی تھیں جبکہ سلطان صاحب اپنی سوچ میں گم تھے۔

”آؤ عرسی تمہیں ماریہ کی تصویر دکھاؤں۔“ روحیل اس کا بازو پکڑ کر آگے بڑھا۔

www.pkdigest.com

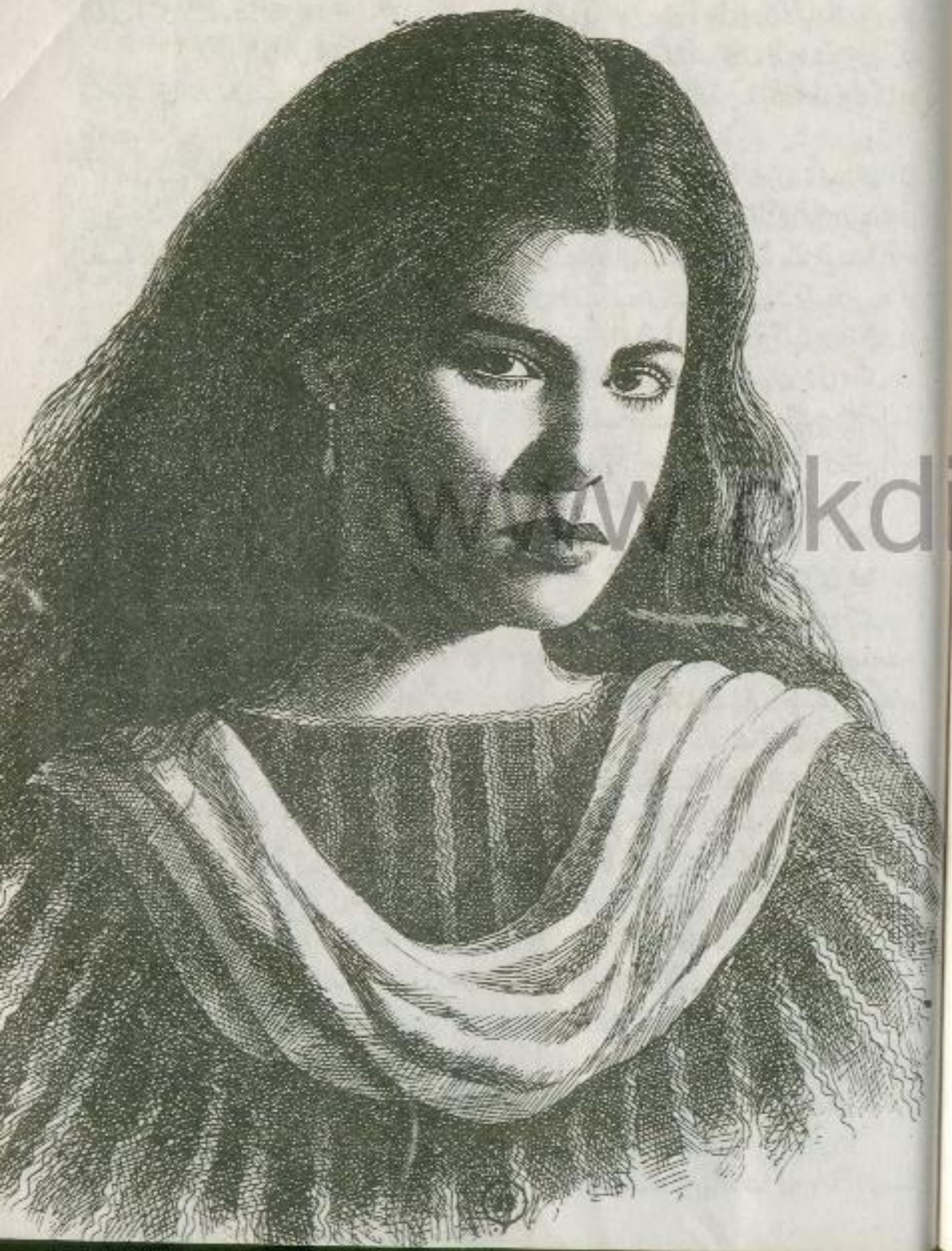

"کہاں چل دیئے تم دونوں —" سلطان صاحب کی ——— آواز پر دونوں کے بڑھتے قدم رک گئے اور وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگے۔

"بھئی ہمیں ہماری بہوؤں کے ایڈریس تو دیتے جاؤ۔ یوں بغیر لئے پتے کے کہاں تلاش کریں گے ہم انہیں۔"

"پپا آپ؟" دونوں کی آواز میں حیرت نمایاں تھی۔

"سلطان آپ بھی۔" نوشابہ کوچ سے اٹھ کر ان کے برابر آکھڑی ہوئیں۔

"ہاں بیگم میں نے سوچا واقعی گھر کو گھر رہنا چاہئے اسے ہوٹل نہیں بننا چاہئے کہ شب بسری کے لیے آگئے، کبھی کھانا کھا لیا، رقم ادا کی اور کام ختم نہیں بیگم اب اس بڑے سے خاموش بنگلے میں بھی خوشیوں کو آنے دو اب یہاں میرے بچوں کے قہقہے گونجیں گے۔ برسوں کی چھائی خاموشی کو شور میں دب جانا چاہئے اور شور بھی وہ جو دل سے لب تک مسکراہٹ بکھیر دے۔"

"ہونہہ مسکراہٹ بکھیر دے مجھے اب احساس ہوا ہے میں نے واپس آکر بڑی غلطی کی ہے۔" وہ ہائی ہیل فرش پر زور سے بجاتیں سٹنگ روم سے نکل گئیں۔

"یہ نہیں ہونا چاہئے تھا پپا۔" دونوں بھائی ان کے غصے سے پریشان تھے۔

"فکر مت کرو۔ مجھے یقین ہے وہ مان جائیں گی۔"

"اٹ از امپاسیبل۔" روحیل زیادہ ہی مایوس تھا۔ ان کی طرف سے۔

سلطان صاحب اپنے کسی ملنے والے کے ہاں چلے گئے، روحیل ماریہ کی طرف، عرس اپنے بیڈ روم میں آگیا۔ اسے نوشابہ کے رویے پر بہت افسوس ہو رہا تھا۔ اپنانا تو مجھے دیپ کو ہر حال میں ہے۔ کیا تھا جو مما بھی خوشی سے اجازت دے دیتیں۔ وہ بیڈ پر پڑا یہی سوچتا رہا۔ حالانکہ آج فرح کی منگنی تھی۔ کاشر کے ہاں یقیناً سب اس کے منتظر مگر اس کا جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔

صبح ناشتے پر روحیل، سلطان، عرس تینوں موجود تھے اور بالکل خاموش شاید لاشعوری طور پر تینوں نوشابہ کے منتظر تھے۔ زیادہ انتظار کرنا پڑا۔ قیمتی ساڑھی میں ملبوس وہ جلدی آپہنچیں تینوں کو ہیلو کہا اور سلطان صاحب کے قریب آکھڑی ہوئیں۔

"کب چلنا ہے بیٹوں کے سسرال۔" ان کی آواز میں بشاشت تھی۔ جبکہ تینوں خاموش ان کی صورت دیکھ رہے تھے۔

"بتایا نہیں آپ نے"

"جب آپ کہیں۔" سلطان صاحب مسکرا کر گویا ہوئے۔

"ٹھیک ہے آپ تیار ہو لیں پھر چلتے ہیں۔ یہ بتائیں میں اس لباس میں ٹھیک لگ رہی ہوں نا"

"آپ تو ہر لباس میں گریس فل لگتی ہیں مما۔" عرس ان سے لپٹ گیا۔

"رہنے دو نہیں اب۔" انہوں نے ہلکی سی چپت اس کے سر پر رسید کی۔

"آپ ناراض تو ہوں گی مما مگر کیا کروں میں بھی مجبور ہوں۔"

"نہیں عرسی میں ناراض نہیں ہوں سلطان کی باتوں نے مجھے بھی یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ جب ہم تمہیں کچھ دے نہیں سکے تو مانگیں کس برتے پر اور وہ بھی اختیار، جیسی شے۔ سوری میں نے تم لوگوں ہرٹ کیا۔" انہوں نے دائیں بائیں کھڑے بیٹوں سے کہا۔

"نہیں مما بھلا کوئی ماں کی بات پر بھی ہرٹ ہوتا ہے"

بیوی بچوں کو اس روپ میں دیکھ کر سلطان صاحب کو لگا جیسے زندگی کے نقشے میں آج بہت سے رنگ بھر گئے ہیں خوشنما، سنہری، روپہلی رنگ، جو جیون کی سندر راہوں کا پتا دے رہے ہیں۔

☆☆☆

شوپیس

سحر شیخ

www.pkdigest.com

"زرق! کل تیار رہیے گا، مجھے اماں کے ہاں جانا ہے بہت دن ہوگئے ہیں، اماں کے روز فون آرہے ہیں بہت یاد کررہی ہیں مجھے اب تو....." وہ وارڈروب میں سر دیے اپنی ہی دھن میں بولنے جارہی تھی جب بیڈ پر دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے لیٹا زرقون مصطفیٰ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔

"آخر تمہارا یہ اماں نامہ کب ختم گا۔ جب دیکھو ایک ہی رٹ اماں کے ہاں جانا ہے اماں کے ہاں جانا ہے اور بس..... اماں سے دنیا شروع اور اماں پر ہی ختم ہوتی ہے تمہاری یہ اماں محترمہ تو گلے ہی پڑ گئی ہیں....." وہ بڑبڑانا شروع ہوگیا تھا وہ دل پر ہاتھ رکھ کے بیڈ پر ٹک گئی۔

"ہائے اللہ! ایسے تو نہ کہیں میری اماں کو آپ کو تو بزرگوں کا ذرا احترام کرنا نہیں آتا وہ آپ کی بھی کچھ لگتی ہیں بولتے وقت ذرا ان کی بزرگی کا کچھ خیال کرلیا کریں۔" وہ خالص بیویوں والے انداز میں لڑتے ہوئے بولی تھی وہ زور سے قہقہہ مار کے ہنس پڑا۔

"اوہ بزرگی..... اور وہ جو تم میری پھپھو کا مذاق اڑایا کرتی تھیں وہ.....؟ یاد نہیں ہے کیسے ایک ٹانگ پر کھڑی ہوکے ایکٹنگ کیا کرتی تھی تب تمہیں بزرگوں کے احترام کا اخیال نہیں آیا تھا۔" وہ بھی ہارنے والا نہیں تھا فوراً پرانا کھاتہ کے بیٹھ گیا وہ شرمندہ سی ہوگی۔

"آپ تو گڑے مردے اکھاڑنے لگے۔ ویسے بھی میں تو اس وقت بچی تھی اور بچے تو ایسی چھوٹی چھوٹی شرارتیں کیا ہی کرتے ہیں۔" وہ صفائی دینے لگی تھی زرقون مصطفیٰ نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی۔

"کیا کہا بچی تھیں تم؟ میڈم میٹرک کلیئر کر چکی تھیں آپ اور فرسٹ ایئر میں جانے کو پر تول رہی تھیں اور میرے خیال میں اتنا بڑا بچہ تو نہیں ہوتا البتہ بڈھا بچہ ضرور ہوتا ہے اس بڈھے بچے کو رومینس کی الف ب تو پوری کی پوری معلوم ہوتی ہے صرف بزرگوں کے احترام کا ہی پتہ نہیں ہوتا۔ کیا معصومیت ہے سحرش میڈم آپ کی؟" وہ طنزیہ انداز میں کہتا پھر سے بیڈ پر پھیل کر لیٹ گیا تھا وہ نتھنے پھلا کر تیزی سے اٹھی اور چیزوں کو جان بوجھ کر اتھ پٹخ کرنے لگی۔

"میں نے تو صرف اماں کے ہاں لے جانے کی بات کی تھی آپ تو میرے بخیے ہی ادھیڑ ڈالے، ہر آٹھویں دن تو جاتی ہوں کونسا روز روز جاتی ہوں اس پر بھی آپ ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔" وہ اذکی کی فراک آئرن سٹینڈ پر ڈالتی ہوئی بولی تھی وہ سیدھا ہو بیٹھا۔

"کیا کروں یار! میری ناک ہی اتنی خوبصورت ہے چڑھا چڑھا کر اور بھی خوبصورت ہوتی رہی ہے اور رہی بات آپ کے سنڈے کے سنڈے کی تو وہ بھی صرف آپ اس لیے جاتی ہیں کہ میکہ دوسرے شہر میں سے اگر اسی شہر فی میں ہوتا تو آپ ہر روز بچوں کو بغل میں دبائے اپنی اماں کے ہاں پڑی ہوتیں اور رات کو صرف سونے کے لیے آتیں جیسے مسافر سرائے میں ٹھہرنے آتا ہے۔" وہ بھی ساب حساب باک کرنے موڈ میں تھا وہ کپڑے آئرن سٹینڈ پر ہی پٹخ کر دونوں ہاتھ کمر پر رکھے لڑنے کے لیے آکھڑی ہوئی۔

"صرف آپ کو ہی اعتراض ہوتا ہے میرے اماں کے گھر جانے کا سروش آپا کو دیکھیں روز جبران بھائی انہیں میکے چھوڑ کے جاتے ہیں اور رات کو لے جاتے ہیں ذرا جو ماتھے پر بل آجاتے ان کے اور ایک آپ ہیں کہ.....!" غم سے اس کی آواز رندھ گئی۔

"بے وقوف عورت یہ جبران بھائی کی بیوی سے محبت نہیں ان کی مجبوری ہے پتہ ہے انہیں ذرا جو انکار کیا فوراً قتل کردیے جائیں گے۔ آخر انہیں یہ فضول روایت بھی تو نبھانی ہے اس خاندان کی، پتہ نہیں ہماری سات پشتوں میں کس منحوس عورت نے یہ رواج نکالا ہوگا لڑکی کے روز روز اپنے میکے جانے کا، کوئی تو ہو جو اس فضول روایت کو توڑے....." وہ آج پہلی بار اپنے دل کا غبار نکال رہا تھا سحرش عالم نے ایک نظر اپنے اس ہینڈسم سے میاں پر ڈالی اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

"اف خدایا، یہ عورت بھی.....!" اس نے

جھنجھلا کر سوچا اور پھر سے پرسکون ہوکر بیڈ پر پھیل گیا۔

☆.....☆.....☆

میکے سے واپسی پر وہ بکھرے ہوئے گھر کا نقشہ بدلنے میں لگ گئی تھی چار دن کیا میکے گئی پیچھے سے تو گھر نے شکل ہی بدل لی تھی بیوی بچوں کی غیر موجودگی میں زرقون مصطفیٰ ہر چیز کا جیسے ستیاناس ہی کردیا تھا کوئی چیز اپنے ٹھکانے پر نہ تھی کچن میں گندے برتنوں کا ڈھیر لگا تھا معائنہ کرنے پر پتے چلا کہ سنک بھی بند تھا بیڈروم میں بیڈ پر گندے اور میلے کپڑوں کا ڈھیر لگا تھا سب سے پہلے تو اس نے محلے کے کسی لڑکے کو بلا کر سنک صاف کروایا تھا پھر گندے کپڑوں کا گٹھڑ اٹھا کر اسی لڑکے کے ہاتھ لانڈری بھیجا تھا گھر کو سمیٹنے میں اسے تقریباً تین دن لگ گئے تھے پھر بھی گھر کی اصل شکل نہیں نکلی تھی۔

مجال ہے جو ذرا بیوی پر رحم آجائے مشین سمجھتے ہیں آپ مرد لوگ ہمیں..... چوبیس گھنٹے چلاؤ کہیں سانس لے لینے دو....." وہ روہانسی ہوکر بولی تھی لیپ ٹاپ پر بیٹھے زرقون مصطفیٰ نے گردن موڑ کر ایک مسکراتی نظر اس کے جھنجلائے ہوئے چہرے پر ڈالی تھی جو پریس شدہ کپڑے ہینگ کرنے میں لگی تھی۔

"قسم سے سحری، مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا کیسے سارا گھر بکھر گیا ویسے میں ابھی سمیٹنے ہی والا تھا کہ تمہارا فون آگیا کہ لینے آجاؤ اب بھلا بتاؤ میں تمہیں لینے آتا یا گھر سمیٹتا، اب میرا اہم ذار ہے نہیں کوئی کہ ایک گھر سمیٹے تو دوسرا بیوی بچوں کو لینے جائے۔" وہ ہونٹوں پر ابھرنے والی مسکراہٹ کو دبا کر دل جلانے والے انداز میں بولا تو اس نے غصے سے سامنے پراکشن اٹھا کر اس پر دے مارا تھا زرقون مصطفیٰ کے لبوں سے بھاری قہقہہ بلند ہوا تھا۔

"تم جلتی کڑھتی بہت اچھی لگتی ہو اچھا ہے موٹی نہیں ہوگی جلنے کڑھنے سے بندہ دبلا رہتا ہے....." وہ چیئر چھوڑ کر اس کی طرف آتے ہوئے بولا لیکن اس کی آنکھوں سے نکلتے ہوئے شراروں نے اس کے قدم وہیں روک دیے۔

"خدا کے لیے سحری مجھے یوں آنکھیں مت دکھاؤ، قسم سے مجھے خوفناک اور غصیلی بیویوں سے بہت ڈر لگتا ہے دیکھو ذرا میری نبض چھوکر، مجھے ٹمپریچر ہونے لگا ہے۔" وہ بدستور اسے تنگ کرنے میں لگا تھا وہ الماری چھوڑ کر سامنے صوفے پر جا بیٹھی تھی۔

"اگر میرے غضب سے بچنا ہے نا، تو جائیں ہوٹل سے کھانا لے کر آئیں آج میں کھانا نہیں بناؤں گی میری ہڈیاں دھڑ دھڑ کر کے بجنے لگی ہیں اس گھر کو سمیٹتے سمیٹتے اف....." اس نے ریموٹ اٹھا کر اے سی کی کولنگ بڑھائی تھی۔

"اف، میں ابھی لے آتا ہوں، اس میں اتنا ہنگامہ کرنے والی کیا بات ہے، بلکہ سکول سے بچوں کو بھی لے آؤں گا....." وہ سائیڈ ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے بولا تھا وہ جھٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"لیکن حشمت بابا لے تو آتے ہیں انہیں۔" اس نے سکول وین کے ڈرائیوں کا نام لیتے ہوئے کہا۔

"اگر وین پہنچ گئی ہوگی تو ٹھیک ہے ورنہ پھر میں ہی لیتا آؤں گا۔" وہ اپنے خوبصورت بالوں کا ہیئر سٹائل ہاتھوں سے چھوتے ہوئے بولا تو سحرش عالم نے نظر بھر کر اسے دیکھا تھا وہائٹ ٹی شرٹ اور بلیک جینز میں وہ کافی وجیہہ لگ رہا تھا۔ اس کی محویت پا کر وہ معنی خیزی سے مسکرایا تو وہ نظریں چرا گئی۔

"کیا بات ہے کیا میں آج کچھ زیادہ ڈیشنگ لگ رہا ہوں؟" اس کے اس طرح کہنے پر وہ بری طرح جھینپ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

سحرش عالم اور زرقون مصطفیٰ فرسٹ کزن تھے دونوں کی مائیں صرف خالہ زاد بہنیں ہی نہیں بلکہ بہترین دوست بھی تھیں۔ شادی کے بد گو کہ دونوں کا پہلے کی طرح ملنا جلنا نہیں رہا تھا کہ سسرال کی مصروفیات بڑھ گئی تھیں پھر بھی دونوں کبھی کبھار مل ہی لیتی تھیں اور پھر بچوں کی دیکھ بھال میں دونوں ایسی الجھیں کو خود کا بھی ہوش نہ رہا آنا جانا بھی کم ہوگیا تھا لیکن محبتیں آج بھی اتنی ہی شدت کے ساتھ اپنے مقام پر موجود تھیں۔

www.pkdigest.com

وقت گزرتا گیا ہفتے مہینوں میں مہینے سالوں میں تبدیل ہوتے گئے آمنہ بیگم ارعباس عالم کی بیٹیاں سروش اور سحرش نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ دیا دوسری طرف مائدہ بیگم اور مرید شاہ کا اکلوتا بیٹا زرقون مصطفیٰ جو سروش سے چھوٹا اور سحرش سے چار سال بڑا تھا عمر کے 28 ویں دور میں داخل ہو چکا تھا سحرش عالم کو وہ کالج لائف سے پسند کرتا آرہا تھا اس کی گہری سرمئی آنکھوں میں سحرش عالم کے لیے چھپی پسندیدگی مائدہ بیگم کی نظروں سے اوجھل نہیں تھی سو ایک روز انہوں نے آمنہ بیگم کے سامنے اپنی جھولی سحرش عالم کے لیے پھیلا دی انہیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا کہ لڑکا ویل سٹینڈ تھا اور ایک بڑی فرم میں اچھے عہدے پر فائز تھا سو رشتہ پکا کر دیا گیا سحرش عالم نے یوں تو زرقون مصطفیٰ کے لیے اپنے دل میں چھپی پسندیدگی ظاہر نہیں کی تھی لیکن زرقون مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں میں اقرار کی تحریر پڑھ لی تھی دونوں میں بہت بے تکلفی تھی لیکن اپنی محبت کے اظہار کے لیے دونوں ہی لفظوں کا سہارا یقیناً پسند نہیں کرتے تھے۔

☆.....☆.....☆

سحرش عالم کے زندگی میں آنے کے بعد زرقون مصطفیٰ خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھنے لگا تھا سفید و گلابی رنگت، لائٹ براؤن آنکھوں اور تیکھے نقوش والی سحرش عالم کسی بھی مرد کا خواب ہو سکتی تھی پری صورت سحرش عالم اپنے حسن سے بالکل بے نیاز تھی سانچے میں ڈھلے متناسب جسم کی مالک سحرش عالم پر ہر رنگ کھلتا تھا سو نے پر سہاگہ زرقون مصطفیٰ کی محبت نے اس کے حسن کو اور بھی نکھار بخش دیا تھا وہ اس کا ایسے خیال رکھتا جیسے وہ کوئی نازک سی شاخ ہو جو ہاتھ لگاتے ہی ٹوٹ جائے گی۔

شادی کے ایک سال بعد ہی وہ ایک بیٹی کی ماں بن گئی زرقون مصطفیٰ کو باپ بننے کی اس قدر خوشی تھی کہ ہر وقت اس ننھے وجود کو ہاتھوں میں اٹھائے پھرتا تھا اور پھر اذکی کے بعد سلیمان نے اس کی زندگی میں آکر مزید رنگ بکھیر دے ان کی فیملی مکمل ہو چکی تھی۔ سحرش عالم چوبیس گھنٹے ان دونوں کی دیکھ بھال میں گھن چکر بنی رہی تھی کہ اپنا بھی ہوش نہیں رہا تھا بغیر سلجھے بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹے مکسچے کپڑوں کے ساتھ وہ صرف گھر داری میں الجھی رہی گھر کے کاموں نے اسے اس قدر مصروف کر دیا تھا کہ اس کا رشتہ داروں کی تقریبات میں جانا بھی تقریباً ختم ہو کر رہ گیا چونکہ شادی دوسرے شہر میں ہوئی تھی اس لیے میکے بھی ہر آٹھویں روز جاتی تھی اس کے ہاں رواج کہ بیٹی شادی کے بعد ہر ہفتے کی ہفتے باپ کے گھر جمع بچوں کے رات تک کے لیے ٹھہرنے آتی تھی اس فضول رواج کی وجہ سے زرقون مصطفیٰ کو اپنے خاندان کی عورتوں سے سخت چڑ تھی الگ شہر میں رہائش کے باوجود بھی سحرش عالم ہر سنڈے کے سنڈے میکے جاتی ضرور تھی جس پر زرقون مصطفیٰ خوب پیچ و تاب کھاتا تھا دوسری طرف وہ سحرش عالم کے بدلتے ہوئے روپ کو دیکھتے ہوئے بھی اس سے بیزار ہوتا جا رہا تھا کہ عورت اگر خود سے لاتعلق ہو جائے اپنے سنگھار کا خیال نہ رکھے تو مرد بھی اس سے لاتعلق ہو جاتا ہے اکثر وہ اسے اس کی خود سے لاپرواہی پر خوب ٹوکتا تھا لیکن وہ ہزاروں جواز گھڑ کر بیٹھ جاتی۔

"کیا کروں زرق، بچوں سے اتنی فراغت ہی نہیں ملتی کہ خود پر توجہ دوں، پھر گھر کے سارے کام....." زرقون مصطفیٰ اس کے اس بہانے پر چڑ جاتا۔

"بھلا بال بنانے میں اور صاف کپڑے بدلنے میں کتنی دیر لگتی ہے؟ کیا دس گھنٹے لگتے ہیں جو تمہارے پاس یہ بہانہ ہو کہ ٹائم نہیں ہے..... خدا کے لیے سحرش کم از کم کپڑے تو چینج کر لیا کرو وہ بھی تو عورتیں ہیں جو گھروں کے کام بھی سنبھالتی ہیں اور باہر کے بھی، اور پھر بھی بن ٹھن کر رہتیں ہیں مجال ہے جو ان کے کپڑوں پر ایک شکن بھی آجائے اور ایک تم ہو کہ صبح اٹھ کر منہ تک نہیں دھوتیں پہلے گھر کے کاموں کی پڑ جاتی ہے....." وہ جھلاتے ہوئے بولا تھا۔ سحرش عالم کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

"تو پھر جاؤ، تم بھی کسی ایسی ہی خاتون سے شادی کر لو جو ہر وقت سج سنور کر تمہارے سامنے مجسمہ

بن کر بیٹھی رہے۔ اس گھر کے لیے اپنا وجود تک نظر انداز کر دیا اور یہ صلہ ملا کہ تمہیں دوسری عورتیں مجھ سے زیادہ اچھی لگنے لگی ہیں۔ اس کے ان الفاظ پر وہ دھواں دھار رونے لگی تھی وہ گھبرا کر اس کے قریب آبیٹھتا۔

"خدا کے لیے سحرش ایسے تو مت رو دو میں تو سمجھانے کی بات کر رہا تھا تمہیں کہ عورت کو گھر بچوں اور شوہر کے لیے اپنی ذات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے لیکن تم تو....." اس کے اس طرح رونے پر اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے۔

"اف خدایا.....!" تنگ آکر وہ اپنا سر پیٹ لیتا۔

سحرش عالم پر زرقون مصطفیٰ کی باتوں کا رتی برابر بھی اثر نہ ہوتا کہ وہ ان عورتوں میں سے تھی جو بس اپنے گھر کے لیے اپنی ذات کو وقف کر دیتی ہیں۔

آہستہ آہستہ زرقون مصطفیٰ اس کے وجود سے بالکل ہی لاتعلق ہوتا چلا گیا کہ مرد تو ویسے ہی رات دن ایک ہی ایک عورت کو دیکھ کر بیزار ہونے لگتا ہے ایک ہی ایک عورت کے ساتھ زندگی گزارتے اس کے منہ کا ذائقہ خراب ہونے لگتا ہے وہ ہر روز نیا ذائقہ چکھنا چاہتا ہے اسے دنیا کی ہر وہ عورت اچھی لگتی ہے جو اس کی بیوی نہیں ہوتی لیکن عورت اسی خوش فہمی کے ساتھ پوری عمر کاٹ دیتی ہے کہ اس کا شوہر اس سے دل و جان سے محبت کرتا ہے خواہ وہ جیسے بھی حلیے میں رہے۔

خواہ عورت شادی سے پہلے جتنی بھی حسین و جمیل ہو لیکن شادی کے بعد وہ مرد کے لیے باسی ہو جاتی ہے ایک ہی ایک ٹھہراؤ والی زندگی سے وہ بور ہونے لگتا ہے اور پھر اس کی نظریں ادھر ادھر بھٹکنے لگتی ہیں ایک کم صورت عورت بھی خواہ وہ شادی شدہ ہی کیوں نہ ہو اپنی حسین بیوی کے مقابلے میں اسے زیادہ الیٹریکٹ کرتی ہے یہی وجہ تھی کہ زرقون مصطفیٰ کا دل سحرش عالم سے بھرنے لگا تھا کچھ عرصہ سے وہ اس سے کھنچا کھنچا سا رہنے لگا تھا۔

وہ اس کی بے توجہی کئی روز سے نوٹ کر رہی تھی اب اس کی توجہ بچوں پر بھی زیادہ نہیں رہی تھی وہ اپنی ہی دلچسپیوں میں مگن رہنے لگا تھا راتوں کو دیر سے گھر آنا اس کا معمول بن گیا تھا ایک روز یونہی اپنے اطمینان کے لیے وہ اس سے پوچھ بیٹھی۔

"زرق آپ آج کل کہاں رہنے لگے ہیں؟ نہ ہی دن میں گھر زیادہ پر ٹھہرتے ہیں نہ رات کو.....!" اس کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ وہ جو صوفے پر آنکھیں بند کیے لیٹا تھا جھٹ سے اٹھ بیٹھا۔

"تو.....؟" وہ دھاڑا تھا وہ سہم کر بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"نہیں، میرا مطلب ہے کہ..... آپ نے تو بچوں کو بھی ٹائم دینا چھوڑ دیا ہے میں تو خیر کسی کھاتے میں ہی نہیں ہوں۔" شکوہ اس کی زبان پر آگیا وہ صوفے چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو تم کیا چاہتی ہے کہ میں چوبیس گھنٹے تمہیں آئینہ بنا کر بیٹھا دیکھتا ہوں، اپنے معمولات تبدیل کروں؟" اس کے لہجے میں اتنی بیزاریت تھی کہ اس کی آنچ اس کے وجود تک آرہی تھی۔

"نہیں لیکن.....!" اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے نکل گیا اس کے پیچھے دروازہ دھاڑ سے بند ہوا تھا وہ اپنی جگہ اچھل گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

آج کتنے عرصے بعد وہ خاندان کی کسی تقریب میں شریک ہوئی تھی منگنی کا فنکشن تھا گو کہ وہ بچوں کے بغیر آنا تو نہیں چاہتی تھی لیکن زرقون مصطفیٰ اسے زبردستی گھسیٹ کر لایا تھا بچوں کو بغل میں دبا کر چلنا وہ پسند نہیں کرتا تھا سو بچوں کو گھر پر آیا کے پاس چھوڑ دیا تھا۔

اسے یہاں لا کر وہ جیسے بالکل ہی بھول گیا تھا فنکشن کے اختتام تک وہ اس سے لاتعلق رہا تھا رنگ برنگی الٹرا ماڈرن لڑکیوں میں گھرا وہ خوب چہک رہا تھا خاص طور پر اپنی پھوپھی زاد سویرا حدید کی طرف اس کا جھکاؤ کچھ زیادہ ہی تھا شارٹ اسکرٹ، اونچے چت لڑاؤزر میں ملبوس گلے میں کپڑے کی دھجی ڈالے جب گہرے میک اپ سے بھرے چہرے کے ساتھ بلند

www.pkdigest.com

ویا لگ رہا تھا جیسے لگائی ہوئی وہ جیسے زرقون مصطفیٰ کے پہلو میں گھسی جا رہی تھی۔ کھانے کے بعد سب لوگ ہاتھوں میں کولڈ ڈرنگ اٹھائے کھڑے اس وسیع لان کے پر فضا ماحول میں گہری ہوتی رات کو جلتے بجھتے قمقموں کے ساتھ انجوائے کر رہے تھے۔

ان سب کے درمیان سحرش عالم خود کو بالکل تنہا محسوس کر رہی تھی حالانکہ اس کی ہم عمر خواتین اس سے مختلف موضوعات پر بے تکان بول رہی تھیں لیکن وہ ہوں ہاں سے زیادہ کچھ نہیں بول رہی تھی اس کی تو ساری توجہ سامنے کھڑے اپنے مجازی خدا کی طرف تھی بلیک ڈنر سوٹ میں اپنی بھرپور وجاہت کے ساتھ وہ ہاں موجود تمام مردوں میں نمایاں تھا وہاں موجود ہر لڑکی کی نظریں اس کے اس وجیہہ سراپے میں الجھ رہی تھیں خوبصورت تو وہ بھی کم نہیں لگ رہی تھی گو کہ شادی کے دس سالوں میں عورت کے حسن میں انیس بیس کا فرق تو آ ہی جاتا ہے لیکن آج بھی جب وہ خود کو سنوارتی تھی تو کوئی عورت تعریف کیے بنا نہیں رہ سکتی تھی۔ لیکن اسے جس کی ستائش کی ضرورت تھی۔ اس نے برسوں سے اس کی تعریف ہی کرنا چھوڑ دی تھی وہ ایک چھت کے نیچے ضرور رہتے تھے لیکن دل الگ الگ تال پر دھڑکتے تھے۔

گلابی جاجٹ کی کامدار ساڑھی پر لمبے سیاہ بال اس کی پشت پر بکھرے تھے ہلکے میک اپ میں بھی اس کا حسن آنکھیں چندھیانے کے لیے کافی تھا وہ جو ہمیشہ اپنے خوبصورت گھنے دراز بالوں کو پراندے میں مقید رکھتی تھی آج جانے کیا سوچ کر کھلے چھوڑ دیے تھے لیکن زرقون مصطفیٰ کے منہ سے اس کی تعریف میں ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا جس کے لیے عورت سنگھار کرتی ہے وہی اس کے وجود سے لاتعلق ہو جائے تو اس کے لیے دنیا کی ہر چیز بے معنی ہو جاتی ہے۔

رات دیر تک واپسی ہوئی تھی گھر آ کر وہ سیدھی اپنے بیڈروم میں آئی تھی اور چینج کرنے کے بعد بیڈ پر اوندھی گر گئی تھی اس وقت اسے نا صرف زرقون مصطفیٰ سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی بلکہ سویرا حدید سے بھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ اس کی سوتن بن بیٹھی ہو۔

اسے نہیں پتا زرقون مصطفیٰ کب بیڈ پر آیا تھا اسے نظر انداز کر کے وہ خاموش آنسوؤں کو اپنے سینے پر گراتی نیند کی وادیوں میں چلی گئی تھی صبح اٹھی تو زرقون مصطفیٰ کچن میں کھڑا ناشتہ بنا رہا تھا۔

"میں بنا دیتی ہوں۔" وہ رات کی تلخی بھلا کر آگے بڑھی تھی اس نے سختی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں تم اپنی نیند پوری کرو، میں خود بنا لوں گا۔" وہ درشت لہجے میں کہتا رخ موڑ گیا چند ثانیے وہ اس کے بدلے ہوئے لہجے پر غور کرتی رہی پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہاں سے چل دی۔

"آخر تم کیسے خوش رہ سکتے ہو زرقون مصطفیٰ؟ تمہیں گھر کا کام بھی پورا چاہیے اور سجی سنوری بیوی بھی، جو صرف تمہیں ٹائم دے صرف تمہاری خواہشات کا خیال رکھے...... آخر میں تمہاری خوشی کے لیے ایسا کیا کروں کہ......" بہت سی سوچیں اس کے ذہن کے پردے سے ٹکرا رہی تھیں۔

☆......☆......☆

بیڈ پر لیٹی نیم تاریکی میں بہت سی سوچیں لیے وہ چھت پر لگے ساکت پنکھے کو گھورے جا رہی تھی جب ڈور بیل کی زوردار آواز کے ساتھ وہ کرنٹ کھا کر اٹھی تھی۔

"آپ آج جلدی آ گئے؟" اس کے پیچھے بیڈروم میں داخل ہوتے ہوئے اس نے زرقون مصطفیٰ کے تھکے تھکے سے چہرے کو دیکھا تھا اس کی بات کو نظر انداز کر کے وہ سامنے پڑے صوفے پر پاؤں پسار کر لیٹ گیا تھا۔

"آپ اتنے ہاتھ لے لیں میں اتنی دیر میں کھانا گرم کر لاتی ہوں۔" اس نے دھیمے انداز میں کہا اور جانے کو مڑی تھی اس کے سپاٹ چہرے کے نظر پڑتے ہی وہ سمجھ گئی تھی کہ اس کی خاموشی کے پیچھے بہت بڑا طوفان چھپا بیٹھا ہے اسے جاتے دیکھ کر وہ جھٹ سے اٹھ بیٹھا تھا اور اس کی پشت پر لہراتے بالوں کو گہری نظروں سے دیکھا تھا آج اس نے نیلے کاٹن، کے بغیر شکن زدہ صاف ستھرے سوٹ میں ملبوس سحرش عالم کی

شخصیت کافی جاذب نظر اور نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔

"سنو!" زرقون مصطفیٰ کی آواز اس کے قدم روک دیے تھے وہ بل کھا کر پلٹی تھی اور حیرت سے اس کی گہری سرمئی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"کہیں جا رہی ہو تم؟" اس کے بنے سنورے سراپے پر ایک جھجکتی ہوئی نگاہ ڈال کر اس نے سوال کیا تھا ہلکے میک اپ سے مزین اس کا صاف شفاف چہرہ بہت پاکیزگی لیے ہوئے تھا وہ ٹپٹا گئی۔

"نہیں...... نہیں تو......" اس کی زبان لڑکھڑائی تھی۔

"ہوں......! اس نے معنی خیزی سے بھنویں اچکائی تھیں اور اس کے سراپے کو طنزیہ نگاہوں سے دیکھا تھا جیسے کہہ رہا ہوں تو پھر اتنی تیاری کیوں......؟

"یقیناً اتنی تیاری مجھے متاثر کرنے کیلئے کی گئی ہے کہ میں تمہاری طرف مائل ہو سکوں تمہیں سراہوں تمہاری پرستش کروں...... ہاں؟" اس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بہت ہی زہریلے لہجے میں کہا تھا وہ اپنے پورے وجود کے ساتھ جیسے شعلوں میں جلنے لگی گلابی رنگت یکدم ہی زرد پڑ گئی تھی وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ زرقون مصطفیٰ عورت اپنے مجازی خدا کے لیے تو اگر اس کا مجازی خدا ہی نہیں سراہے گا تو پھر کون اسے اس کی ذات کی اہمیت کا احساس دلائے گا لیکن زرقون مصطفیٰ کی آنکھوں میں لپکتے ہوئے شعلوں کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو بھر آتے تھے۔ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کے ساتھ پیچھے ہٹتے ہوئے وہ دیوار سے جا لگی تھی۔

"تم جیسی بوسیدہ، بے رنگ زنگ آلود عورت کو سراہوں گا میں؟" یہ کیسے سوچ لیا تم نے سحرش عالم...... کبھی تم نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا ہے تمہارے اندر کی تازگی و شگفتگی مر چکی ہے تم صرف اب دو بچوں کی ماں ہو اور کچھ نہیں...... کس کے لیے اتنا سنگھار کرتی ہو میرے لیے......

اونہہ...... تم صرف میری بیوی ہو اور بس اور بیوی بیوی ہوتی ہے محبوبہ نہیں جسے سراہنے کو دل چاہے، جس کی پرستش پر دل آمادہ ہو جسے پانے کی لے روح بے قرار ہو جائے...... وہ ہوتی ہے محبوبہ!" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا تھا وہ اس کے اتنا قریب آ چکا تھا کہ وہ اس کی گرم سانسوں کی حدت کو محسوس کر سکتی تھی۔

"کبھی تم نے سویرا حدید کو دیکھا ہے کتنی تر و تازہ اور زندگی سے بھرپور لگتی ہے وہ کھلتے گلاب کی طرح، کیا چارم ہے اس میں کیا باتیں کرتی ہے وہ ایک ایک لفظ دل میں اتر جائے کتنا سلیقہ ہے اسے زندگی گزارنے کا، کم از کم اسی سے ڈھنگ سیکھ لو زندگی گزارنے کا، لیکن کہاں تم اور کہاں وہ......"

اس نے استہزائیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"اسے حق ہے سجنے کا سنورنے کا...... ایسی ہی عورت ہوتی ہے سراہے جانے کے قابل، چاہے جانے کے قابل، پرستش کرنے کے قابل، نہ کہ تم جیسی باسی اور بوسیدہ عورت۔ جس کی زندگی صرف ایک نقطے پر منجمد ہے گھر شوہر اور بچے جس کی ذات زندگی کے رنگوں سے آشنا ہی نہیں جسے زمانے کے ساتھ چلنے کا ڈھنگ ہی نہیں آتا جس کے انداز گفتگو میں وہ لذت ہی نہیں جو مقابل کو سحر زدہ کر سکے...... جو ہر وقت اپنے لمبے گھنے بالوں کو چنڈوا اور جاہل عورتوں کی طرح کیچر میں پھنسائے پھرتی ہے جسے خبر ہی نہیں کہ کس چیز کا فیشن گیا اور آیا...... پر تمہارا کسی فیشن سے کیا تعلق؟ تم پر تو کوئی فیشن جچتا ہی نہیں۔" وہ ایک نفرت بھری نظر اس کے شکست خوردہ وجود پر ڈالتا کمرے سے نکلتا چلا گیا تھا جب کہ وہ اپنے گرتے ہوئے وجود کو سنبھالنے کی کوشش میں لڑکھڑاتے قدموں سے چلتی صوفے تک آئی صوفے کی پشت تھامتے ہوئے بہت سے آنسو اس کے ریشمی گالوں پر لڑھک آئے تھے اس لمحہ اس کے ساکت ہونٹ ہولے سے ہلے تھے۔

"کاش میں بھی کوئی شو پیس ہوتی سویرا حدید کی طرح......!"

☆☆☆

www.pkdigest.com

خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں

سمیرا ممتاز خان

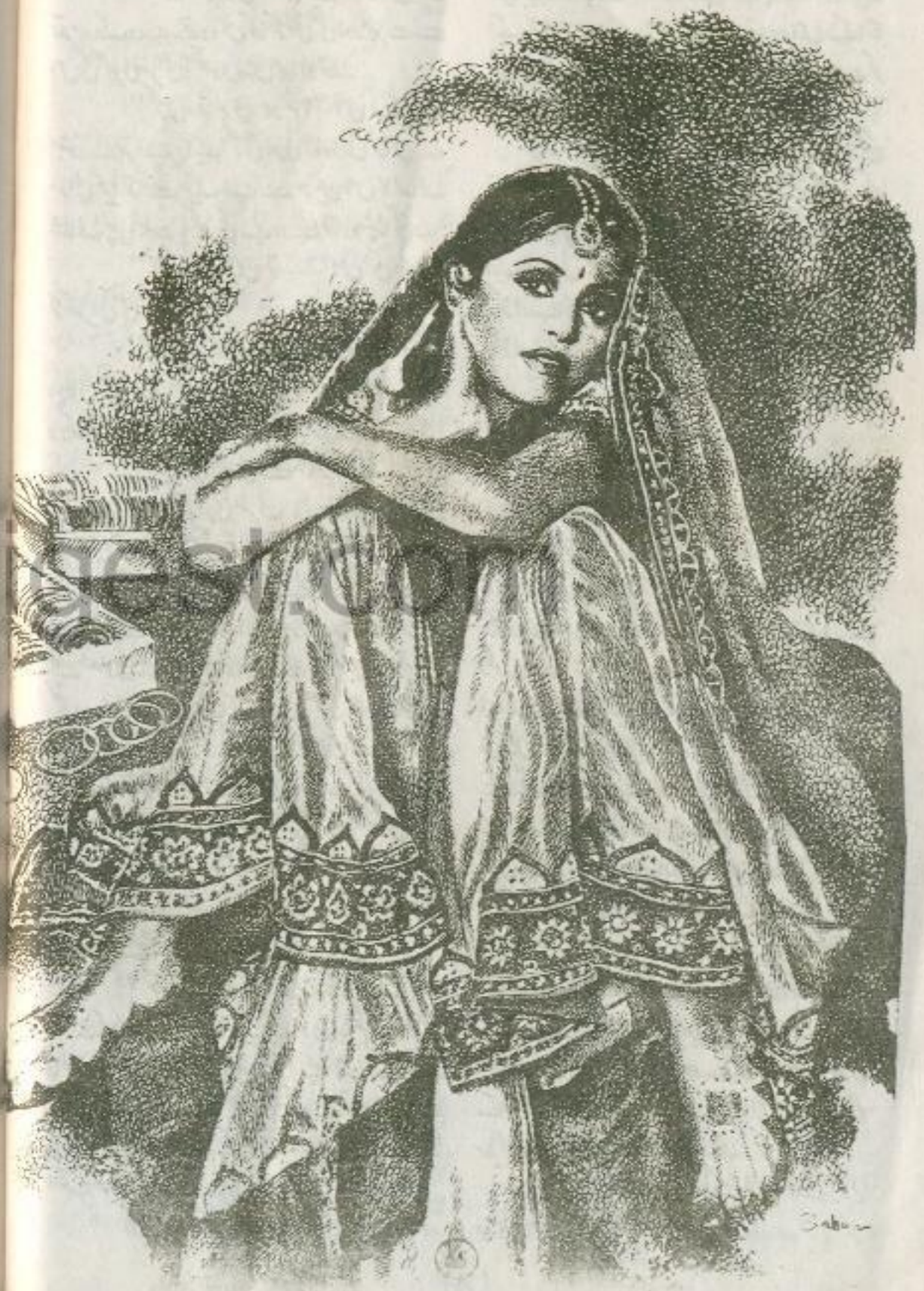

برستی بارش کی بوندوں کو اپنی ہتھیلی پر جمع کرتی وہ کچھ ملول اور افسردہ سی کھڑکی کے پٹ سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ یہ موسم ہمیشہ اسے اداس کر دیتا تھا۔

"واؤ از سو رومینٹک۔" مائرہ اس کے کندھے پہ دباؤ ڈالتی آگے کو جھکی وہ ابھی سو کر اٹھی تھی موسم کی تمام تر رنگینیاں اس کے چہرے پر سمٹ آئیں۔

زویا نے اس چہرے پر پھیلتے رنگوں کو دیکھ کر سوچا بھی وہ بھی ایسی ہر چھوٹی چھوٹی باتوں پر بے تحاشا خوش ہوا کرتی تھی۔

"چلو، بارش میں بھیگتے ہیں۔" وہ اس کا بازو کھینچنے لگی۔

"نہیں مجھے بارش میں بھیگنا اچھا نہیں لگتا کر میں دور سے ہی انجوائے کر لیتی ہوں۔" زویا نے صاف دامن چھڑاتے ہوئے رخ موڑ لیا اس کا بالکل موڈ نہیں ہو رہا تھا۔

"بور لڑکی۔" مائرہ نے منہ پھلا لیا۔

تبھی ڈور بیل کی آواز نے دونوں کو چونکایا۔

"اب اس وقت کون آ گیا لوگوں کو بھی نا، بالکل تمیز نہیں جب دل چاہا منہ اٹھا کر چلے آتے ہیں۔ میں نہیں جانے والی۔" وہ سرتاپا چادر اوڑھ کر پھر سے لیٹ گئی مگر تواتر سے بجی بیل پر اسے اٹھنا ہی پڑا تھا زویا تو رخ موڑے جانے کس مراقبے میں گم ہو چکی تھی۔

"تم۔" دروازہ کھولتے ہی اس کی آنکھوں میں بے تحاشا حیرت اندآتی۔

"چونک گئی نا۔" وہ مسکراتا ہوا اس کی حیرت یہ خاصا محظوظ ہوا تھا۔

"جانتی ہوں تمہیں کبھی بھی معزز مہمانوں کی طرح اطلاع دے کر نہ آنا آیا۔"

"یہ میرے نانا جان کا گھر ہے اور میں

مکمل ناول

---

www.pkdigest.com

یہاں خود کو ہرگز مہمان تصور نہیں کرتا۔" وہ ڈھٹائی سے کہتا اس کی ہمراہی میں چلتا لاؤنج کی سیڑھیوں پر رک گیا۔ بے دھیانی میں اوپر اٹھی نگاہ نے اس قدموں کے جیسے وہیں زنجیر کر دیا تھا۔

نیلی آنکھیں، گندمی رنگت گھنگریالے بالوں والی وہ لڑکی مگن سے انداز میں کھڑی اپنی پھیلی ہوئی ہتھیلیوں کی اوک میں، بارش کے قطرے جمع کرتی اس کے دل کا ساز چھیڑ گئی تھی۔

"اتنی معصومیت اتنی سادگی اور اتنی اداسی۔" اس کے من میں خیال آیا کہ اگر وہ اس منظر کو پینٹ کرے تو یقیناً یہ اس کی سب سے نایاب پینٹنگ ہوگی اسی وقت کوئی بھاری چیز اس پر آ گری تھی وہ چونکا مائرہ نے اس پر ٹاول پھینکا تھا۔

"اپنا سر پونچھ لو اور اندر آ جاؤ۔" وہ ایک گہرا سانس خارج کرتا لاؤنج میں چلا آیا۔

"یہ کیا کیا تم نے۔" اگلے ہی پل مائرہ اس کے سر پر کھڑی کڑے تیوروں سے اسے گھور رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" وہ بوکھلا گیا۔

"آج ہی میں نے کشن کور بدلے تھے تم نے صوفے پر بیٹھ کر سب گیلا کر دیا۔" وہ روہانسی ہو کر چلائی۔

"تو" وہ نہ صرف مزید پھیل کر بیٹھا بلکہ ایک کشن بھی اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا مائرہ کی تو پوری کر پوری آنکھیں ابل گئی تھی۔ فراز ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا۔

"اچھا بابا ٹھیک ہے جا رہا ہوں۔" ایک تو پانی سے بھیگے کپڑے اوپر سے لمبے سفر کی تھکان وہ جلد از جلد فریش ہونا چاہتا تھا۔ مائرہ نے تنتناتے ہوئے گیسٹ روم کا ڈور اس کے لیے کھول دیا۔

"مہربانی جناب۔" وہ ذرا سا اس کی جانب جھکتے ہوئے زیر لب مسکراتا اندر چلا گیا۔

"اسٹوپڈ، احمق بتمیز۔" وہ لاؤنج صاف کرتے دیر تک بڑبڑاتی رہی۔

سڑک کے اس پار بارش کے پانی میں چھلانگیں مارتے بچوں کو دیکھ کر بے اختیار اس کی آنکھ کی پتلیوں پر اک منظر روشن ہوا تو ایک ہلکی سی مسکان اس کے لبوں کو چھو کر ماضی میں گم ہو گئی۔

وہ بھی تو ایسے ہی بارش میں بھیگتے۔ جمپ لگاتے ایک دوسرے پر پانی پھینکا کرتے تھے کبھی کاغذ کی کشتیاں بنتی اور کبھی ریت کے گھروندے۔

"مائی گاڈ تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو۔ کچھ پکانے کا ارادہ نہیں ہے یا پھر آج آسمان سے بارش کے ساتھ من وسلویٰ اترے گا۔" مائرہ تیز آواز میں بولتی عین اس کے سر پر پہنچ چکی تھی۔

"مائرہ ان بچوں کو دیکھو۔" بچپن کتنا خوبصورت ہوتا ہے نا۔" اس کی نگاہیں ابھی بھی اسی منظر پر ٹکی تھیں وہ مائرہ کی بات ان سنی کرتے کھوئی کھوئی سی آواز میں بولی۔

"ہاں ہوتا ہوگا۔ میرا بچپن تو مت پوچھو کتنا بور تھا۔" مائرہ نے منہ بنایا۔

"ہر وقت تنہائی اور اکیلا پن مگر جب سے تم آئی ہو نا تب سے بہت مزہ آنے لگا ہے۔" مائرہ نے لاڈ سے اس کے گلے میں بازو ڈالے اور پھر یاد آنے پر کہ وہ کس کام سے آئی تھی اسے کھینچ کر نیچے لے آئی۔

☆.....☆.....☆

"جی پاپا میں خریت سے پہنچ ہوں گیا۔" اسے مائرہ کے ساتھ سیڑھیاں اترتے دیکھ کر اس نے مختصر سی بات کر کہ فون ڈس کنیکٹ کر دیا اور اب مکمل طور پر ان دونوں کی جانب متوجہ تھا۔

"زویا یہ فیضی ہے میری پھوپھو کا بیٹا، آج ہی لندن سے آیا ہے اور فیضی یہ میری بیسٹ فرینڈ ہے زویا۔" اس نے دونوں کے درمیان کھڑے ہو کر باقاعدہ تعارف کی رسم نبھائی۔

"اسلام علیکم۔" وہ مدھم لہجے میں سلام کرتی اس کا جواب سے بغیر کچن کی جانب چلی ہیں۔" اس نے گھر میں پھیلے سناٹے کو بری طرح محسوس کیا تھا اور زویا کی ہچکچاہٹ کو بھی۔

"ماما اور پاپا تو بڑے ماموں کے گھر گئے ہیں آج ان کی بیٹی علینہ آپی کی انگیجمنٹ تھیں شام تک واپس آ جائیں گے۔" وہ اس کے ساتھ چلتی صوفے پر آ بیٹھی تھی۔

"اور تم کیوں نہیں گئی۔"

"بس ایسے ہی موڈ نہیں تھا۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

"اور پھوپھو کی سناؤ ان کی طبیعت ٹھیک ہے نا، ایمان کیا کر رہی تھی۔"

"ہاں ماما ٹھیک ہیں اور کہہ رہی تھیں میری بھتیجی کو میری طرف سے پیار دینا۔" اور ساتھ ہی اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر مائرہ کے سر پر بڑے بوڑھوں کی طرح ہاتھ پھیرا جس پر وہ خشمگیں نظروں سے اسے گھورنے لگی تھی۔

"اور ایمان یونیورسٹی گئی تھیں تمہیں سلام بھیجا ہے اس نے۔" وہ بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کرتا بولے جا رہا تھا۔ پھر اسے نانا جان کا خیال آیا۔

"دادا جان سو رہے ہیں اب انھیں ڈسٹرب کرنے نہ چل پڑنا۔" مائرہ نے اس کا ارادہ دیکھ کر واپس بٹھایا اور خود کچن میں چلی آئی۔ جہاں زویا بریانی تیار کر رہی تھی۔

کچن کے دروازے سے اس نے مڑ کر دیکھا وہ صوفے پر نیم دراز بازوؤں کے حصے میں کشن دبائے آنکھیں موندے لیتا تھا دل اس کی وجاہت کا قائل ہو گیا۔

"کیسا لگا تمہیں میرا کزن؟" وہ زویا کے قریب آ کر اشتیاق سے بولی۔

"پتہ نہیں۔" اس نے لاعلمی سے شانے اچکائے جس پر مائرہ اپنی جگہ تپ کر رہ گئی۔

"مس زویا اپنے تصور جاناں سے نکل کر باہر ہی دیکھنے کی زحمت اگر آپ گوارہ کریں

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب 135/-
خمار گندم 200/-
دنیا گول ہے 225/-
آوارہ گرد کی ڈائری 200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں 200/-
چلتے ہو تو چین کو چلئے 130/-
نگری نگری پھرا مسافر 175/-
خط انشاجی کے 200/-
بستی کے اک کوچے میں 165/-
چاند نگر 165/-
دل وحشی 165/-
آپ سے کیا پردہ 250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو 200/-
انتخاب کلام میر 160/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

لطیف نثر 160/-
لطیف غزل 120/-
لطیف اقبال 120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اُردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321690-7310797

www.pkdigest.com

تو آپ کو احساس ہو کہ دنیا کس قدر حسین و رنگین ہے۔"

"مگر جس کی پوری دنیا ہی ایک شخص سے وابستہ ہو جائے وہ اور کیا دیکھے گا۔" وہ اس کی خفگی پر مسکرا کر بولی۔

"ہیلو گرلز، کیا بن رہا ہے۔" وہ کچن کے دروازے میں آ کھڑا ہوا۔

"بریانی، سیلڈ اور رائتہ۔" مائرہ نے اطمینان سے بتایا۔

"بس۔" وہ اپنی جگہ اچھل کر رہ گیا۔

"بھئی اگر تم مہمان ہوتے تو ہم کچھ اہتمام بھی کرتے۔" وہ مزے سے کھیرے کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے کچر کچر کھانے لگی۔ دادا جان اس وقت سو کر اٹھے تھے فیضان ان سے ملنے لگا تو مائرہ نے اس کی حالت زار پہ ترس کھاتے ہوئے اور کچھ دادا جان کا لحاظ کم کہ مینیو میں شامی کباب اور فیرنی کا اضافہ بھی کرلیا تھا۔

☆.....☆.....☆

"زویا جائے لیکر بیڈ روم میں آجانا میں جارہی ہوں۔" مائرہ نے کچن میں جھانک کر کہا اور کھٹ کھٹ کرتی سیڑھیاں چڑھ گئی۔ وہ دادا جان، آئی اور انکل کو رات کی چائے دے کر اپنے اور مائرہ کے لیے کپوں میں ڈال رہی تھی جب وہ کچن میں چلا آیا۔

"آپ چائے لیں گے؟" زویا نے اسے چائے کی جانب دیکھتے پا کر پوچھ لیا۔

"میں چائے نہیں پیتا ہاں اگر ایک کپ کافی مل جائے تو۔" وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر دوستانہ انداز میں بولا جبکہ کافی کی فرمائش پر وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔

"اگر آپ کا موڈ نہیں ہو رہا تو رہنے دیں۔" وہ اس کے انداز پر مایوسی سے گویا ہوا۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔" وہ جلدی میں بول گئی۔

"وہ اصل میں مجھے کافی بنانا نہیں آتی۔" ہچکچاتے ہوئے وہ یوں بولی جیسے کسی جرم کا اعتراف کر رہی ہو وہ اس کی معصومیت پر بے ساختہ ہنس پڑا۔

"چلیں کوئی بات نہیں آج میں چائے ٹیسٹ کر کے دیکھتا ہوں۔" وہ ایک کپ اٹھا کر چلا گیا زویا اس کی پشت کو گھور کر رہ گئی۔ اب کہاں اپنے لیے پھر سے بنانے کا تردد کرتی مائرہ کا کپ اٹھا کر اوپر آ گئی۔

"تمہارا کپ کہاں ہے؟"

"میں پی آئی ہوں۔" وہ تسلی سے جواب دیتی اس کے پہلو میں لیٹ گئی۔ باہر خوشگوار ہوا چل رہی تھی بارش نے آج ہر چیز کو دھو کر نکھار دیا تھا آج پورے چاند کی رات تھی ہر چیز چاندنی کا پیراہن اوڑھے کس قدر روشین اور دلکش لگ رہی تھی کسی سحر انگیز لمحے نے چپکے سے اس کا دامن کھینچا اور وہ جیسے کھو سی گئی۔

رات کھانے کے بعد وہ حسب عادت چھت پر واک کر رہی تھی جب اس نے کسی کو چھت کی دیوار پھلانگ کر اپنے قریب آتے دیکھا۔

"شہریار تم۔" وہ اسے سامنے دیکھ کر بوکھلا سی گئی۔

"شش۔" وہ اس کے لبوں پر اپنی انگشت انگلی رکھ کر اسے کھینچا ہوا دیوار کے پاس لے گیا۔

"اب بیٹھ بھی جاؤ۔" دو اینٹوں کو برابر رکھتے ہوئے اس نے زویا کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی اور خود نیچے زمین پر ما کر بیٹھ گیا۔

زویا نے میکانکی انداز میں اس کی ہدایات پر عمل کیا۔

اب وہ شاپر سے چاکلیٹ کیک کا ڈبہ نکال رہا تھا پھر اس نے ٹراوزر کی جیب سے موم بتی نکالی اور شرٹ کی بیرونی پاکٹ سے ماچس۔ اگلے ہی لمحے وہ کیک پر موم بتی سجا کر اسے روشن کر چکا تھا۔

"چلو بھئی جلدی سے کیک کاٹو۔" شہریار

نے اس کے سامنے ہاتھ ہلایا تو وہ جیسے ہوش میں آئی۔

"شہری تم..... کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی، اگر کسی نے دیکھ لیا تو۔"

"پلیز یار بور مت کرو۔" وہ اس خفگی کو خاطر میں لائے بغیر منہ بناتے ہوئے بولا۔

"مم، مجھے ڈر لگ رہا ہے میں جا رہی ہوں۔" وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کوئی نئی بات نہیں ہے۔" مگر شہریار نے اس کا ہاتھ کھینچ کر واپس بٹھایا۔

"تم جانتی ہو اس کو کاٹ کر کھائے بغیر تم نہیں جا سکتی تو جلدی کرو۔" ہوا کر جھونکے پر شمع پھڑ پھڑا کر بجھ چکی تھی وہ اسے دوبارہ روشن کرتے ہوئے۔ شانے اچکا کر بے نیازی سے بولا جس پر وہ اسے گھور کر رہ گئی تھی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔" وہ اس کے کان میں گنگنایا چمکتی چاندنی رات میں وہ اس کے قریب بیٹھا وہ لمحے کتنے حسین تھے چاند نے رک کر کچھ پل انہیں دیکھا اور پھر اپنے سفر پر چل پڑا۔

"زویا کیا تمہارا شہریار بہت خوبصورت ہے؟" مائرہ نے کچھ خیال آتے ہی استفسار کیا۔

"ہاں بالکل اس چاند جیسا۔" اس کی نظریں ہنوز چاند تکتی تھیں۔

"مگر مجھے تو چاند میں کچھ نہیں آ رہا۔" وہ شرارت مسکرائی۔

"جب تمہیں کسی سے محبت ہو جائے گی نا، پھر تمہیں بھی چاند میں کچھ کچھ نظر آنے لگے گا۔" زویا نے کہتے ہی سر تا پا چادر اوڑھ لی اس نے کچھ الجھ کر چاند کو دیکھا۔

"کچھ ملا۔" کچھ دیر بعد زویا نے چادر سے سر باہر نکالا اور وہ اس کے بیوقوف بنانے پر سلگ کر رہ گئی۔

☆.....☆.....☆

صبح آنکھ کھلنے پر اس نے آنکھیں مسلتے ہوئے والی کلاک کی جانب دیکھا جس پر چار بج رہے تھے وہ ایک بھرپور انگڑائی لے کر اٹھ کھڑی ہوئی ساتھ ہی اس نے گہری نیند میں ڈوبی مائرہ کو بھی جھنجھوڑ کر جگایا۔

"اٹھو اور نماز پڑھ لو۔" وہ کچھ دیر کسلمندی سے لیٹی رہی پھر زویا کو وضو کر کے واش روم سے نکلتے دیکھا تو جھٹ سے بستر چھوڑ دیا۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ تسبیح لے کر کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی سحر کی ٹھنڈی خوشگوار ہوا کا جھونکا اسے روح تک سیراب کرتا گزر گیا اس نے دو تین لمبے لمبے سانس لیے ..... سورج ابھی مکمل طور پر بیدار نہیں ہوا تھا۔ زویا کو لگا جیسے وہ نیم وا آنکھوں سے جھانک رہا ہو۔

وہ کچھ دیر وہیں رک کر مائرہ کی نماز سے فراغت کا انتظار کرتی رہی اور جب مڑ کہ دیکھا تو وہ سر تا پا چادر تانے مکمل طور پر نیند کی وادیوں میں اتر چکی تھی۔

"اسٹوپڈ۔" زویا کو جی بھر کہ غصہ آیا کتنے دنوں سے دونوں سوچ رہی تھیں کہ صبح صبح واک پر جایا کریں گی اور روز ہی وہ سو جاتی تھی وہ بھنائی ہو نیچے لان میں چلی آئی۔

"ہیلو گڈ مارننگ۔" فیضی نے اس کو آتے ہوئے ہاتھ ہلایا تو جواباً اسے بھی ایک پرتکلف مسکان کا تبادلہ کرنا ہی پڑا۔

"آپ یہاں واک کر رہی ہیں آیئے نا کہیں باہر چلتے ہیں۔" اس قدر بے تکلفی بھرا انداز زویا کو ہضم نہیں ہوا تھا وہ تو ایسے بی ہیو کر رہا تھا جیسے اس کا کوئی دیرینہ رشتے دار ہو۔

"شکریہ میں یہیں ٹھیک ہوں۔" وہ رکھائی سے کہتی وہاں رکنے کی بجائے اندر لاؤنج میں چلی آئی۔

وہ جانتی تھی شہریار اس معاملے میں کس قدر کنزرویٹو ہے اسے بہت محتاط ہو کر رہنا تھا۔

مائرہ کو آواز دے کر اس نے کچن کا جائزہ لیا آج انکل اور دادا جان گھر میں ہی تھی

www.pkdigest.com

اور ناشتے میں سب نے قیمہ بھرے پراٹھوں کی فرمائش کی تھی۔

مائرہ کچن کے دروازے میں استادہ دادا جان کو با آواز اخبار پڑھ کر منا رہی تھی اور سامنے صوفے پر بیٹھا فیضی یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا جیسے دنیا میں اس سے ضروری کوئی کام نہ ہو۔

زویا اس کی نظروں کے ارتکاز کو محسوس کرتی دوبارا اپنا ہاتھ جلاپاتھا لیکن اس کے دیکھنے پر وہ کمال مہارت سے نظروں کا زاویہ بدل جاتا تھا۔

"مائرہ ناشتہ ٹیبل پر لگا دو۔" کچھ دیر بعد اس نے مائرہ کو آواز دی اور خود وہیں کھڑے کھڑے ناشتہ کرلیا۔ اسے فیضان حسن کی خود پر جمی نظروں سے الجھن ہونے لگی تھی۔

"زویا بیٹا اب تم بھی آجاؤ۔" دادا جان کو کہا چین تھا اس کے بغیر مسلسل اسے آوازیں دے رہے تھے۔

"دادا جان میں نے ناشتہ کرلیا ہے۔" اس نے وہیں سے مطلع کیا۔

"بیٹھو اور میرے سامنے کھاؤ۔ دن بدن اتنی ویک ہوتی جارہی ہو بالکل اپنی ڈائیٹ کا خیال نہیں رکھتی۔" وہ ڈپٹتے ہوئے بولے تو اسے بیٹھا ہی پڑا۔

"فیضان تم اور لو نا۔" آنٹی کی ساری توجہ فیضی کو ناشتہ کروانے کی جانب تھی۔

"ہاں پھوپھو کیوں نہیں۔" تابعداری کا عظیم مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے ایک اور پراٹھا اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھ لیا۔

"دادا جان پراٹھے بہت لذیز ہیں نا۔" فیضان حسن نے براہ راست اس کی آنکھیں میں جھانکتے دادا جان سے رائے طلب کی۔

"ہاں بھئی یہ اپنی زویا کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے۔" دادا جان نے چائے کا گونٹ بھرتے ہوئے سادگی سے کہا جس پر مائرہ نے منہ پھلا لیا۔

"اور میں کہاں گئی۔"

"تم نے کبھی کچھ بنایا ہے۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرائے جس پر مائرہ کی آنکھیں پھیل گئیں حیرت کے باعث نہیں صدمے کے باعث کہ دادا جان کو اس کی کارکردگی تو کبھی نظر ہی نہیں آتی تھی۔

"پوچھ لیں زویا سے آج پراٹھے بنوانے میں، میں نے اس کی کتنی ہیلپ کروائی ہے۔"

"جی دادا جان پراٹھوں کو گھی مائرہ نے ہی لگایا ہے۔" زویا کا انداز شرارتی تھا سب بے ساختہ ہنس پڑے مائرہ نے زور سے اس کے بازو پر چٹکی کاٹی تو وہ بے ساختہ کراہ کر رہ گئی۔

"دادا جان کے سامنے میری ٹانگ کھینچنا ضروری تھا۔" سب کے اٹھ جانے کے بعد وہ اس سے لڑی۔

"بے حد۔" وہ برتن سمیٹتے ہوئے دلکشی سے مسکرائی۔ تو فیضان نے اپنے تیزی سے رھڑکتے دل پر بے ساختہ ہاتھ رکھا۔ وہ یہاں کس کام آیا تھا تو یاسب بھول بال کر ہمہ وقت اس کے خیالوں میں گم رہنے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

"مائرہ یہ ہینڈسم کون ہے؟" انجم نے فیضان کو دیکھتے ہی دریافت کیا ہے نیچے لان میں بیٹھا تھا۔

"میرا کزن ہے۔" وہ پیسی کا سپ لیتے ہوئے بولی۔

"ارے یار کتنا سویٹ ہے۔" سلینہ نے اک ٹھنڈی آہ بھری۔

"اتنا بھی نہیں۔" مائرہ نے بے نیازی سے سر جھٹکا۔

"اتنے اور کتنے کو چھوڑو، سویٹ تو ہے نا۔" میرین نے ایک آنکھ میچتے ہوئے شرارت سے کہا تو تینوں کا قہقہ بے ساختہ تھا۔ تینوں مائرہ کی یونیورسٹی فرینڈز تھیں اپر کلاس فیملی کی انتہائی شوخ وچنچل اور بے باک اس کی یہ دوستیں زویا کو کچھ خاصی پسند نہیں تھیں۔

"ویسے مائرہ میں سوچ رہی ہوں اگر تمہیں اس کے ساتھ کھڑا کردیا جائے تو تم دونوں کا کپل کیسا لگے گا۔" انجم کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"ہارٹ فیورٹ، ایکسی لنٹ، بیوٹی فل۔" میرین نے چشم تصور میں دونوں کو ساتھ دیکھ کر وکٹری کا نشان بنایا۔

"بکو نہیں تم دونوں۔" وہ جھینپ سی تھی۔

"تم کچھ بھی کہو ہم نے اسے اپنا جیجا جی مان لیا ہے۔" سلینہ نے پیسی کا خالی ٹن باسکٹ میں پھینکتے ہوئے ہاتھ جاڑے۔ مائرہ نے سر زمین دل پر کسی کے قدموں کی آہٹ کو بے حد واضح محسوس کیا۔

"کون ہے یہ جو شہر دل کے گلیوں میں دبے پاؤں چلتا ہے۔" اس نے آنکھیں بند کر کر جیسے اسے محسوس کرنے کی کوشش کی تو فراز حسن کا سراپا اپنی تمام تر دجاہتوں سمیت اس کی آنکھوں میں اتر آیا تو اس نے بوکھلا کر آنکھیں کھول دیں۔

ان دونوں کی توپوں کا رخ اب میرین کی جانب مڑ چکا تھا کہ وہ اپنے تینوں بوائے فرینڈز میں سے شادی کے لیے کسے سلیکٹ کرنے والی ہے۔

☆.....☆.....☆

وہ آفس میں بیٹھا تھا مگر اس کا کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا وہ اس کے تصور کو ذہن سے جھٹک کر فائل کھولتا تو کاغذوں میں اس کا چہرہ بن جاتا، کمپیوٹر کے سامنے جا کر بیٹھتا تو وہ اسکرین پر ابھر آتی۔ وہ آج اسے دیکھو بھی تو نہیں پایا تھا۔ وہ ناشتے کی میز پر بھی آئی تھی اور کتنی حیرت کی بات تھی کہ وہ جو اسے ہر جگہ دکھائی دے رہی تھی پھر بھی دل اس سے ملنے کو آنکھیں اسے دیکھنے کو ترس رہی تھیں۔

مسلسل بجتے موبائل کی رنگ ٹیون پر اس نے دھیانی میں لیں کر کہ سیل کاٹن سے لگالیا۔

"ہاں جی مائی سن کیسے ہو۔" دوسری جانب مرتضیٰ قریشی تھے۔

"ٹھیک ہوں پاپا۔" وہ یکدم سیدھا ہو بیٹھا۔

"ماما اور ایمان کیسی ہیں؟"

"اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک ہیں اور تمہیں بہت یاد کرتی ہیں۔"

"میں بھی آپ سب کو بہت مس کر رہا ہوں۔" وہ اداسی سے بولا۔

"اچھا بھئی اور سناؤ اپنا پروجیکٹ کہاں تک پہنچا ہے۔" وہ اصل موضوع کی جانب آئے۔

"آپ کے پروجیکٹ پر ابھی کام شروع نہیں کیا ہاں ایک پروجیکٹ ماما نے بھی مجھے دیا تھا وہ تو مکمل ہوگیا سمجھ لیں۔" وہ شرارت سے گویا ہوا۔

"زرینہ کا کیسا پروجیکٹ؟" مرتضیٰ صاحب حیرت سے گویا ہوئے وہ اس کی بات کا مفہوم نہیں سمجھے تھے۔

"اپنی بیوی ڈھونڈنے کا۔" وہ کہہ کر خود ہی ہنسا۔

"یہ شہریار آیا ہے اس سے بات کرلو، میں تم سے پھر بات کروں گا ابھی ایک اہم میٹنگ میں جانا ہے دیر ہوجائے گی۔" وہ شاید کافی عجلت میں تھے ریسیور شہریار کو تھما کر خود آفس سے باہر نکل گئے۔

"تو مل گئی تمہیں تمہاری ڈریم گرل، یہاں لندن میں تو جناب کو کوئی پسند نہیں آتی تھی۔" شہریار نے چھوٹتے ہی استفسار کیا۔

"ابے گامڑ، جب وہ اسلام آباد میں تھی تو مجھے لندن میں کیسے پسند آجاتی۔" فیضی نے اسے لتاڑا۔

"اچھا چلو بتاؤ کیسی ہے وہ؟" اس نے فورا نرم انداز اختیار کیا۔

"ایسا لگتا ہے جیسے کائنات کا سارا حسن سمٹ کر اس میں سما گیا ہے۔ بہت سادہ معصوم اور

www.pkdigest.com

اداس آنکھوں والی وہ لڑکی اتنی پرکشش ہے کہ اسے دیکھ کر میں پلکیں جھپکنا بھول جاتا ہوں۔"

"تم تو گوڈے گوڈے ڈوب چکے ہو۔" شہریار نے اس کھوئے کھوئے سے انداز پر دل کھول کر قہقہہ لگایا تھا۔

"گوڈے گوڈے نہیں سر تک اور مجھ سے تو اب سانس لینا بھی دشوار ہو چکا ہے کچھ کرو یار۔" اس نے دوہائی دی۔

"میں کیا کروں جو کرنا ہے تمہیں ہی کرنا ہے اچھا یہ بتاؤ معاملہ تو دو طرفہ ہے نا۔"

"پتہ نہیں۔" اس نے اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے کرسی کی پشت سے سر ٹکا دیا اسے زویا کا وہ گریز پا انداز یاد آ گیا تھا وہ جب بھی اسے دیکھتی اس کے تھے تھے پر ایک ادھ بل تو ضرور ہی پڑ جاتا تھا۔

"کیا مطلب؟" اس آدھے ادھورے جواب پر وہ بھنا اٹھا۔

"تم نے ابھی تک اپنے جذبات کا اظہار نہیں کیا۔" شہریار نے بے یقینی سے استفسار کیا۔

"نہیں اور لگتا ہے کروں گا بھی نہیں۔"

"کیوں؟" شہریار نے تعجب سے پوچھا۔

"میں اس سے معمولی عام روٹین کی کوئی بات کرتے ہوئے اتنا نروس ہو جاتا ہوں کجا کر محبت کا اظہار، وہ کوئی عام سی لڑکی نہیں ہے۔ جس سے جو منہ میں آیا بول دیا وہ اپنے مخاطب کو اتنی اجازت ہرگز نہیں دیتی کہ اس کی ذاتیات میں اتر جائے یا پھر اس سے وابستہ اپنی ہی کوئی فیلنگ شیئر کی جا سکے۔" اس نے کچھ جھنجھلا کر وضاحت دی اور گہری سوچوں میں غرق ہو گیا۔ شہریار نے کچھ دیر اس کے بولنے کا ویٹ کیا اور پھر آہستگی سے ریسیور رکھ دیا۔

☆.....☆.....☆

آدھی رات کے قریب اس کی آنکھ کھلی تو کمرے کی حبس زدہ فضا میں اس کا دل گھبرانے لگا لائیٹ نہ جانے کب کی جا چکی تھی اور اب اے سی والا کمرہ جلتے تنور کی مانند دھک رہا تھا اس نے اٹھ کر کرٹین ہٹائے اور کھڑکیاں کھول دیں باہر ٹھنڈی خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔

موتیا کی باڑ کے اوپر بے شمار جگنو چمکتے دکھائی دیئے۔

"شہریار وہ دیکھو جگنو۔" وہ جگنو دیکھ کر مچل اٹھی۔

"تو میں کیا کروں۔" وہ بھنا اٹھا گویا اس کی بات کی تو کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔

"پکڑ کر لاؤ۔" وہ گھنٹہ بھر سے کیا بک رہا تھا زویا نے مکمل ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

"وہ جھاڑیوں کے اندر چلا گیا ہے وہاں سے کیسے لے کر آؤں۔"

"مجھے نہیں پتہ بس لا کر دو۔" وہ ضدی پن سے بولی تو وہ اٹھ کر چلا ہی گیا پندرہ منٹ میں وہ جگنو پکڑنے میں کامیاب ہوا تھا۔

"یہ لو۔" زویا اس کے ساتھ بچوں کی طرح کھیلنے لگی تھی شہریار اسے دیکھتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ "صبح کہہ رہی تھی تم اتنی جلدی ہماری شادی نہیں ہو سکتی۔"

"کیا مطلب؟" وہ ٹھٹکی

"ابھی تو تمہارے کھیلنے کے دن ہیں کھیلو اس جگنو کے ساتھ۔" اسے پھر سے تپ چڑھی تھی۔

"اتنے خفا کیوں ہو رہے ہو تم بھی کھیل لو نا۔" وہ جگنو اس کے سامنے کرتے ہوئے معصومیت سے بولی۔

"زویا کی بچی۔" شہریار نے دانت کچکچائے تو وہ زور سے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"یہ کمرے میں اتنی گرمی اور حبس کیوں ہے؟" مائرہ کی جھنجھلائی ہوئی آواز اس کی پشت سے ابھری وہ ابھی مکمل طور پر بیدار نہیں ہوئی تھی زویا نے اپنے تصور سے چونک کر اسے دیکھا۔

"لائیٹ بند ہے۔"

"تو جنریٹر آن کیوں نہیں کیا۔" وہ بالوں کو کیچر میں جکڑتی سیدھی ہو بیٹھی۔

"سب سو رہے ہیں جاؤ تم جا کر آن کر دو۔" زویا نے اسے بتایا اور پھر سے جگنوؤں کو دیکھنے لگی ابھی بھی اس کا دل چاہا کہ وہ سارے جگنو پکڑ کر اپنے مٹھی میں بند کر لے۔

"اف نیچے کتنا اندھیرا ہے تم آؤ میرے ساتھ۔" وہ سیڑھیوں میں جا کر واپس پلٹ آئی تھی زویا ناگواری سے اسے گھورتے ہوئے اس کے ساتھ چلی آئی جن جنریٹر آن کرنے کے بعد زویا کا سیل فون اور ڈور بیل ایک ساتھ بجے تھے۔

شہریا کالنگ دیکھ کر زویا نے فوراً کال ریسیو کی تھی۔ مائرہ نے انٹر کام سے پوچھا تو معلوم ہوا فیضان صاحب دروازے پر دستک دے رہے ہیں۔

"تمہیں پتا ہے بارہ بج رہے ہیں تم کہاں سے آوارہ گردی کر کے آ رہے ہو۔"

"آفس میں بہت کام تھا تم پلیز ایک کپ چائے بنا دو بہت تھک گیا ہوں میں آج۔" وہ وہیں لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

"مگر تم تو چائے نہیں پیتے۔" مائرہ کچن کے دروازے سے واپس پلٹی تھی۔

"او..... ہاں وہ کافی بنا لاؤ۔" وہ سٹپٹا کر رہ گیا ایک بار اس کے ہاتھوں سے چائے پی تھی اور اب یہ حال تھا کہ چائے سے اچھا کوئی مشروب نہیں لگتا تھا اب بھی وہ اپنی خواہش کو دبا گیا۔

"سو رہی تھی۔" دوسری طرف شہریار اس سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں تمہیں یاد کر رہی تھی آج پھر ہمارے لان میں جگنو آئے ہیں تو بس وہ لمحے یاد آ گئے۔" زویا کی ہنسی بے ساختہ تھی اور اس نے جس طرح جھاڑیوں میں گھس کر بمشکل اس جگنو کو پکڑا تھا شہریار کو اپنی وہ مشقت یاد آنے پر خود بھی بہت ہنسی آئی تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ کیسے ہو؟"

"تمہارے بغیر بہت ادھورا۔" وہ اداسی سے بولا۔

"تو لوٹ آؤ نا۔" وہ جیسے تھک کر بولی۔

"تمہارے پاپا سے کیا ہوا وعدہ مجھے لوٹ کر آنے نہیں دیتا۔"

"جو لوگ رہے نہیں ان سے کیے وعدہ کی پاسداری میں مجھے کیوں سزا دے رہے ہو۔" زویا کی آواز میں گویا یاسیت گھل گئی تھی اور آج شہریار کے پاس اسے دینے کے لیے امید کا کوئی جگنو نہیں تھا۔

"تم وہاں ڈالر کمانے میں لگے رہو اور میں یہاں تمہاری یاد میں گھل گھل کر ایک دن مر جاؤں گی۔" اس نے خفگی سے کہتے ہوئے سیل آف کر دیا۔ اس کی سوچوں کے دھارے مخالف سمت بہنے لگے تھے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ماضی میں گم ہوئی۔

☆.....☆.....☆

سوہا نے ایک جھٹکے سے اس پر سے لحاف کھینچا۔ جس پر اس نے ناگواری سے سوہا کی جانب دیکھا مگر مجال ہے جو اس نے زویا کی نظروں کو خاطر میں لایا ہو وہ مزے سے اپنا استری شدہ یونیفارم اٹھا کر ڈریسنگ روم میں گھس ہوئی تھی مگر جاتے جاتے اس کی توجہ وال کلاک کی جانب مبذول کروانا نہیں بھولی تھی۔

"پونے آٹھ۔" وہ اپنی جگہ اچھل کر رہ گئی ساری سستی کاہلی منٹوں میں اڑ چھو ہو چکی تھی۔ گرم گرم لحاف اس نے ایک جھٹکے سے دور ہٹایا اور فٹافٹ اپنا یونیفارم استری کرنے لگی۔ اگلے پانچ منٹ میں وہ بالکل تیار ناشتے کی میز پر تھی ناشتہ تبھی اسے نے برائے نام ہی کیا تھا اور جلدی سے بیگ کندھے پر لٹکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ دودھ کا گلاس خالی کرو۔" ماما نے

www.pkdigest.com

ضائع کرنے کی بجائے خاموشی سے مگر جلدی جلدی گلاس خالی کیا۔ سوہا کو ماما سے دو چٹیا بنوانے کا خیال بھی اب آیا تھا۔

"سوہا جلدی کرو۔" اسے دیر ہو رہی تھی آج پہلے پیریڈ میں اس کا کمسٹری کا ٹیسٹ تھا۔

"اب چٹیاں تو بنوا لینے دو۔" آج کل کالج میں دو چوٹیوں کا ٹرینڈ چل رہا تھا۔

"تم بنواتی رہو میں جا رہی ہوں۔" وہ بیرونی گیٹ کی سمت مڑی۔

"ہائے ماما روکیں اسے۔" اس نے منہ پھلایا۔

"زویا بہن کو ساتھ لے کر جاؤ۔" ماما کی بجائے پاپا کی آواز آئی تو اسے ناچاہتے ہوئے بھی رکنا پڑا۔ باہر دھند کی دبیز چادر نے ہر منظر کو اپنی اوٹ میں چھپا رکھا تھا۔

دہلیز سے قدم باہر رکھتے ہی یخ بستہ ہواؤں نے شریانوں میں دوڑتے خون کو منجمد سا کر دیا تھا۔ "اف کتنی سردی ہے۔" اس نے فائل بغل میں داب کر دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑا۔

"واؤ از سو رومینٹک سیزن۔" سوہا گول گول گھومتے ہوئے مسکرائی۔

"تم ہر وقت میرا ٹمپریچر کیوں ہائی رکھتی ہو۔" زویا کو اس کی الٹی سیدھی حرکتیں ایک آنکھ نہیں بھائی تھیں۔

"تاکہ تمہیں سردی کا احساس کم ہو۔" وہ خود ہی اپنی بات کا مزہ لیتے ہوئے زور سے ہنسی۔

"ایک تو اس کی قلقل کرتی ہنسی۔" اس نے مڑ کر اس کے سر پر فائل ماری اور واپس پلٹتے ہوئے ایک موٹر سائیکل سے بری طرح ٹکراتی۔ شکر تھا موٹر بائیکل کی رفتار کم تھی اسے لگی تو نہیں لیکن اس کی فائل دور جا گری تھی اور سارے نوٹس بکھر گئے تھے۔

نہ سوری نہ کوئی وضاحتی انداز مقابل کھڑا نوجوان بس اس پر نظریں جمائے گویا پلکیں جھپکنا بھی بھول چکا تھا ایسے میں اسے تپ نہ چڑھتی تو کیا ہوتا۔

"اندھے ہو، نظر نہیں آتا۔" وہ غرا کو بولی۔

"آتا ہے بالکل واضح اور شفاف۔" وہ زیر لب مسکرایا۔

"یقین نہیں آتا بتاؤں۔" وہ ایک لمحے کے توقف سے بولا۔

"تمہاری آنکھیں نیلی ہیں شفاف کانچ کی طرح چمکتی ہوئی اور تمہارے....."

"شٹ اپ۔" وہ غصے میں بالکل آؤٹ ہو چکی تھی سوہا کو لگا ابھی وہ اسے تھپڑ دے مارے گی اس نے سارے نوٹس سمیٹ کر دوبارہ سے فائل میں لگاتے اور زویا کی جانب بڑھی۔

"میں تو بس اپنی نظر کا ٹیسٹ دے رہا تھا۔ آپ تو خوامخواہ برا مان گئی۔" کمال دیدہ کی معصومیت تھی زویا دانت کچکچاتے ہوئے سوہا سے فائل جھپٹ کر آگے بڑھ گئی۔ سوہا نے مسکرا کر اسے "ہیلو" کہا تھا زویا پلٹ کر اسے گھورا تو وہ شرافت سے اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

وہ وہیں کھڑا انہیں تب تک دیکھتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"زویا ویسے لڑکا ہینڈسم تھا نا۔" کالج گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے سوہا کو وہ پھر سے یاد آیا تھا۔

"اور اس کی باتیں کتنی شاعرانہ تھیں۔" اس نے اک سرد آہ بھی۔

"تم ہوش میں تو ہو آج جا کر ماما کو بتاؤں گی کہ تم کس قدر فضول ہوتی جا رہی ہو۔" زویا نے اس کی کمر میں ایک دھپ رسید کرتے ہوئے دھمکایا۔

"ارے میں کوئی اپنے لیے تھوڑی بول رہی ہوں۔" شاید دھمکی کا اثر تھا وہ فوراً لائن پر آئی تھی۔

"تو پھر؟" زویا کی فراخ پیشانی پر ایک ساتھ کئی بل پڑے۔

"میں تمہارے نے۔" وہ کہہ کر بھاگ گئی تھی۔

کمسٹری کی ٹیچر نہیں آئی تھی اس کا موڈ مزید خراب ہو گیا۔ رات کو دیر تک جاگ کر اس نے ٹیسٹ تیار کیا تھا وہ اپنی بکس سمیٹ کر لان میں چلی آئی۔ سوہا وہاں لڑکیوں کے گروپ میں بیٹھی نہ جانے کہاں کہاں کی گپس ہانک رہی تھی۔ اس کی کوئی دوست نہیں تھی اور سوہا کو سہیلوں سے ایک پل کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی۔ زویا کو دیکھ کر وہ اس طرف چلی آئی۔

"تمہارا تو ٹیسٹ تھا۔" وہ اس کو لان میں دیکھ کر حیرت سے بولی۔

"مس نہیں آئی۔" وہ جھلاہٹ سے بولی سو سوہا بھی وہیں اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"اچھا مجھے اس پوئم کی ذرا ٹرانسلیشن بتا دو۔" سوہا نے انگلش بک کھول کر اس کے سامنے رکھی وہ سیکنڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی اور زویا بی ایس سی فائنل میں تھی۔ زویا نے بک اٹھا کر پوئم پڑھنا شروع کی پھر جیسے اسے کچھ یاد آیا تھا۔

"ویسے سوہا اسے دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ جس میں اسے برسوں سے جانتی ہوں وہ اجنبی تھا مگر لگتا نہیں۔" اس نے الجھن بھری نظروں سے سوہا کو دیکھا مگر اس کی تو ہنسی تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ زویا کی خشمگیں نظروں پر اس نے بمشکل اپنے لبوں پر ہاتھ رکھا اور اگلے ہی پل پھر سے شروع ہو گئی۔

تم سے مل کر نہ جانے کیوں اور بھی کچھ یاد آتا ہے یاد آتا ہے

اب وہ اس کا مذاق اڑا رہی وہ احتجاجاً وہاں سے واک آؤٹ کر گئی۔

☆.....☆.....☆

واپسی پر مطلع صاف ہو چکا تھا سورج نے بھی آج کہیں تین دن بعد جا کر پردہ نشینی چھوڑی تھی ورنہ تو ہمہ وقت دھند کی چادر اوڑھے اونگھتا رہتا تھا۔ اب دھوپ کی ہلکی ہلکی تمازت مزہ دے رہی تھی۔ زویا نے اپنے گلوز اتار کر بیگ میں رکھے اور شال اچھی طرح اوڑھ کر کالج گیٹ سے باہر نکل آئی۔ البتہ سوہا کا منہ پھولا ہوا تھا اس کا بیوٹی فل سیزن جو نہیں رہا تھا۔

"زویا وہ دیکھو پانی پوری چلو کھائیں۔" راستے میں ٹھیلے والے پر جو اس کی نظر پڑی تو بس جی مچل اٹھا زویا نے اسے یوں دیکھا جیسے کا دماغ چل گیا ہو۔

"عقل ہے تمہارے پاس یا پھر سہیلیوں کو دے آئی ہو۔" وہ بھنا کر رہ گئی۔

"زویا میری اچھی بہن ہو نا پلیز....."

"دیکھو وہاں کتنے لڑکے کھڑے ہیں۔" اس کے ملتجی لہجے پر وہ رسان سے بولی۔

"تو کیا ہوا میں پانی پوری کھانے کی بات کر رہی ہوں لڑکوں کی نہیں۔"

"مگر آرام سے چلو ورنہ آج پاپا کو تمہارے سارے کارنامے بتاؤں گی کہ تم کالج محض مستیاں کرنے جاتی ہو سارا دن سہیلیوں کے لے کر بس لان میں گپیں ہانکی جاتی ہیں اور آج کیا کر رہی تھی تم وہ رومانہ کے آئی برو بنائے ہیں تم نے، میرے پاس شکایت لے کر آئی تھی۔" وہ اس کی کلاس لے رہی تھی اور وہ محترمہ ربڑی والے سے بھٹہ رانگ رہی تھی۔

دانت نکالتے ہوئے اس نے ایک بھٹہ اس کی جانب بڑھایا۔

"سوہا تم کب سدھرو گی۔"

"کبھی نہیں۔" اس نے اپنی مخصوص ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"دیکھو یار چار دن کی زندگی ہے اس کو ہنسی خوشی گذار کر جاؤ پتہ ہے بارہ بجائے چہرے

www.pkdigest.com

مجھے بالکل اچھے نہیں لگتے اور تم بھی اگر اسی رفتار سے غصہ کرتی رہی تو ہوسکتا ہے قابل برداشت لوگوں کی لسٹ سے تمہارا نام بھی خارج ہو جائے۔'' وہ شوخ سے کہتی آخر میں کچھ شرارت سے بولی۔

''لیوں۔'' زویا نے سے سر جھٹکا۔

''ویسے آج رومانہ کا بڑا مزہ آیا تھا قسم سے میں نے اسے کہا بھی تھا کہ مجھے پلکنگ کرنا نہیں آتی بس دھکا کہ چلانا آتا ہے مگر وہ مانے تب نا، اس کے اصرار پر میں نے بھی چلا دیا اور.....'' آگے کا منظر یاد کر کہ وہ بات ادھوری چھوڑ کر پھر سے ہنسنے لگی تھی۔ زویا کے لبوں پر بھی مدھم سا تبسم بکھر گیا۔

☆.....☆.....☆

''ماما یہ ساتھ والے گھر میں کرائے دار آئے ہیں۔'' آج بارہ سال بعد اس نے جو ساتھ والے گھر کا دروازہ کھلا دیکھا تو پوچھ لیا۔

''نہیں بھئی کرائے دار نہیں مالک مکان آئے ہیں۔'' ماما نے دھلے ہوئے کپڑوں کو تہہ لگاتے ہوئے سرسری سا جواب دیا۔

''کیا؟'' وہ پوری کی پوری ان کی جانب گھوم ہوئی تھی۔

''آپ کا مطلب میمونہ آنٹی.....'' مارے خوشی کے وہ فقرہ مکمل ہی نہ کر پائی اور پھر ماما کا اثبات میں ہلتا سر دیکھ کہ فوراً چلنے کر تیار ہوگئی۔

''میں ابھی ان سے مل کر آتی ہوں۔''

''میں بھی چلوں گی۔'' سوہا فوراً اس کے پیچھے لپکی۔

''جہاں میں جاؤں وہاں تمہاری شرکت ضروری ہے۔'' زویا نے بیل پر انگلی رکھتے ہوئے اسے گھورا۔

مدمقابل کھڑے شخص کو دیکھ کر دونوں آپس میں الجھنا بھول کر حیرت سے شاکڈ رہ گئی تھیں۔

''یہ تو صبح والا ہیرو ہے۔'' سوہا اس کے کان میں گھسی۔

''تو کیا یہ شہریار ہے۔'' زویا ابھی تک بے یقین تھی۔

''میں جانتا تھا میرا ذکر سنتے ہی تم دوڑتی ہوئی آؤ گی۔'' وہ اس کی بڑی بڑی نیلی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے مسکرایا۔ تو وہ جیسے ہوش میں آتے ہی اسے سرے سے نظر انداز کرتی اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئی چھوٹی سی لابی عبور کرنے کے بعد آگے کھلا صحن تھا میمونہ آنٹی اسے کچن کے دروازے میں کھڑی نظر آئیں۔

''اسے کیا ہوا؟'' شہریار کے حیرت بھرے استفسار پے سوہا نے لاعلمی سے کندھے اچکا دیئے۔ میمونہ آنٹی بہت ہی والہانہ انداز اور محبت سے ملی تھیں زویا سے تو ویسے بھی انھیں قدرتی انسیت تھی۔

''آنٹی آپ آج شام کا ڈنر ہماری طرف کریں گی۔'' زویا نے ان کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے اتنے لاڈ سے انوائیٹ کیا کہ وہ انکار نہیں کر پائیں ویسے بھی انکار کا کوئی جواز بھی نہیں تھا۔

''مگر تم دونوں بیٹھو تو سہی۔''

''ابھی تو کالج سے آئے ہیں اب شام میں ملاقات ہوگی۔'' وہ ان کے لیے چائے بنانے والی تھیں جب زویا سہولت سے منع کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مجھ سے کیا ناراضگی ہے؟'' دروازے کا ایک پٹ بند تھا اور دوسرے میں وہ کھڑا دونوں ہاتھ سینے پر باندھے بڑی محویت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''سوہا ان کے کہہ دو کہ میں ان جیسے لوگوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔'' وہ دوسرا کواڑ کھول کر گھر چلی آئی شہریار پیچھے کھڑا حق اس کے اس

کے تیور ملاکر تارہ گیا تھا۔

''ماما میں نے میمونہ ژنر پر کوڈلز انوائیٹ کیا ہے اب آپ بتائیں کیا ڈشز بناؤں۔'' اس نے ماما کو انفارم کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی بجائے بھی طلب کی۔

''بریانی چکن قورمہ، رشین سیلڈ، شامی کباب، رائتہ، فیرنی، فرنچ بوٹیٹو رول، ٹکس اور.....''

''بس کرو تم، ہم نے کوئی کک نہیں رکھا ہوا۔'' ماما سے پہلے سوہا نان اسٹاپ شروع ہو چکی تھی۔ زویا نے اسے جھاڑ کر رکھ دیا۔

''تم فریج اور کچن دیکھ لو سب سامان تو ہے نا، اور اگر کچھ کم ہے تو لسٹ بنا دو میں منگوا دیتی ہوں اور ساری ڈشز میرے خیال میں ٹھیک رہے گی۔'' ماما کی رائے پر خوش ہوئی تھی اور زویا نے ابھی سے کچن کا رخ کیا۔

☆.....☆.....☆

''تم نے مجھے لوفر اور آوارہ کیوں کہا؟'' وہ کچن میں کھڑی سیلڈ بنا رہی تھی اور وہ جواب طلبی کے لیے عین اس کے سر پر کھڑا تھا۔

''بیچ سڑک میں لڑکیوں سے فلرٹ کرتے لڑکوں کو غالباً اسی لقب سے نوازا جاتا ہے۔'' وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے دانت پیس کے بولی وہ خود نہیں جانتی تھی کہ وہ اس طرح کیوں ایکٹ کر رہی ہے۔ شہریار کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''میں نے تو بس تمہیں تمہاری آنکھوں کا رنگ بتایا تھا میں فلرٹ کہاں سے آ گیا۔''

''مجھے نہیں۔'' اس کا انداز کچھ جتاتا ہوا سا تھا وہ چونک گیا۔

''بھئی وہ تم ہی تو تھی۔''

''مگر اس وقت تم نہیں جانتے تھے کہ وہ میں ہوں۔''

''بائے گاڈ، میں جانتا تھا۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

''جھوٹ۔'' وہ بے یقین رہی اور سوہا کو آواز دے کر برتن لگانے کو کہا اور خود دروازہ کھول کر لاؤنج میں چلی آئی۔ اس کے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے۔

وہ اس خالی گھر کو دیکھ کر سوچا کرتی تھی کہ کاش وہ کبھی لوٹ آئے اور شاید یہ اس کا انتظار تھا جو اسے واپس کھینچ لایا تھا۔ وہ اس کا واحد دوست تھا اس کے جانے کے بعد اس نے کبھی کسی سے دوستی نہیں کی تھی وہ اس طرح اچانک اسے چھوڑ کر بلکہ یہ شہر چھوڑ کر گیا تھا کہ کئی دنوں تک وہ بے یقین رہی تھی اور جب یقین آیا تب اسے سوچنے، یاد کرنے کے سوا زندگی میں جیسے کچھ باقی نہ رہا تھا۔ وہ جس قدر اس کے معاملے میں فیئر تھی وہاں سے بھی وہی ایکسپٹ کرتی تھی۔

''آنٹی آپ اتنے سالوں میں کبھی آئی کیوں نہیں۔'' سوہا نے کسی بات کے جواب میں شکوہ کیا۔

''بس بیٹا مصروفیات پھر شہریار کی اسٹڈی اور میری جاب، کبھی فرصت ہی نہیں ملی پہلے پہلی میں نے تمہاری ماما کو خط لکھے تھے پھر رفتہ رفتہ یہ سلسلہ بھی ختم ہوگیا فون تم لوگوں کے گھر میں نہیں تھا ورنہ کچھ تو رابطہ برقرار رہتا۔''

میمونہ آنٹی اس کی ماما کی دوست اور ان کے پڑوس تھے شہریار آٹھ سال کا تھا جب اس کے پاپا کی اچانک ہارٹ فیل ہونے سے ڈتھ ہوگئی اور اس کے دو سال بعد آنٹی میمونہ اپنے پیرنٹس کے پاس کراچی چلی گئی تھیں اور اب واپسی کا ریزن یہ تھا کہ ماں، باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا اور بھابیوں سے ان کی کچھ خاص بنتی نہیں تھی سو ان کا خیال تھا جب رشتوں میں دراڑیں پڑنے لگے تو فاصلے پیدا کر لینے چاہیے۔

☆.....☆.....☆

''زویا رکو۔'' وہ لیب سے نکل کر بیالوجی

www.pkdigest.com

کی کلاس لینے جارہی تھی جب سوہا نے پیچھے سے آواز دی وہ رک کر اس کا انتظار کرنے لگی۔

"میٹ مائی نیو فرینڈ۔" سوہا نے اپنے ساتھ کھڑی لڑکی کا تعارف کروایا تو زویا نے مسکرا کر اسے ہے ہاتھ ملایا اسے پہلی بار سوہا کے کوئی دوست اچھی لگی تھی۔

"میرا نام مائرہ ہے۔"

"نائس نیم۔" زویا نے توصیفی انداز میں کہا اسے ویسے بھی یہ نام پسند تھا۔

"بس نام۔" اس کے اعتراض پر وہ بے ساختہ مسکرادی۔

"نہیں بھئی تم خود بھی بہت کیوٹ ہو۔"

"لیکن آپ سے زیادہ نہیں۔" اس نے سچائی سے اعتراف کیا۔

"تھینک یو۔" زویا کو اس کا والہانہ انداز کچھ عجیب سا لگا تھا۔

"چلو یار کینٹین چلتے ہیں۔" سوہا نے اس کا بازو کھینچا۔

"ایسے موسم میں سموسے اور گول گپے نہ ہو تو مزہ نہیں آتا۔" موسم آج صبح سے ابر آلود تھا ہلکی ہلکی پھوار برس رہی تھی وہ راہداری میں کھڑی بھیگنے لگی تھیں۔

"آپ بھی آؤ ہمارے ساتھ۔" وہ زویا سے مخاطب تھی اسے زویا بہت پسند تھی مگر اس نے دیکھا تھا کہ وہ کس سے دوستی نہیں کرتی سو اس نے پہلے سوہا سے فرینڈ شپ کرلی تھی۔

"میری کلاس ہے میں ابھی نہیں آسکتی۔" اس نے سہولت سے انکار کیا۔

"کوئی بات نہیں ہم ویٹ کرلیتے ہیں۔"

"ایز یو وش۔" وہ کندھے اچکا کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔ سیل کی بیپ پر اس نے چونک کر بیگ میں جھانکا۔

"اس وقت کون کال کرسکتا ہے۔" اس نے چیک کیا ایس ایم ایس تھا۔ انجان نمبر دیکھ کر وہ سوچ میں پڑ گئی اس کے سیل پر بس پاپا کی کال آتی تھی یا پھر سوہا کی دوستوں کی۔ ویوا وپن کرتے ہی اس کی نظریں اسکرین پر دوڑنے لگیں۔

کتنا اچھا لگتا ہے
جب زندگی ہو
اور پیار بھی ہو
جب آنکھیں ہو
اور خواب بھی ہو
پر کتنا ادھورا لگتا ہے
جب رم جھم برستے ساون میں
ساتھی ہو مگر ساتھ نہ ہو

وہ کلاس بھول کر اس ایس ایم ایس میں الجھ کر رہ گئی۔

"یہ آپ کلاس لے رہی ہیں۔" مائرہ نے اس کے سامنے چٹکی بجائی۔

"تم دونوں میری جان چھوڑو گی جب تک کچھ ٹھونس نہ لو۔" وہ سیل بیگ میں رکھ کر ان کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

واپسی پر مائرہ کا اڈریس لینے آیا تھا۔ موسم چونکہ بے حد خراب تھا تو اس نے سوہا اور زویا کو بھی ڈراپ کردیا۔

"اندر آؤ نا میری ماما سے ملو۔" سوہا نے آفر کی۔

"آج نہیں پھر کبھی۔" اس نے ٹالا مگر سوہا ٹلنے والی نہیں تھا اسے کھینچ کر اندر لے آئی۔

"تمہاری ماما بہت نائس ہیں بالکل میری ماما جیسی۔" آمینہ بیگم سے ملنے کے بعد وہ سوہا نے کان میں بولی۔

"بیٹھو بیٹا کھانا کھا کر جانا۔" اسے اجازت طلب کرتے دیکھ کر آمینہ بیگم نے کچن سے آواز دی۔

"شکریہ آنٹی پھر آؤں گی۔" وہ مسکرائی زویا نے اسے غور سے دیکھا سوہا کے ساتھ کھڑی

وہ سوہا جیسی ہی لگتی تھی اور دونوں کی بے تحاشا ہنسنے کی عادت تو لگتا تھا ایک دوسرے سے چرائی ہے۔

"نہیں ایسے کیسے جاسکتی ہو یہ کھیر تو کھانا پڑے گی۔" آمینہ بیگم نے ٹرے ان تینوں کے درمیان رکھی۔

"واؤ کھیر۔" سوہا نے فوراً کٹوری اٹھا کر مہمان کا خیال کیے بغیر کھانا شروع کردیا تھا۔

"مائرہ تم بھی لو نا۔" زویا نے ملامتی نظروں سے سوہا کو دیکھتے ہوئے دوسری کٹوری مائرہ کی جانب بڑھائی اور اتنے اصرار پر وہ اب منع نہیں کرپائی تھی۔

☆.....☆.....☆

رات وہ دونوں اپنے بستر میں گھسی کورس کی کتابیں پڑھ رہی تھیں یہ ان کا اسٹڈی ٹائم تھا وہ کمسٹری کے فارمولوں کو رٹنے میں مصروف تھی جب ان کا سیل ایک بار پھر سے گنگنایا۔

سنو جاناں
میرے دل کی دھڑکنوں کو
ہر دھڑکن تمہارے نام سے دھڑکتی ہے

اس نے چور نظروں سے سوہا کو دیکھا وہ بری طرح سے اپنی کتابوں میں غرض تھی اسی دوران اسی ایس ایم ایس کی ٹون پھر سے بجی اس نے کانپتے ہاتھوں سے ان باکس کھولا۔

مدت سے دور تھے ہم تم
مدت بعد ملنا اچھا لگا
ساگر سے گہری تھیں تمہاری آنکھیں
تیرنا تو آیا تھا مگر
ڈوبنا اچھا لگا

"اوہ۔" اب کی بار اس نے اطمینان بھرا سانس لیا اسے یقین ہو چکا تھا کہ یہ کوئی رانگ نمبر نہیں بالکل رائیٹ نمبر ہے۔

"کون ہو تم؟" اس نے ٹائپ کر کہ سینڈ کردیا۔

"تمہارا دیوانہ۔" اگلے ہی پل جواب حاضر تھا۔

"جہنم میں جاؤ۔" اسے الٹے جواب پر اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔

"ساتھ چلوگی۔" وہ پھر سے بجا۔

"وہاں جانے والے اعمال نہیں ہیں میرے۔"

"تو کیا میرے ہیں؟" دوسری جانب سے دریافت کیا گیا۔

"بالکل۔" اس نے لکھ کر خود ہی نعوذ باللہ کہا۔

"چلو کوئی ایک عمل بتادو۔" وہ جاننے پر مصر تھا۔

"آج کل لوگ محبت کو بھی کھیل سمجھتے ہیں۔" وہ بھیج کر ویٹ کرنے لگی مگر دوسری جانب خاموشی چھا چکی تھی۔

ان سے کہو جن کی نظر میں
محبت گناہ عظیم ہے
ہم نے گناہ سے
بہت آگے تھے چاہا

وہ کتابیں سمیٹ رہی تھی جب اس کا پیغام مل گیا وہ سیل ہاتھوں میں تھامے دیر تک ان لفظوں کو گھورتی رہی۔

"کس کے میسج آرہے ہیں۔" سوہا نے یونہی سے پوچھا۔

"تم نے میرا نمبر دیا ہے کس کو؟" اس نے الٹا سوال کیا۔

"نہیں تو۔" اس نے "نہیں" کو خوب لمبا کھینچتے ہوئے انکار میں گردن ہلائی۔

"اچھا۔" زویا اس مشکوک نظروں سے گھورتے ہوئے بستر درست کرنے لگ سوہا نے جان چھوٹنے پر شکر ادا کیا اور لائیٹ آف کردی۔

☆.....☆.....☆

www.pkdigest.com

"سوہا، یہ زویا کتنی بدل گئی ہے نا۔" وہ کرسی کی بیک سے ٹیک لگائے افسردگی سے بولا۔

"آپ کینو کھاؤ گے۔" وہ اس وقت دھوپ سینکتے ہوئے کینو کھا رہی تھی پوچھنے کے ساتھ اس نے ایک کینو اس کی جانب اچھال دیا۔ شہریار بھنا کر رہ گیا تھا۔

"ہاں تو کچھ کہہ رہے تھے آپ؟" ایک پھانک منہ میں رکھتے ہوئے اس نے سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا۔

"میں کہہ رہا تھا کینو کھاتے ہیں۔" وہ لفظوں کو چبا چبا کر بولتا کینو چھیلنے لگا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" سوہا نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"کیا؟" اس نے سوالیہ نظریں اس پر جمادیں۔

"کینو کھانے گا۔" وہ کہہ کر زور سے ہنسی شہریار نے ہاتھ میں پکڑے چھلکے اس پر پھینک دیئے۔

"اچھا بھئی خفا کیوں ہوتے ہو۔" سوہا کو اس پر ترس آ ہی گیا تھا مگر وہ ہنوز منہ پھلا کر بولا۔

"آخر مسئلہ کیا ہے تم دونوں میں؟" وہ یک دم سنجیدہ ہوئی۔

"وہ مجھے ایک آوارہ، لوفر اور فلرٹ سمجھتی ہے مگر تم یقین....."

"میں نے بس لوفر کہا تھا اور فلرٹ نہیں۔" وہ اس کی بات کاٹ کر سامنے آ بیٹھی۔

"شکریہ جناب اس مہربانی کا۔" وہ طنز سے گویا ہوا۔

روٹھنا خفا رہنا یہ وفا نہیں ہوتی
چاہتوں میں لوگوں سے کیا خطا نہیں ہوتی

سوہا نے دونوں کے درمیان مصلحانہ کردار ادا کیا۔

سب کو ایک جیسا کیوں تم سمجھنے لگے ہو
کیونکہ ساری دنیا تو بے وفا نہیں ہوئی

وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا زویا نے نظر میں اٹھائیں وہاں دور دور تک اس کا عکس جھلملا رہا تھا۔

ہر کسی سے پیار ہر کسی سے وعدے
پیار سے کرنے والوں میں یہ ادا نہیں ہوتی

وہ بھی ٹکا سا جواب دے کر اٹھ کھڑی ہوئی شہریار نے اس کی کلائی تھام کر واپس کرسی پر بٹھایا۔

"چھوڑو میری کلائی۔" اس نے چھڑانے کی کوشش کی مگر اس کی گرفت مضبوط ہو چکی تھی۔

"پاپا آ گئے۔" اس کے تیزی سے کہنے پر شہریار نے چھت سے کلائی چھوڑی اور فورا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا وہ چپکے سے اٹھ کر اندر چلی آئی۔

سوہا اور شہریار نے کچھ لمحوں کے انتظار کے بعد جو مڑ کر دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا وہ ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر بے ساختہ مسکرا دیئے۔

"ویسے شہری بھائی آپ کو یقین تھا کہ آپ پھر یہاں واپس آؤ گے اور زویا سے ملیں گے۔"

"ہاں مجھے یقین تھا اور اگر ماما واپس نہ بھی آتی تو مجھے اپنی اسٹڈی کمپلیٹ کرنے کے بعد یہاں آنا ہی تھا۔" وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

"کیوں؟" سوہا نے بے تکا سا سوال کیا۔

"تمہیں اپنی آدھی گھر والی بنانے۔" اذان نے ایک ابرو اچکا کر شرارت سے کہا تو وہ اسی کے جواب کو انجوائے کرتے ہوئے دیر تک ہنستی رہی۔

زویا نے بستر تہہ کرتے ہوئے اپنی کلائی کو دیکھا وہاں ابھی تک انگلیوں کے نشان اور ہلکا سا درد باقی تھا۔

"اسٹوپڈ۔" اس نے مسکراتے ہوئے زیر لب کہا اور کشن کہنیوں کے نیچے رکھتے ہوئے ٹانگیں جھلانے لگی۔

وہ ان جذبوں سے انجان تھی اس نے آج ایک انوکھے دلفریب احساس سے دوچار کروا دیا تھا۔ چاہا تو اس نے بہت تھا مگر چاہے جانے کی دلکش اور لذت سے آج پہلی بار آشنا ہوئی تھی۔

"زویا..... زویا....." دو، تین بار مائرہ نے اسے آواز دی اور پھر بھی اس کے متوجہ نہ ہونے پر اس کا شانہ زور سے ہلایا۔ تو وہ بوکھلا کر سیدھی ہوئی۔

"کہاں گم تھی۔" اس کا انداز حیرت بھرا تھا۔ زویا نے غائب دماغی سے اسے دیکھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں ہے۔

"جانتی ہو تم نے ساری رات لان میں گزار دی، چلو اب اٹھ جاؤ۔"

"ساری رات بیت گئی۔" وہ حیرانگی سے سوچ کر رہ گی۔

☆.....☆.....☆

سوہا لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی بلکہ ٹی وی کیا دیکھنا تھا بس چینل پر چینل بدل رہی تھی۔

"ایک جگہ ٹکنے بھی دو۔" آمینہ بیگم نے اپنی جگہ بے چینی سے پہلو بدلا۔

"کوئی اچھی سی مووی ہو تو ٹکنے بھی دوں نا۔" وہ حد درجہ بور ہو رہی تھی روز روز وہی گھسی پٹی موویز اور سانگز کچھ بھی نیا نہیں تھا۔

"آج شام کھانے میں کیا بناؤں۔" انہوں نے زویا سے رائے طلب کی۔

"دال، چاول بنالیں۔" وہ سنڈے میگزین کے صفحے الٹ پلٹ کرتی ایک لمحے کو رک کر بولی۔

"چلو سوہا، ماما کی کچن میں ہیلپ کرواؤ۔"

"رہنے دو، کوئی ضرورت نہیں اسے بخار ہے۔" سوہا کے بگڑتے زاویے دیکھ کر ماما نے فورا اس کی سائیڈ لی۔

"بخار۔" اس نے آنکھیں پھیلائیں جس پر سوہا نے ملتجیانہ نظروں سے اسے دیکھا۔

آج اس نے بخار کا بہانہ کر کے کالج سے چھٹی کی تھی اور زویا نے دیکھا تھا کہ وہ سب سے اوپر والے چھت پر چڑی پتنگ اڑا رہی تھی اور ماما سمجھ ہی تھی کہ اس نے آج پورا دن بستر میں گذارا ہے۔

"تو پھر آپ اس کے لیے دلیہ بنائیں۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔

"ایویں دلیہ۔" اس نے منہ بسورا۔

"ماما میرا بریانی کو دل کر رہا ہے۔" ساتھ ہی فرمائش پروگرام بھی نشر ہوا۔

"دیکھا آپ نے بخار ہے۔"

"ہاں تو کیا ہوا بخار میں چٹ پٹی چیزیں کھانے کو دل کرتا ہے تم فریج دیکھو چکن ہے تو بریانی بنالو، میں ذرا میمونہ کی جانب چکر لگا کر آتی ہوں دو چار روز سے نہیں آئی وہ۔" وہ ہدایات سے نوازتی یہ جا وہ جا پیچھے دانت نکالتی سوہا رہ گئی تھی۔

"آج ایسی بریانی کھلاؤں گی کہ دوبارہ تمہیں حسرت نہیں رہے گی۔" اس کی دھمکی نے الرٹ کیا تھا۔ کہ وہ اگلے ہی پل اس کے ساتھ کچن میں تھی بطور ہیلپر موجود تھی۔

"آج مائرہ ملی تھی۔" سوہا نے چکن دھوتے ہوئے استفسار کیا۔

"ارے ہاں مجھے یاد ہی نہ رہا۔" وہ سر پر ہاتھ مار کر بولی۔

"کل وہ کالج نہیں آئے گی اس کا برتھ ڈے ہے اور اس نے بطور خاص ہمیں انوائیٹ کیا

www.pkdigest.com

ہے۔"

"اچھا تو پھر کل ہم بھی کالج نہیں جائیں گے صبح بازار شام میں پارٹی۔"

"شام میں پاپا تو نہیں جانے دیں گے اور ویسے بھی میرا موڈ نہیں۔" اس نے کن انکھیوں سے سوہا کو دیکھا جو چکن وہیں چھوڑ کر خشمگیں نظروں سے اسے گھورنے لگی تھی۔

"پاپا کو منانا ماما کا کام ہے اور ماما کو میرا اور تمہارے موڈ کی تو ایسی کی تیسی۔" اس نے دانت کچکچائے ماما نے تو سنتے ہی انکار کر دیا تھا جس پر سوہا نے خوب لمبی چوڑی تقریر کی جس کا لب لباب یہ تھا۔

"ماما ایک تو آپ بھی اکلوتی اور پاپا بھی۔ آخر ہم جائیں تو کہاں جائیں۔ اس نے اتنی محبت اور اصرار سے بلایا ہے کیا ہو جائے گا جو ہم بھی ذرا انجوائے کر لیں گے۔" ماما تو اس ایموشنل پر کچھ کچھ ایگری ہو ہی گئی تھیں مگر پاپا مان کے نہیں دے رہے تھے مگر جب مائرہ نے اپنا ڈرائیور بھیجا اور فون کر کہ پاپا کو تسلی دی کہ وہ خود واپس چھوڑنے آئے گی تب کہیں جا کر انہوں نے اجازت دی تھی وہ بھی بس دو گھنٹوں کی سوہا نے زبردستی اس بھی ساتھ گھسیٹ لیا تھا۔

"سوہا یہ تم میرے بالوں کا کیا بنا رہی ہو۔" دس منٹ سے وہ اس کا سر ایک ہی زاویے پر رکھے جانے کیا کاروائی کر رہی تھی زویا کی تو اب گردن اکڑنے لگی تھی۔

"بس ایک منٹ۔" وہ جھنجھلائی۔

"اور یہ ایک منٹ کب ختم ہوگا پوچھ سکتی ہوں کتنے سیکنڈ ہیں اس میں۔"

"او، ہو کتنا بولتی ہو تم.....لو ہو گیا ختم۔" وہ آخری پن دے کر اپنے بالوں کی الجھنیں سلجھانے لگی۔

"اف شکر ہے۔" وہ گردن کو دائیں بائیں ہلاتے اٹھ کھڑی ہوئی اور آئینہ دیکھ کر پھر سے شکر ادا کیا۔ کہ فرنچ ناٹ اس کے کتابی چہرے پر کافی جچی رہی تھی۔

"سوہا مجھے بالکل سمجھ میں نہیں آ رہا۔" اس کا بتایا گیا اسٹائل ماما کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"ماما یہ "بل اسٹائل" کی بات کر رہی ہے جیسے اس کے دوکان ہوتے ہیں ناسر پر ویسے اس کی بھی دو پونیاں بنا دیں۔" زویا ہنستے ہوئے شرارت کی اسٹائل تو وہی تھا لیکن بل کہنے پر وہ اچھا خاصا برا مان گئی تھی۔

"پاپا سمجھا لیں اپنی بیٹی کو۔"

"زویا۔" مصطفیٰ زیدی صاحب نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے زویا کو کی تنبیہ مگر اس کی بات کا اثر یہ ہوا کر ماما کو اسٹائل سمجھ میں آ گیا تھا انہوں نے ویسی ہی اس کی دو پونیاں بنائی تھیں۔ اس کی سلکی بال جو سامنے سے بے بی اسٹائل میں تھے ان پر وہ اسٹائل سج ہی گیا تھا۔

"سوہا زویا تو بس ایسے ہی بولتی رہتی ہے دیکھو تو میری بیٹھی بالکل مانو بلی لگ رہی ہے۔" پاپا نے تو بڑے لاڈ سے کہا تھا مگر "مانو بلی" کہنے پر ماما اور زویا کا جو قہقہہ تھا وہ وہاں سے واک آؤٹ کر گئی۔

پارٹی کا ارینج ان کے وسیع عریض لان میں تھا لان کی خوبصورتی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی ایک جانب بڑا سا سوئمنگ پول تھا چاروں جانب لگے فواروں کا پانی چاندنی میں چھن کر سات رنگوں کی ہولی کھیل رہا تھا درختوں پر سجے برقی قمقمیں چراغوں کی مانند جل رہے تھے رات کی رانی اور موتیے کی خوشبو فضا میں رچی ہوئی تھی۔ زویا نے توصیفی انداز میں اردگرد کا جائزہ لیتے ہوئے دل ہی دل میں ہر چیز کی خوبصورتی کو سراہا۔

سوہا بہت جلد اس کی کزنز میں گھل مل گئی تھی اور پارٹی کو خوب انجوائے کر رہی تھی اور وہ

ایک جانب رکھی کرسی پر بیٹھ کر آتے جاتے لوگوں کو دیکھنے لگی وہ سوہا کی طرح پہلی ہی ملاقات میں ہر کس سی فرینک نہیں ہو سکتی تھی بس اس کا مزاج ہی کچھ ایسا تھا۔

☆.....☆.....☆

"زویا کیا بات ہے؟" مائرہ نے تشویش سے پوچھا تو وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"تم بھی نا پچھلے دو روز سے بہت بور کر رہی ہو چلو کہیں گھوم کر آتے ہیں اسی بہانے تمہارا موڈ بھی فریش ہو جائے گا۔"

"نہیں یار اس وقت جانا مناسب نہیں۔" زویا نے باہر پھیلتے ملگجے سے اندھیرے کو دیکھ کر اعتراض کیا۔

"میں ماما کو بتا کر آتی ہوں تم جا کر گاڑی میں بیٹھو۔" وہ اس کے اعتراض کو خاطر میں لائے بغیر کچن کی جانب چلی گئی تو زویا کو بھی اٹھنا پڑا جانتی جو تھی کہ اب وہ اس کی خلاصی نہیں کرنے والی۔

"اچھا زویا ایک بات بتاؤ۔" زویا نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"محبت کا بہترین ذریعہ اظہار کیا ہے۔" اس نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا جس پر زویا نے کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ انگلیاں مروڑتے ہوئے اس کافی کنفیوز لگ رہی تھی۔

"تحفہ۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"تھینک یو تم نے میرا مشکل آسان کر دی۔" وہ یک دم پھر پرجوش ہو گئی تھی۔

"ویسے تمہیں کسے تحفہ دینا ہے۔" اس نے سرسری سا پوچھا۔

"فیضان کے لیے۔" مائرہ کے لبوں سے بے ساختہ پھسل گیا۔

"کیوں۔" زویا کا انداز شرارت سے سرشار تھا وہ جھینپ سی گئی۔

"بس ایسے ہی۔"

"ایسے ہی نہیں دال میں کچھ کالا ہے۔" اس کی مشکوک نظروں پر مائرہ نے ہتھیار ڈال دیئے تھا۔

"مگر تمہیں کیسے پتہ چلا۔"

"تمہاری آنکھوں سے، اس کا نام لیتے ہی جو جگنو کی طرح چمکنے لگتی ہیں۔" وہ شوخی سے بولی۔

"اچھا پھر یہ بتاؤ فیضی کی آنکھوں میں تم نے کیا دیکھا۔" مائرہ کا اشتیاق قابل دید تھا زویا نے اپنے خشک ہوتے لبوں پہ زبان پھیرتے ہوئے رخ بدل لیا۔ اس کی آنکھوں میں جو نظر آتا تھا وہ اس کے متعلق کبھی سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

"بولو نا۔" مائرہ پھر بولی تھی۔

"مجھے کیا پتہ، میں نے کبھی اس کی آنکھیں نہیں دیکھی۔" وہ سپاٹ لہجے میں کہتی ایسے ہی خود کو مصروف کرنے کے لیے ونڈو شاپنگ کرنے لگی۔

"زویا ان دو شرٹس میں سے کون سی زیادہ اچھی ہیں۔" مائرہ کنفیوز سی ہو رہی تھی زویا اس کی آواز پر پلٹی اور اچانک موڑ کاٹ کر سامنے آتے فیضان حسن سے ٹکراتے ٹکراتے بمشکل بچی۔

"ایم سوری۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"آپ یہاں۔" فیضی کو اس حسین اتفاق پر خوشگواریت بھری حیرت گھیرا اس کے دل کی سب پھول کلیاں کھل اٹھی تھیں وہ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے اسے پورے دو دن بعد دیکھ رہا تھا۔

زویا نے مائرہ کو دیکھا وہ اسے مسلسل اشارے کر رہی تھی کہ سے دو منٹ تک باتوں میں الجھا کر گھوما کر وہ اتنی دیر میں شرٹ بدل کروا سکے۔

www.pkdigest.com

"میں مائرہ کے ساتھ آئی ہوں۔" مائرہ نے کرہاتھ میں پکڑی شرٹس پیچھے چھپالیں۔

"او، مائرہ تم یہاں مجھے بتاتی میں بھی تم لوگوں کے ساتھ آجاتا۔" مائرہ عجیب صورتحال میں پھنس گئی تھی۔

"یہ کیا چھپا رہی ہو۔"

"شرٹس میں ڈیڈ کے لیے خرید رہی تھی۔" اب اس کے سوا کیا چارہ تھا۔

"یہ سائز اور انکل کے ہے۔" فراز نے آنکھیں پھیلائیں تو زویا کی ہنسی نکل گئی۔ صاف شفاف کھنکتی ہوئی شوخ ہنسی جیسے جلترنگ بج اٹھے ہو اس نے پلٹ کر دیکھا آج پہلی بار اس نے اس لڑکی کو ہنستے مسکراتے دیکھا تھا۔ اور اس کا دل چاہا کاش وہ ہمیشہ ایسے ہی خوش رہے۔

"ہماری گاڑی کہاں گئی اور ڈرائیور بھی نظر نہیں آرہا۔" اس نے پارکنگ میں دور دور تک نظر دوڑاتے ہوئے فکری مندی سے کہا۔

"ڈرائیور کو اس نے گھر بھیج دیا ہے اور ماما کو فون پر مطلع کر دیا ہے کہ ہم فیضان کے ساتھ ہیں۔" مائرہ نے مزے سے سارا پروگرام اس کے گوش گذار کیا۔ فیضان لبوں پر مسکراہٹ سجائے اپنی پروا ڈو کا دروازہ کھولے منتظر کھڑا تھا۔

"مائرہ تم مجھ سے پوچھ تو لیتی۔" اسے شاید آج سے پہلے کبھی مائرہ یہ اتنا غصہ نہیں آیا تھا۔

"اتنی رومینٹک چاندنی رات ہے آج تو آؤٹنگ کا مزہ آجائے گا۔" وہ اپنے جوش میں اس کے تیور ملاحظہ نہیں کر پائی تھی۔ زویا لب بھینچ کر رہ گئی۔

"مائرہ یار مانا کہ کچھ لوگ اداس بھی اچھے لگتے ہیں۔ مگر ان سے کہہ دو کر وہ مسکراتے ہوئے اتنے بھی برے نہیں لگتے۔" وہ مرمر سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

اتنی اونچائی پر جا کر پورا اسلام آباد نظر آرہا تھا روشنیوں میں بھیگا ہوا وہ شہر مکمل طور پر چاند کے سحر میں ڈوبا ہوا تھا۔ مائرہ اور فیضان باتوں میں مگن تھے اس کی نظریں چاند پر ٹک گئیں۔

"زویا میرا دل کرتا ہے میں تمہیں چاندنی رات میں یہاں لے کر آؤں۔" کوئی اس کے کان میں بولا وہ بوکھلا کر پلٹی ہر سو لوگوں کا ہجوم تھا اس کی آنکھیں نے ان ہنستے مسکراتے پر رونق اب چہروں میں اسے کھو جنا چاہا۔ مگر وہ کہیں نہیں تھا اس کی نظریں مایوس ہو کر واپس پلٹ آئیں اس نے مڑ کر پھر سے چاند کو دیکھا تو جیسے اسے احساس ہوا وہ یہیں کہیں ہے۔

اس کی سانسوں میں اس کی باتوں میں، اس کی یادوں میں۔

"کیوں چاندنی راتوں میں یہاں کیا ہوتا ہے۔" وہ چڑ کر بولی ایک تو زبردستی وہ آج اسے کالج سے لے اڑا تھا۔

"بھوت آتے ہیں۔" وہ جل کر رہ گیا۔

"یار کتنی ان رومینٹک لڑکی ہو تم۔"

"تم مجھے یہاں لے کر ہی کیوں آئے ہو وہ بھی کالج یونیفارم میں۔ لوگ دیکھیں گے تو کیا کہے گے کہ میں یہاں تمہارے ساتھ ڈیٹ پر آئی ہوں۔"

"تقدیر کی مہربانی کو ڈیٹ کا نام تو مت دو۔" وہ خفا ہو گیا آج سوہا نہیں آئی تھی اور ماما نے شہریار کو بھیجا تھا اسے کالج سے پک کرنے کے لیے۔

"اب جو مجھ سے غلطی سرزد ہو ہی چکی ہے تو تم اپنا موڈ نہیں دوست کر سکتی۔"

شہریار نے شرارت سے ہاتھ میں پکڑی آئسکریم اس کے رخساروں پر مل دی۔ تبھی اس کا سیل بجا تھا۔ سوہا کال کر رہی تھی۔ اس کی بات سنتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کے چہرے پر اڑتی ہوائیاں اور زرد پڑتی رنگت شہریار کو بھی چونکا گئی تھی۔

"سوہا بتا رہی ہے کہ تمہاری ماما ہاسپٹل ایڈمٹ ہیں۔"

"کیا ہوا ماما کو۔" شہریار نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

"صبح انہیں خون کی الٹیاں ہوئی ہیں اور سوہا کہہ ہی تھی کہ ماما اور پاپا انہیں ہاسپٹل لے گے ہیں۔"

"اور گاڈ، اب تم گھر جاؤ گی یا ہاسپٹل۔" اس نے جلدی سے اپنی بائیک اسٹارٹ کی تھی۔

"تم مجھے گھر چھوڑ دو میں اور سوہا شام کو آئیں گے۔"

ٹیسٹ رپورٹ آچکی تھیں ڈاکٹر نے بتایا تھا انہیں پھیپھڑوں کا کینسر ہو گیا ہے۔ شہریار تو اتنی خطرناک بیماری کا نام سنتے ہی ہمت ہار گیا تھا اس کے لیے تو اس کی کل کائنات اس کا آشیانہ حیات تھیں وہ ان کے بغیر تو جینے کا تصور ہی نا ممکن تھا۔

☆.....☆.....☆

"اتنی سردی میں آئسکریم۔" زویا کو دیکھ کر ہی جھرجھری سی آگئی۔

"سردی میں تو مزہ ہے۔" سوہا نے مزے سے کہا وہ تینوں اس وقت ہاسپٹل کے لان میں کھڑے تھے۔ آنٹی کا آپریشن کامیاب ہوا تھا آج پندرہ روز کے بعد انہیں چھٹی مل رہی تھی اور اسی خوشی میں شہریار انہیں آئسکریم کھلا رہا تھا۔

کپ کو ہاتھ میں تھامتے ہی اس کے وجود میں کپکپی سی دوڑ گئی۔

"یہ پکڑو ایک منٹ۔" اس نے واپس شہریار کو پکڑاتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو آپس میں رگڑا کر سردی کے احساس کو زائل کرنے کی کوشش کی۔ یہ جنوری کی سرد اور ٹھٹھرتی ہوئی شام تھی چاروں جانب چھایا دھند کا غبار اور سرد برفیلی ہوائیں اس کی ہر کوشش بیکار کرنے پہ تلی تھیں۔ جبکہ وہ دونوں مزے سے آئسکریم کھاتے اس کے حرکتوں پر مسکرا رہے تھے۔

"ویسے ایسے موسم میں، چاندنی رات ہو اور سمندر کا کنارا ہو تو میں بغیر اکتائے یا بور ہوئے گھنٹوں وہاں واک کر سکتی ہوں۔" بدن کو چھید کر گذرتی ہواؤں پر وہ فدا ہوئے جا رہی تھی۔

"اف توبہ۔" زویا کی تو ایسے تصور سے ہی قلفی بننے لگی۔

"ہاں بھئی یہ تو ہے کبھی ایسا موقع ملا تو مجھے ساتھ لے جانا۔" اذان کو اس کا ہم خیال دیکھ کر وہ مسکرا دی آج کتنے دنوں بعد وہ اپنے رنگ میں واپس لوٹا تھا اس لمحے اس نے چپکے سے دعا مانگی کہ اب اس شخص کی زندگی میں کوئی غم نہ آئے جانے کیوں غم اسے ملے تو درد کا احساس زویا کو اس سے بھی زیادہ ہوتا تھا۔ آنٹی ڈسچارج ہو کر گھر آگئی تھیں۔

شہریار نے اپنا بستر ان کے روم میں ہی لگا لیا تھا۔

ابھی زویا انہیں اپنے ہاتھوں سے سوپ پلا کر اور کھانا کھلا کر گئی تھی اور اس رات انہوں نے شہریار سے بہت سی باتیں کی تھیں اس کے پاپا کی، اپنے ماضی اور شہریار کے بچپن کی۔ وہ خاموشی سے پاس بیٹھا بس ان کا چہرہ دیکھے جا رہا تھا جو اسے پہلے سے زیادہ زرد اور پھیکا سا لگ رہا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔" وہ اس کی محویت پر چونکیں۔

"ماما آپ بہت جلد اچھی ہو جائیں گی۔" اس نے میمونہ بیگم کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے ان سے زیادہ جیسے خود کو تسلی دی۔ تو وہ محض مسکرا دیں۔

"شہریار پریشان مت ہوا کرو، اگر تم

www.pkdigest.com

افسردہ ہوگے تو آنٹی کا خیال کون رکھے گا۔" زویا بھی اسے سمجھاتی تھی۔ مگر نہ جانے کیوں وہ مطمئن نہیں ہو پاتا تھا کس انہونے لمحے کی خاموش چاپ اسے ہر لمحہ فوفزدہ کرتی تھی۔ وہ راتوں کو سو نہیں پاتا تھا۔

کبھی کو رات وہ آرام سے سو جاتی تھیں ورنہ دن رات ان کی دود میں ڈوبی آہیں، شہریار سے برداشت کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ ان کی صحت مزید ڈاؤن ہوتی جارہی تھی۔

☆.....☆.....☆

"زویا اگر تم نہ ہوتی تو میں اکیلا کیسے ماما کا خیال رکھتا۔" زویا ابھی ابھی میمونہ آنٹی کو ناشتہ کروا کر کچن میں آئی تھی۔ شہریار کا انداز ممنونیت اور تشکر کے جذبات سے لبریز تھا۔

"مجھے فارمیلیٹز پسند نہیں۔" زویا نے خفگی سے اسے گھورا پھر چائے کے دو کپ لے کر اس کے ساتھ ڈائیننگ چیئر پر آبیٹھی۔

"اب مجھے بتاؤ کہ تم اتنے پریشان کیوں ہو۔" زویا نے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا وہ اسے ہر وقت الجھا الجھا سا نظر آتا تھا۔

"نہیں، کوئی بات نہیں۔" وہ ٹالنے کی کوشش میں تھا۔

"میں کیا تمہیں شکل سے بیوقوف لگتی ہوں یا پھر تم اپنی پرابلمز مجھ سے شیئر نہیں کرنا چاہتے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔"

"تو پھر جو بات ہے وہ بتاؤ۔" اس نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"میں ماما کی وجہ سے پریشان ہوں۔ تم نے آج دیکھا ہے نا انہیں وہ تو مجھے پہلے سے بھی زیادہ بیمار لگتی ہیں۔" وہ بے دردی سے نچلا لب کچلتا زویا کو اذیت اور بے بسی کی انتہاؤں پر محسوس ہوا تھا وہ اس کا درد سمجھ سکتی تھی مگر اس کی اذیت دور کرنا اس کے اختیار میں نہیں تھا۔

اس لمحے اسے کسی کے ہلکا ہلکا کرہنے کی آواز آئی وہ دونوں بھاگ کر میمونہ آنٹی کے بیڈروم کی جانب لپکے۔ شہریار تو دروازے میں ہی رک گیا تھا زویا جلدی سے آگے بڑھی وہ مسلسل خون کی الٹیاں کرتی جارہی تھیں۔

"شہریار آنٹی کو فوراً ہاسپٹل لے جانا ہوگا۔" زویا نے ان کو سنبھالتے ہوئے ساکت کھڑے شہریار کو آواز دی۔ تو وہ فوراً ٹیکسی لینے بھاگا۔

وہ اور شہریار انہیں سہارا دے کر ٹیکسی تک لائے تھے زویا نے احتیاط سے انہیں اندر بیٹھا کر ماما کو آواز دی اگلے ہی لمحے وہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔

مگر ہاسپٹل پہنچنے سے پہلے ہی وہ داغ مفارقت دے گئی تھیں ان کا ٹھنڈا برف ہاتھ ساکت ہو کر زویا کے ہاتھوں سے گر گیا۔

☆.....☆.....☆

آج بہت دنوں بعد وہ ان کے گھر آئی تھی سب مہمان جا چکے تھے بس اس کی بڑی خالہ تھیں وہ بھی کل صبح کی فلائیٹ سے واپس چلی گئی تھیں اسے گھر میں ایک عجیب سے خالی پن کا احساس ہوا۔ اتنا ویران اور اجاڑ تو یہ تب بھی نہیں لگتا تھا جب وہ لوگ یہاں نہیں رہتے تھے۔

شہریار کے روم کے ادھ کھلے دروازے سے اس نے اندر جھانکا وہ بیڈ پر چت لیٹا چھت پر جھولتے فانوس کو گھور رہا تھا زویا کے قدموں کی آہٹ اور اس کی پلکوں کی سرسراہٹ پر ذرا سا نظروں کا زاویہ موڑ کر اسے دیکھا اور ہلکا سا مسکراتے ہوئے اٹھ کر سیدھا ہو بیٹھا۔

وہ زویا کو بہت کمزور اور نڈھال سا لگ رہا تھا۔

وہ خاموشی سے بیڈ کے پاس رکھی بید کی کرسی گھسیٹ کر بیٹھی گئی کچھ لمحے دونوں کے مابین خاموشی حائل رہی پھر اسے شہریار کی آواز نے

توڑا۔ "کیسی ہو؟"

"اچھی ہوں۔" اس نے ایک لمحے کا توقف کیا۔ "مگر تمہیں کیا ہوا ہے۔" اس کے بکھرے بکھرے سے حلیے اور سرخ متورم آنکھوں پر زویا کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

"کچھ نہیں بس ہلکا سا ٹمپریچر ہے۔" وہ نقاہت سے بولا وہ کرسی سے اٹھ کر اس کے قریب آبیٹھی اور کسی ماہر فزیشن کی طرح اس کی کلائی تھام کر ٹمپریچر چیک کرنا چاہا مگر اسے لگا جیسے اس کی کوئی انگارہ چھو لیا ہو۔ وہ بری طرح سے بخار میں تپ رہا تھا۔

زویا نے ملامت بھری نظروں سے اسے گھورتے ہوئے پیشانی پر ہاتھ رکھا تو وہ اس کی اس درجہ سادگی پر مسکرا دیا۔ "کیا کر رہی ہو؟ کچھ نہیں ہوا مجھے۔" شہریار نے اپنی پیشانی پر رکھا اس کا ہاتھ دھیرے سے تھام لیا۔

"تم نے میڈیسن کیوں نہیں لا لی۔"

"میرا ڈاکٹرز آ گیا ہے نا اب کسی میڈیسن کی ضرورت نہیں۔" اس کی گہری نظروں پر اس نے کرنظروں کا زاویہ بدلا۔

"اگر آج میڈیسن نہیں لائے تو بس پھر مجھ سے بات مت کرنا۔"

"ارے نہیں یار تم روٹھنے کی تیاری نہ کرو میں پہلے ہی بہت تنہا اور اکیلا ہو چکا ہوں۔ جانتی ہو پر خاموشی اور اس گھر کی ویرانی میرے لیے اک سزا بن چکی ہے وحشت ہونے لگی ہے مجھے اپنی تنہائیوں سے، میں لہروں اس کمرے میں بیٹھا رہتا ہوں کہیں سے کوئی آواز کوئی صدا نہیں آئی۔"

وہ ازردہ لہجے میں کہتے کہتے اچانک رک گیا۔

"میں تمہارا یہ اکیلا پن اور تمہارا ہر درد بانٹنا چاہتی ہوں شہریار۔"

"پگلی۔" شہریار نے اس بالوں کی ایک آوارہ لٹ کھینچی۔

"میں نے تو تمہارے لیے سات جہاں کی خوشیاں سنبھال کر رکھی ہیں اور جانتی ہو ماما نے کیا کہا تھا؟"

زویا نے متجسس نظروں سے اسے دیکھا۔

"ماما نے کہا تھا زویا کو ہمیشہ خوش رکھنا۔" میمونہ آنٹی کی یاد پر زوہا کی پلکیں پھر سے نم ہونے لگی تھیں۔

"آئی لو یو زویا..... آئی لو پو سو مچ۔" شہریار نے اس کی پلکوں پر چمکتے اس واحد قطرے کو اپنی پوروں پر چنتے پورے دل سے اقرار کیا۔

اس نے سوچا تھا وہ آج کل میں ماما سے بات کرے گی مگر اس سے پہلے ہی اس کے لیے ایک ڈاکٹر کا پرپوزل آ چکا تھا بقول سوہا کے ان خاتون نے تمہیں مائرہ کے گھر پارٹی میں دیکھا تھا۔ جبکہ ذہین پر لاکھ زور ڈالنے پر بھی اسے ایسی کوئی خاتون یاد نہیں آئی تھیں جو اس پارٹی میں اس پر فریفتہ ہو چکی ہو اور پچھلے دنوں وہ اتنی ڈسٹرب رہی تھی کہ اسے اپنا ہوش تک نہیں تھا اردگرد کا دھیان کیا رکھتی سوہا نے تو بتایا تھا کہ وہ خاتون دو بار ہمارے گھر بھی آ چکی ہے مصطفیٰ زیدی صاحب نے لڑکے اور اس کی فیملی سے متعلق اپنی بساط کے مطابق تمام تر معلومات بھی کروالی تھیں اور وہ خاصے مطمئن بھی تھے اس رشتے پر..... بس وہی تھی جو تمام صورتحال سے اب تک بے خبر تھی۔

☆.....☆.....☆

"زویا یہاں آؤ مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" وہ اپنی اور سوہا کی مشترکہ الماری سیٹ کر رہی تھی جب ماما نے بیڈ کے ایک کنارے پر ٹکتے ہوئے اسے پاس بلایا وہ حیرت سے ان کے تاثرات ملاحظہ کرتی اپنا کام ادھورا چھوڑ کر ان کے برابر آبیٹھی میگزین کا مطالعہ کرتی سوہا نے شرارت سے اسے دیکھا تھا۔

www.pkdigest.com

"جی ماما۔" اس نے ماما کو دیکھا جن کا موڈ آج کافی خوشگوار تھا اس نے سوچا وہ آج ان سے شہریار کے متعلق بات کرے گی۔

"بیٹا ہم نے تمہارے لیے ایک لڑکا دیکھا ہے۔" انہوں نے بنا کسی تمہید کے بات کا آغاز کیا۔

"لڑکا ڈاکٹر ہے، فیملی بھی بہت اچھی ہے تمہارے پاپا نے ساری معلومات کروالیں ہیں جمعہ کے روز وہ لوگ باقاعدہ پرپوزل لے کر آرہے ہیں انہیں تو بس ہماری جانب سے ہاں کا انتظار ہے تمہارے پاپا اور مجھے تو کوئی اعتراض نہیں بس تم خود کو ذہنی طور پر تیار کرلو۔" گویا وہ اس کی رائے طلب کرنے نہیں بلکہ اپنی رائے سے آگاہ کرنے آئی تھیں۔ اس نے اور سوہا نے حیرت سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ اڑتی خبر تو اسے بھی ملی تھی لیکن اس نے بات کو بہت سرسری سا لیا تھا صورتحال کی گھمبیرتا کا احساس تو اسے اب ہو رہا تھا۔

سوہا نے اس کہنی مارتے ہوئے بولنے پر اکسایا۔

"کچھ کہنا ہے۔" ماما نے اس کا تذبذب بھانپ لیا تھا۔

"ماما وہ....." اس سے بات کرنا مشکل ہو رہا تھا اس کی نظریں اپنے ہاتھوں پر جم گئیں آمینہ بیگم منتظر تھیں سوہا کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے اتنی نازک سچویشن میں بھی اسے مراقبے سوجھ رہے تھے۔

"ہاں..... ہاں بولو۔" سوہا کی آواز پر اس کا کچھ حوصلہ بڑھا۔

"ماما میں شہریار سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔" اٹک اٹک کر وہ بمشکل اپنا مدعا بیان کر پائی۔

"شہریار سے۔" ماما نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔

"جی۔" اب کی بار اس کا لہجہ پہلے کی طرح لڑکھڑایا نہیں تھا۔

"ہرگز نہیں۔" ان کی درشت آواز پر زویا کا دل دھک سے رہ گیا اسے انکار کی توقع نہیں تھی کہ اتنا شدید ردعمل۔

"تمہاری شادی ڈاکٹر عماد سے ہی ہوگی۔" وہ دو ٹوک الفاظ میں کہتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ماما جب وہ شہری بھائی کے ساتھ خوش ہے تو آپ اس کے ساتھ زبردستی کیوں کر رہی ہیں شادی ایک خوشی کا نام ہے مجبوری کا بندھن نہیں جو گلے مس رساڈال کہ بھی نبھانا پڑے۔

آپ کو اپنی بیٹی کی خوشی میں خوش ہونا چاہیے والدین اولاد کا بھلا کرتے ہیں لیکن یہ کیسا بھلا ہے جو آپ کی بیٹی کو زندہ در گور کردے جو اس سے خوش ہونے کا حق چھین لے۔ زندگی اسے گزارنی ہے سو اپنے ہم سفر کا انتخاب بھی اسے کرنے دیجیے۔" وہ تو مہر بہ لب تھی مگر سوہا نے خوب جانفشانی سے اس کا مقدمہ لڑا تھا۔ امینہ بیگم جاتے جاتے پھر سے پلٹ کر زویا کے قریب آ بیٹھیں۔

"زویا تم ایک بار ڈاکٹر عماد سے مل لو وہ تمہیں ضرور پسند آجائے گا۔"

"ماما میں اس کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔" وہ بول کر خاموش ہوئی تو سوہا نے داد بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"اچھا میں تمہارے پاپا سے بات کرتی ہوں۔" وہ اس کی دوٹوک انداز اور مضبوط لہجے پر اٹھ کر چلی گئیں آج سنڈے تھا اس لیے مصطفیٰ زیدی صاحب گھر میں ہی تھے۔ سوہا کچھ سوچنے لگی۔

"سوہا پاپا مان جائیں گے نا۔" زویا نے اسے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"تمہاری زبان تو جیسے ہر معاملے میں کنگ ہو جاتی ہے بندہ کم از کم اپنے حق کے لیے تو بولے۔" سوہا کے ملامت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ڈانٹا۔

"اور اب خدا کے لیے پاپا کے سامنے گونگے کا گڑ کھا کر مت بیٹھ جانا وہ کوئی آدم خود نہیں ہیں جو تمہیں کھا جائیں گے۔" ابھی وہ اپنی تمام تر ہمتیں مجتمع کرتی خود کو بولنے پر آمادہ کر ہی پائی تھی۔ کہ ماما مصطفیٰ زیدی صاحب کا پیغام لیے چلی آئیں۔ جواب طلبی کا وقت آگیا تھا اس نے مدد طلب نظروں سے سوہا کو دیکھا۔

"تمہارے پاپا نے صرف تمہیں بلایا ہے جاؤ ان کی بات سن آؤ۔" ماما نے شاید اس کی نظروں کا اشارہ سمجھ لیا تھا۔ سوہا نے جان کر خود کو کتاب میں گم کرلیا جیسے اس سارے معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔

"ماما آپ میری فیور کریں گی نا۔" کچھ بھی تھا لیکن پاپا کے سامنے اپنے منہ سے شادی کی بات..... اسے بہت الجھن ہونے لگی تھی۔

"مجھے جو فیور کرنا تھی کر کہ دی اب تم جانو اور تمہارا باپ۔" ماما کی لگتا تھا خوب خاطر ہوئی تھی جو وہ اتنے غصے میں بول رہی تھیں وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی لاؤنج میں چلی آئی۔

پاپا نے اسے دیکھتے ہی ہاتھ میں پکڑی کتاب ایک جانب رکھ دی تھی اور سیدھے ہو بیٹھے۔

"بیٹھ جاؤ۔" ان کی سرد آواز لاؤنج کی خاموش فضا میں گونجی اس نے بیٹھنے میں ایک لمحے کی تاخیر نہ کی تھی مزید دو منٹ کھڑی رہتی تو یقیناً اب تک گر جاتی۔

"بہت خوب، یہ میں کیا سن رہا ہوں..... مجھے تم سے یہ امید ہرگز نہیں تھی۔" طنز میں لپٹے فقرے اس کی سماعتوں سے ٹکرائے۔

"پاپا میں نے ایسا کیا کردیا ہے۔" اس کا احتجاج بلند ہوا۔

"تم ڈاکٹر عماد پر شہریار کو ترجیح دے رہی ہو کیا دے سکتا ہے وہ تمہیں؟"

"محبت..... بے پناہ محبت۔" اس نے دل میں کہا اور نظریں جھکالیں۔

"تین مرلے کا گھر ہے اس کا ادھوری تعلیم اور بغیر نوکری کے وہ تو ابھی خود کے بھی قابل نہیں ہے۔ تمہارا بوجھ کیا اٹھائے گا۔ دیکھ بیٹا تم مجھے بہت عزیز ہو تمہاری پسند اگر کسی لائق ہوتی تو میں اسے اپنی مرضی پر ترجیح ضرور دیتا۔ مگر اب میں تمہیں ایسی حماقت کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا جو تمہاری زندگی برباد کردے۔" زویا نے تڑپ کر سر اوپر اٹھایا اور نظریں شہریار کے دھواں دھواں ہوتے چہرے پر جم گئیں۔ زویا نے کچھ کہنے کو لب وا کیے ہی تھے کہ وہ بول پڑا۔

"انکل میں مانتا ہوں کہ میں ابھی زویا کے قابل نہیں ہوں لیکن آپ مجھے صرف دو سال کا وقت دیں میں زویا کو گھر گاڑی نوکر اور زندگی کی ہر آسائش دوں گا اور اگر میں اس میں کامیاب نہ ہو سکا تو جو آپ کا فیصلہ ہو ہم دونوں اس پر سر جھکائیں گے لیکن آپ سے اتنی ریکوسٹ ہے کہ پلیز مجھے ایک چانس دے دیں۔" وہ مصطفیٰ زیدی صاحب کے قدموں میں بیٹھا بڑی آس اور منت بھرے لہجے میں بول رہا تھا اس کی آنکھوں میں چمکتے آنسوؤں کے قطرے اس کے دل میں چھپا درد افشا کر رہے تھے۔ مصطفیٰ زیدی صاحب نے اپنی بیٹی کو دیکھا۔

وہ سرتاپا سوال بنی کھڑی تھی۔ وہ اس لمحے دونوں کی آنکھوں میں اک انجانا سا خوف دیکھ رہے تھے ایک دوسرے کو کھو دینے کا خوف.....

وہ اپنے فیصلے دوبارہ غور کرنے پر مجبور ہو گئے انہیں شہریار سے کوئی بغض نہیں تھا لیکن اس کی مالی کنڈیشن اس وقت کسی قابل نہیں تھی اور پھر دو سال کا وقت.....

www.pkdigest.com

ان کا دماغ کچھ سوچنے لگا کہ یقیناً یہ گھاٹے کا سودا نہیں تھا زویا کی کون سی عمر نکلی جارہی تھی اور اگر شہریار دو سال میں اپنے وعدے کے مطابق اپنے قدموں پر اسٹینڈ ہو جاتا ہے تو ٹھیک ورنہ دوسری صورت میں شہریار سے بہتر کئی مل جائیں گے۔

شہریار نے ان کی گومگوسی کیفیت پر دل میں جانے اس وقت کتنی ہی منتیں مانگ ڈالی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔" انہوں نے شہریار کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی رضامندی دی تو زویا کو ایسا لگا جیسے انہوں نے صلیب پر لٹک کر موت کا انتظار کرتے شخص کو زندگی کا حوصلہ سنا دیا ہو خوشی کی ایک انوکھی، دلفریب لہر اسے اندر تک سرشار کر گئی تھی۔

"تھینک یو انکل..... تھینک یو سو مچ۔"

شہریار نے بڑی عقیدت ان کے ہاتھ چومے تو مصطفیٰ زیدی صاحب کے دل سے کا سارا بوجھ سرک گیا۔ وہ چپکے سے کھسک کر اندر کمرے میں بھاگ گئی۔ جہاں سوہا پہلے سے اس کی منتظر تھی۔

"کیا بنا؟" زویا کی چمکتی آنکھوں اور دمکتے چہرے کو دیکھ کر اسے اپنا سوال بے معنی سا لگا مگر پھر بھی اس نے پوچھ ہی لیا۔

"شہریار نے کہا کہ وہ دو سال میں ام....." جانے کیا ہوا تھا کہ وہ بے تحاشا جوش میں بولتے بولتے اچانک رک گئی اس کی ساری خوشی پل میں دھواں ہو چکی تھی اس نے اسی وقت اس کا نمبر ڈائل کیا۔ "شہریار یہ کیا کیا تم نے؟"

"تمہیں خوشی نہیں ہو رہی؟" مسرور سا سوال آیا۔

"ایسی خوشی کا کیا فائدہ جو بس دو پل کی مہمان ہو تم اب کیا کرو گے دو سال میں کیا تمہارا کوئی پرانا بانڈ نکلنے والا ہے۔"

"یہ تو مجھے بھی نہیں پتہ کہ میں کیا کرنے والا ہوں ابھی تو تم ان خوبصورت لمحوں کو انجوائے کرو اور مجھے بھی کرنے دو۔" ٹوں ٹوں کی آواز کے بعد سیل خاموش ہو چکا تھا۔

"یہ کیا پاگل ہے۔" وہ سیل کو گھورتی سخت کوفت کے عالم میں سوچنے لگی کہ وہ ایسا کیا کرنے والا ہے۔

☆.....☆.....☆

"اندر آجاؤ باہر بہت ٹھنڈی ہوا ہے تمہاری تو قلفی جم جائے گی۔" وہ اس سے بات کرتا خود مسلسل کانپ رہا تھا جانے کب سے باہر کھڑا تھا اس کی شرٹ پر بارش کی چند بوندوں کے نشان صاف دکھائی دے رہے تھے۔ وہ آج اسے پورے دس روز کے بعد دیکھ رہی تھی اتنے دنوں سے وہ نہ جانے کن چکروں میں پڑا تھا۔ جو اس سے مکمل بات چیت بند کر رکھی تھی۔

"تم کہیں جارہے ہو؟" اس نے وہیں دہلیز پر رک کر پوچھا سامنے بیڈ پر ایک بڑا سوٹ کیس تیار رکھا تھا۔

"ہاں۔" وہ مختصر جواب دے کر ادھر ادھر نہ جانے کیا تلاشنے لگا تھا اور زویا تو جیسے اپنی جگہ ساکت ہو چکی تھی۔

"کہاں جارہے ہو۔" کتنے ہی واہموں اور اندیشوں نے اس کی اندر سر اٹھایا تھا۔

"انگلینڈ۔" وہ نظریں چرا کر بولا اس نے سوچا تھا وہ اسے سنبھالے گا مگر..... انگلینڈ کا نام سنتے ہی اس کی کانچ سی نیلی آنکھوں کے کٹورے لبالب آنسوؤں سے بھر گئے تھے۔

"زویا پلیز سمجھنے کی کوشش کرو ہمارے اچھے مستقبل کے لیے....."

"مجھے چھوڑ کر جارہے ہو۔" زویا نے گویا اس کی بات سنی ہی نہیں تھی۔

"تمہیں پانے کے لیے جارہا ہوں۔" وہ نرمی سے گویا ہوا۔

"تم میرے لیے اپنا گھر، یہ ملک سب

www.pkdigest.com

چھوڑ رہے ہو۔" وہ کہنا چاہتی تھی۔

"مت جاؤ مجھے نہیں چاہیے وہ ساری آسائشیں وہ گھر وہ گاڑی وہ نوکر چاکر وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ اسے ان سب چیزوں کی ضرورت نہیں ہے وہ اس کے ساتھ اس چھوٹے سے گھر میں بھی بہت خوشی سے رہ سکتی ہے۔ بس تم مجھے سے دور مت جاؤ۔" مگر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی وہ پاپا سے کیے وعدے کا پابند ہو چکا تھا اور ایسے پاپا پر غصہ آرہا تھا جنہوں نے اس کی شرافت اس کے کردار اور شخصیت کو دولت کے پلڑے میں رکھ کر تولا تھا۔ وہ بہت سادہ تھی اور سادہ طرز زندگی کو ترجیح دیتی تھی۔ بڑے بڑے محل نما گھر، نوکر چاکر، گاڑیاں اور بے تحاشا دولت کبھی بھی اس کا خواب نہیں رہا تھا۔

وہ دونوں پورے روال ڈیم کا چکر لگا کر بوٹنگ کرنے کے بعد ہاتھوں میں آئسکریم کون پکڑے واپس بھی آچکے تھے اور زویا ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔ مائرہ سے شرارت سے اس کے کان میں ہاؤ کیا تھا جس پر وہ اپنی جگہ اچھل کر رہ گئی۔

"کہاں تم تھی تم، یہ لو ہم تمہارے لیے آئسکری لائے ہیں۔" مائرہ نے اس کے ڈرنے کو خاصا انجوائے کرتے ہوئے آئسکریم اس کی جانب بڑھائی جس پر زویا اسے محض گھور کر رہ گئی تھی۔

"اب چلیں؟"

"اب جب آئے ہیں تو ڈنر کر ہی جائیں گے۔" مائرہ نے مسکراتے ہوئے اگلے پروگرام سے آگاہ کیا جس کی تائید فیضان نے بھی کی تھی اور اس کے پاس دونوں کے ساتھ چلنے کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

"مائرہ تمہاری اس دوست کے ساتھ کیا پرابلم ہے۔" وہ دونوں لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے فیضی کے وہاں آنے سے قبل مائرہ کے ساتھ زویا بیٹھی تھی جو اسے اس جانب آتا دیکھ کر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی اس نے اپنی چھبیس سالہ زندگی میں ایسی لڑکی نہیں دیکھی تھی اتنی محتاط اس قدر گریزپا۔ کبھی تو وہ اس کی ایسی حرکتوں پر جھنجھلا جاتا تھا۔

"کیوں کیا ہوا۔" مائرہ اس کی جھلاہٹ پر چونک کر اس جانب متوجہ ہوئی۔

"میں نے آج تک کس لڑکی کو اتنا گم صم اور اداس نہیں دیکھا اور خود سے لاتعلق کی حد تو یہ ہے کہ اس روز محترمہ نے ساری رات کرسی پر بیٹھ کر گذاری بنیادی تھی تم سے کسی سائیکاٹرسٹ کو کیوں نہیں دکھاتی یہ تو مجھے کیس لگتی ہے۔" وہ اپنی جھلاہٹ پر قابو پاتا فورا سنجیدہ ہوا مائرہ آج ہی تو اس ٹاپک پر بات کرنے میں آمادہ نظر آرہی تھی ورنہ وہ جب بھی کچھ پوچھنا چاہتا وہ یا تو موضوع بدل دیتی یا پھر بات کو ہنس کر چٹکیوں میں اڑا دیتی۔ وہ جانتی تھی زویا کو ہمدردی سے سخت چڑ ہے اور اسے بالکل پسند نہیں تھا کہ اس ذات کو کس سے ڈسکس کیا جائے۔

"وہ ایسی نہیں ہوا کرتی تھی مگر اس حادثے نے اسے توڑ کر رکھ دیا ہے مگر پھر بھی میں اس کے حوصلے اور صبر کی داد دوں گی میں نے آج تک زویا سے زیادہ باہمت اور حوصلہ مند لڑکی نہیں دیکھی اگر یہ سب میرے ساتھ ہوا ہوتا تو میں اتنی بہادری سے حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی اور پھر وہ حادثہ اس قدر اچانک رونما ہوا تھا وہ پورے دو ماہ تو وہ کومہ میں رہی تھی ہم تو اس جانب سے مکمل مایوس ہو چکے تھے کہ اب وہ کبھی ہوش میں آئے گی بھی یا نہیں۔" مائرہ نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

"کیسا حادثہ؟" اس کی کھوئی کھوئی سی کیفیت کو نوٹ کرتے ہوئے فیضی نے بے تابی سے پوچھا۔

www.pkdigest.com

"وہ گیارہ دسمبر کی شام تھی زویا کے ماما، پاپا اور سوہا ایک شادی میں شرکت کرنے گاؤں گئے تھے جب وہاں سے واپس پر ان کی موٹر سائیکل کو کوئی گاڑی ہٹ کرتی گزر گئی۔ جانتے ہو سرد ٹھٹھرتی ہوئی رات میں بے یار و مددگار وہ زخموں سے چور اسی سڑک پر پڑے رہے ان کے زخم اتنے شدید نہیں تھے۔ اگر بروقت طبی امداد مل جاتی تو ان کی جان بچ سکتی تھی مگر......" کچھ کہتے کہتے اس نے سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔

"وہ ایک شخص تین زندگیوں کا قاتل ہے۔" مائرہ نفرت سے کہا اور دونوں مگ ٹرے میں رکھ کر اندر چلی گئی اور فیضان حسن کو لگا اس کا وجود کہیں ہواؤں میں معلق ہو گیا ہے۔

وہ سرد رات اپنی تمام جزئیات کے ساتھ اس کے تصور میں ابھر آئی تھی۔

☆......☆......☆

آج سے ڈیڑھ سال پہلے وہ پاکستان کسی اہم پروجیکٹ کے سلسلے میں آیا تھا اور اس رات اپنا کام مکمل کرنے کے بعد واپس جا رہا تھا اس کا ایک ساتھی اپنی جیپ میں اسے سی آف کرنے ایئر پورٹ ساتھ آیا تھا۔ جب راستے میں اس کی غلطی کی وجہ سے سامنے سے آتی موٹر سائیکل اور اس کے سوار الٹ کر دور جا کرے تھے اور ان کی جیپ کچھ دور جا کر اک جھٹکے سے رک گئی۔ وہ ابھی تک شاک میں تھا کہ اچانک یہ سب کیسے ہو گیا تھا۔ حواس قابو میں آتے ہی اس نے جیپ سے اترنا چاہا جب عاقب بول پڑا۔

"سر کہاں جا رہے ہیں آپ؟"

"جلدی اترو ان لوگوں کو ہاسپٹل پہنچانا ہوگا۔"

"چھوڑیں سر آپ کن چکروں میں پڑ رہے ہیں اور پھر یہ تو اچھا خاصا پولیس کیس ہے آپ اس ملک کا قانون نہیں جانتے مدد کرنے جائیں گے اور الٹا پھنس جائیں گے اور پھر آپ کی فلائیٹ کا وقت ہو رہا ہے انہیں کوئی اور دیکھ لے گا آپ چلیں۔" عاقب نے اسے واپس گاڑی میں بیٹھا کر خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔

مگر وہ راستہ بھر خود کو ملامت کرتا رہا تھا کچھ دور جا کر اس نے عاقب سے گاڑی واپس موڑنے کو کہا تو وہ بولا۔

"سر ایئر پورٹ اب زیادہ دور نہیں ہے ان چکروں میں پڑ کر آپ کی فلائیٹ مس ہو جائے گی پھر اب تک کسی نہ کسی ان کو ہوسپٹل پہنچا دیا ہوگا آپ ٹینشن نہ لیں۔" اور وہ مطمئن ہو گیا تھا اسے نہیں پتہ تھا کہ عاقب نے محض اسے ٹالا ہے۔

"تو کیا ان اداس آنکھوں کا مجرم میں ہوں میری وجہ سے وہ اپنا سب کچھ کھو کر دوسروں کے در پر پڑی ہے میری وجہ سے ایک ہنستا بستا گھر اجڑ گیا اور مجھے کبھی احساس بھی نہیں ہوا۔"

آگہی واقعی کسی عذاب سے کم نہیں ہوتی سب جان لینے کے بعد وہ بھی ایسے ہی عذاب سے دو چار ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

سنو
یہ خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں
کسی کے لوٹ آنے کا
تو پھر لفظوں میں کیسے لکھ سکیں گے
اس کی آمد کی کہانی کو
وفا کی حکمرانی کو

ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کی نظریں وال کلاک پر بھٹک رہی تھیں مگر وقت تھا کہ گزر ہی نہیں رہا تھا لمحے ساکت ہو چکے تھے یا وقت کی گردش تھم چکی تھی۔ صبح سے شام کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

"یا اللہ آج کے دن کو چھوٹا کر دے۔" وہ بے چینی سے لان میں ٹہلتے ہوئے دعائیں کر رہی تھی۔

"کیا بات ہے آج بڑی خوش نظر آ رہی ہو۔" مائرہ چائے کے دو مگ لائی تھی ایک اس کی جانب بڑھاتے ہوئے خوشدلی سے بولی۔

"آج وہ واپس آ رہا ہے۔" زویا اپنی خوشی میں اسے بھی پکڑ کر گھما ڈالا تھا۔

"اسی لیے تمہارا وقت نہیں گزر رہا تم ایسا کرو میری اسائنمنٹ بنا دو لکھ وہ اسی بہانے ٹائم پاس ہو جائے گا۔" وہ زیر لب مسکراتے ہوئے شرارت سے بولی جس پر زویا نے ایک پل کو اسے گھورا اور اگلے ہی لمحے کچھ خیال آنے پر چونکی۔

"ابھی تو مجھے اپنا حلیہ بھی درست کرنا ہے میں فریش ہو کر آتی ہوں۔" وہ جانے والی تھی جب مائرہ نے اس کی کلائی پکڑ کر روکا۔

"کتنے بجے کی فلائیٹ سے آ رہے ہیں موصوف۔"

"شام چھ بجے۔" اس پر آج بوکھلاہٹیں سوار تھیں مائرہ نے اپنی ریسٹ واچ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرائی۔

"دیکھو ابھی صرف گیارہ بجے ہیں۔" اور وہ سر کھجاتے ہوئے واپس بیٹھ گئی۔ اس کے دل دھڑکنیں بتدریج بڑھتی ہی جا رہی تھیں۔

پھر چھ سے آٹھ...... آٹھ سے بارہ...... بارہ سے تین اور اس طرح پوری رات بیت گئی تھی مگر وہ نہ آیا اور نہ اس کا کوئی پیغام۔ وہ سیل فون ہاتھ میں لیے کوئی ہزاروں بار ٹرائی کر چکی تھی مگر رابطہ نہیں ہو رہا تھا چاند کب کا ڈوب چکا تھا پھر افق سے طلوع ہوتے سورج کو دیکھا جو کہ دھیرے دھیرے چلتا وہ بھی مغرب کے کنارے جا کھڑا ہوا شام ایک بار پھر دریچے میں آ کر ٹھہری تھی۔ اسے شہریار کا رویہ ویسے بھی کچھ دنوں سے روکھا، پھیکا اور بیزار سا لگ رہا تھا اس نے آنے کی خبر دی تھی مگر اس کے انداز میں ہمیشہ کی طرح کوئی گرمجوشی یا پھر والہانہ پن نہیں تھا۔ زویا نے اپنا وہم خیال کرتے ہوئے وقتی طور پر سر جھٹک دیا تھا مگر اب طرح طرح کے وسوسے، وہم اور اندیشے دل کو ہولا رہے تھے۔

اس کے خیالات کی رو ہوئی جانے کس سمت جا رہی تھی جب سیل فون کی بیل نے اسے چونکایا چمکتے لفظوں شہریار کالنگ سکرین پر ابھر رہا تھا۔

"کہاں ہو تم کل سے، نہ کوئی خبر نہ اطلاع اوپر سے سیل بھی آف کر رکھا ہے جانتے ہو کسی قدر پریشان ہو رہی تھی میں۔" وہ اس کی آواز سنتے ہی پھٹ پڑی تھی۔

"تم ابھی مجھ سے ملنے آ سکتی ہو کیا؟" دوسری جانب سرد آواز میں استفسار کیا گیا تو وہ اپنی جگہ ٹھٹھک سی گئی۔

"کیا ہوا خیریت تو ہے۔" مگر دوسری جانب اس کا جواب کال ڈسکنیکٹ ہو چکی تھی وہ کچھ الجھی ہوئی مائرہ کو بتا کر گھر سے باہر نکلی آئی پارک زیادہ دور نہیں تھا اس نے پیدل جانے کا سوچا مگر پندرہ منٹ کی مسافت بھی آج اسے صدیوں سے لمبی محسوس ہو رہی تھی سو اس نے واپس آ کر گاڑی نکال لی۔

☆......☆......☆

وہ گیٹ کے اندر کھڑا اسی کا ویٹ کر رہا تھا وہ ایک شاندار سی گاڑی سے باہر نکلی تھی ہلکا فیروزی اور ریڈ کنٹراسٹ میں وہ کتنی سادہ اور پرکشش لگ رہی تھی اسے دیکھتے ہی شہریار کی آنکھوں میں ایک سی چمک ابھر آئی تھی۔

زویا اس کے قریب آتے ہوئے ایک دلکش سی مسکراہٹ کے ساتھ "سلام" کیا جس کا جواب شہریار نے ہلکے سے سر ہلا کر دیا تھا دونوں بجری کی طویل روش پر ساتھ ساتھ چلنے لگے دونوں کے مابین خاموشی حائل تھی جسے اتنے لمبے راستے میں کسی فریق نے نہیں توڑا تھا۔

www.pkdigest.com

سامنے ایک بڑا درخت تھا شہریار اس کے ساتھ ٹیک لگا کر رک گیا زویا کے قدم بھی وہیں تھم گئے تھے۔

وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اسے دیکھ رہا تھا وہ اپنے پلو کو انگلیوں پر لپیٹتی نظریں جھکائیں کھڑی تھی۔ اسے شہریار کے بدلے بدلے سے انداز و اطوار تشویش میں مبتلا کیے دے رہے تھے وہ اس سے لڑنا چاہتی تھی اس پر بگڑنا چاہتی تھی۔ مگر وہ کیسا اجنبی بن کر لاتعلق سے سا کھڑا تھا۔

"تم فیضان حسن کو جانتی ہو۔" شہریار نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے براہ راست استفسار کیا۔

"ہاں جانتی ہو۔" وہ سرسری انداز میں بولی مگر شہریار کا لہجہ سرسری نہیں تھا۔

"کیسے؟" اگلا سوال زویا کے لیے قدرے غیر متوقع تھا وہ کچھ پل حیرت سے اسے دیکھتی رہی۔

"آئی مین کس حوالے سے؟" اب کی بار شاید اس نے اپنے سوال کو آسان بنا کر پیش کیا تھا۔

"وہ مائرہ کا کزن ہے۔"

"تم جس گھر میں اتنے عرصے سے رہ رہی ہو وہ بھی وہاں رہتا ہے۔"

"ظاہر ہے۔" اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"تم جانتی ہو وہ تم میں انٹرسٹڈ ہے۔"

"شہریار پلیز....." اس کا انداز زویا کو سرتاپا سلگا گیا تھا وہ کنزرویٹو تھا مگر اس قدر کہ کبھی اس کی وفا پر بھی شک کرے گا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

"آج ابھی اور اسی وقت ہمارا نکاح ہوگا اور تم آج کے بعد نہ تو اس گھر میں جاؤ گی نہ ان لوگوں سے کوئی رابطہ رکھو گی۔"

"شہریار یہ تم....." وہ شاک کے عالم میں اپنی جگہ کتنا رہ گئی تھی۔

"اگر تمہیں منظور ہو تو ٹھیک ورنہ تم جا سکتی ہو۔" بے لچک انداز، اٹل لہجہ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر واپس چلی آئی۔

رات دیر تک وہ شہریار کے بارے میں سوچ سوچ کر اندر ہی اندر کھولتی رہی تھی۔ وہ کیسے اس کے لیے ان سب کو چھوڑ سکتی تھی۔

جنہوں نے اسے اس وقت سہارا دیا جب وہ بالکل بے امان ہو چکی تھی اتنی محبت تو کوئی اپنوں سے بھی نہیں کرتا آنٹی کو دیکھ کو اسے کبھی ماں کی کمی کا احساس نہیں ہوتا تھا وہ مائرہ اور اس میں کبھی فرق نہیں کرتی تھیں دادا جان کو ہر وقت اس کے کھانے کی فکر..... وہ مائرہ سے نظر بچا کر اس کے لیے چیزیں لایا کرتے تھے اور انکل ہر مہینے جیب خرچ کے نام پر ایک بھاری رقم اسے تھما دیتے اور وہ انکار ہی کرتی رہ جاتی تھی۔

"زویا کیا ہوا؟" مائرہ کب سے اس کی عجیب غریب سی کیفیت دیکھ رہی تھی۔

"کچھ نہیں۔" اس نے سرتاپا چادر واوڑھ کر کروٹ بدل لی۔

☆.....☆.....☆

بہت سے دن گزر گئے وہ منتظر رہی کہ وہ منانے آئے گا اپنی اسٹوپڈ سی ڈیمانڈ پر یشمان اس سے معذرت کرے گا مگر ایسا کچھ بھی تو نہیں ہوا وہ تو جیسے ہر رابطہ توڑ کر جا چکا تھا ہر تعلق ختم کر چکا تھا اور وہ خود پہل نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ اس صورت میں اسے شہریار کی بات ماننا پڑتی۔ اپنی بے کیف اور بے زار سے دنوں میں اک عجیب سی بات ہو گئی تھی۔ فیضان حسن کا اس کے لیے پرپوزل آیا تھا رات ڈنر میں انکل نے اسے بتایا اور ساتھ ہی اس کی رائے بھی طلب کی تو وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کچھ لمحے تو بولنے کے قابل ہی نہ رہی تھی۔

مائرہ خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی مائرہ کی فیضان حسن میں دلچسپی آنٹی

کے لیے چھپی تو نہیں تھی وہ بھی چمچہ پلیٹ میں پٹخ کر مائرہ کے پیچھے چلی گئیں۔ فیضی ٹیبل پر موجود نہیں تھا۔ دادا جان اپنے کمرے میں آرام کر رہے تھے اور وہ فیضان کے پرپوزل پر نکل کو واضح انکار کرتی اٹھ کھڑی ہوئی اس نے کچھ نہیں کیا تھا نہ ہی اس معاملے سے سرے سے اس کا کوئی سروکار تھا پھر بھی وہ آنٹی اور مائرہ کی نظروں میں چور بن گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

"آپ نے میرے پرپوزل پر انکار کیوں کیا؟" شام کا وقت تھا وہ لان میں بیٹھی اپنے اپنے آشیانوں کو واپس لوٹتے پرندوں کو دیکھ رہی تھی جب فیضان حسن نے عین اس کے سر پر کھڑے ہو کر استفسار کیا۔ وہ چونک کر اس کی جانب پلٹی۔

"پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ نے میرے لیے پرپوزل کیوں بھیجا؟"

"کیونکہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔" وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ زویا نے گہری نظروں سے اس جائزہ لیا یقیناً وہ شہریار سے زیادہ خوبصورت تھا مگر دیکھنے والی نظر زویا کی تھی جن میں شہریار کے سوا کوئی اور جچتا ہی نہیں تھا۔

"کیا کر سکتے ہو میرے لیے؟" زویا نے سوالیہ نظریں اس پر ٹکا دیں۔

"جو تم کہو۔" وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

"اچھا تو پھر مائرہ سے شادی کر لو۔" اس کی فرمائش پر فیضان اپنی جگہ بے ساختہ اچھل کر رہ گیا جیسے اس کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

"یہ کیا پاگل پن ہے۔"

"محبت پاگل پن کا ہی دوسرا نام ہے اگر محبت ہے مجھ سے۔ تو یہ پاگل پن کر دکھاؤ۔" وہ بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے دو قدم پیچھے ہٹا

اس کے اندر دور تک بہت کچھ ٹوٹ گیا تھا کچھ بولنے کی کوشش میں اس کا لب محض کانپ کر رہ گے۔

زویا نے اپنا نچلا لب کاٹتے ہوئے آس بھری نظروں سے اسے دیکھا وہ کچھ نہیں تھا اس کا۔ لیکن زویا نے اس سے بہت کچھ مانگ لیا تھا۔ وہ بنا اس کی جانب دیکھے لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

"زویا تم نے مجھے میری ہی نظروں میں کتنا ارزاں کر دیا ہے۔ وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا۔" مائرہ نے دونوں کے مابین ہونے والی گفتگو سن لی تھی اور اب وہ اس بات پر خفا ہو رہی تھی۔

"فضول باتیں مت کرو۔ وہ تم سے محبت نہیں کرتا مگر تمہیں پسند تو کرتا ہے نا، اور ہم جنہیں پسند کرتے ہیں ان کے لیے فطری طور پر ہمارے دل میں محبت پہلے سے موجود ہوتی ہے تم دونوں بہت اچھے دوست ہو اور دو اچھے دوست دو بہترین ہم سفر ثابت ہو سکتے ہیں۔ تمہاری پھوپھو کل کی فلائیٹ سے آ رہی ہیں تم بس اپنی رخصتی کی تیاری کرو۔" زویا نے اس کی ایک نہیں چلنے دی تھی۔

☆.....☆.....☆

سوچا تھا اس شہر میں رہوں گا تو تمہاری یادیں تمہاری خوشبوئیں ان ہواؤں میں مہکتی تمہارا احساس دلائیں گی مگر.....

مگر اب دل چاہتا ہے یہاں سے دور چلا جاؤں کسی انجان نگر میں اجنبی لوگوں کے بیچ شاید تمہیں بھول سکوں۔

ہاں اب میں تمہیں بھول جانا چاہتا ہوں۔

یہاں رہوں گا تو کس موڑ کس راستے میں اگر تم کہیں ٹکرا گئی۔ تو میں خود روک نہیں پاؤں گا۔

تمہاری وہ حسین نیلی آنکھیں جن پر اب کسی اور کا حق ہے وہ حوالہ مجھے سے برداشت نہ ہوگا کتنی عجیب بات ہے نا، تمہیں پانے کی چاہ میں

www.pkdigest.com

پندرہ سال گزار دیئے میں نے..... اور اب تم سے بچھڑ کر تمہیں کھو دینے کے بعد.....۔

ایک..... ایک دسمبر تنہا نہیں گزرتا۔

جب سے فیضان حسن نے اسے بتایا تھا کہ وہ شادی کر رہا ہے تب سے اسے لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کے وجود سے روح کھینچ رہا ہو۔

وہ کھڑکی سے ہٹ کے اپنے بیگ میں ضروری سامان بھرنے لگا جب فیصلہ ہو چکا تو پھر یہاں رکنے کا جواز ہی کیا تھا۔ بیگ کی زپ بند کرتے اس کی نظر سامنے شلف پر رکھے تصویروں کے البم پر پڑی۔ اس نے بڑی عقیدت سے اسے اٹھا کر کھولا۔

اس البم میں اس کی اور زویا کی بچپن کی تصویریں تھیں اس کی ماما نے بتایا تھا کہ تمہارے پاپا کو فوٹو گرافی کا بڑا شوق تھا فرصت کے اوقات میں وہ تمہاری اور زویا کی تصویریں بنایا کرتے تھے۔ پہلی تصویر میں زویا بمشکل چھ ماہ کی تھی پنک فراک میں وہ گڑیا سی کشن کے سہارے بیٹھی تھی اور وہ اسی صوفے کا سہارا لیے اس کے قریب کھڑا تھا۔

اگلی تصویر اس کی زویا کی اور ماما کی تھی جہاں زویا نے پاؤں پاؤں چلنا سیکھا تھا ماما کچھ فاصلے پر بیٹھی دونوں بازو وا کیے اسے اپنی جانب بلا رہی تھی زویا نے ہنستے ہوئے ایک قدم اٹھایا تھا۔ شاید وہ ٹرکھڑا کر گرنے والی تھی جب شہریار نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

اس سے اگلی تصویر پر وہ دونوں سائیکل پر بیٹھے تھے وہ سائیکل چلا رہا تھا اور زویا پچھلی سیٹ پر بیٹھی تالیاں بجا رہی تھی۔ اس نے اگلا صفحہ الٹا۔

دونوں اسکول یونیفارم میں ملبوس کندھے پر بیگ لٹکائے ساتھ ساتھ کھڑے مسکرا رہے تھے یہ شاید ان کے سکول کا فرسٹ ڈے تھا۔

اگلی تصویر پر وہ تقریباً پانچ سال کی تھی دونوں چھوٹی سی میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھے تھے اور ماما انہیں ہوم روک کروا رہی تھی۔

پھر شہریار کی برتھ ڈے کی تصویر میں تھیں جس میں وہ سفید نیٹ کی فراک میں پرنس بنی گھوم رہی تھی۔

اگلی تصویر ان کے سکول فنکشن کی تصویر تھی جس وہ میں سرخ لہنگا پہنے مکمل دلہن بنی کھڑی تھی اور ساتھ شیروانی میں وہ کھڑا مسلسل اسے دیکھ رہا تھا شہریار نے اس کا ایک ہاتھ تھام رکھا تھا جس پر اس کی کلائیوں کی چوڑیاں چھن چھن کرتی اس کی کہنیوں تک بکھر گئی تھیں۔

اسے یاد آیا اس نے یہ تصویر زویا کو دکھا کر کہا تھا۔

''اپنی شادی پر تم اسی رنگ کا لہنگا پہننا اور میں ایسی ہی شیروانی پہنوں گا پھر ہم ان دونوں تصویروں کو بڑا کروا کہ اپنے روم میں سجائیں گے۔'' نارسائی کا کرب اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت بہہ نکلا تھا اس نے البم بند کر دیا۔

☆.....☆.....☆

ستاروں بھرا آسمان کتنا روشن اور دلکش لگ رہا تھا وہ کھڑکی میں کھڑی اپنے بخت کا۔ ستارا ڈھونڈ رہی تھی۔ جو روٹھ کر جانے کہاں جا چھپا تھا۔

''شہریار تم مجھ سے کتنی محبت کرتے ہو؟''

اپنی ہی آواز کی بازگشت اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''آسمان پر ستارے ہیں۔'' زویا نے آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھا وہ آج بھی جھلمل کرتے ویسے ہی دھک رہے تھے۔

''بہت سارے۔''

''تو ان کو کاؤنٹ کرو۔''

''میں کیسے کاؤنٹ کر سکتی ہوں وہ تو ان گنت ہیں۔''

''ایسے ہی میری محبت تمہارے لیے بے پایاں اور بے حد ہے میں بھی نہیں بتا سکتا کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں تم سمجھ لو جتنے آسمان پر ستارے ہیں اتنی..... جتنی سات سمندر کی وسعتیں ہیں اتنی..... جتنے زمین.....۔''

''او، ہو اب بس بھی کرو۔'' زویا نے ہنستے ہوئے بے ساختہ ٹوکا۔

''ہاؤ، مائرہ نے اس کے کان میں آ کر ڈرا یا تو زویا اس کے ان بچوں والی حرکت پر محض اسے گھور کر رہ گئی اور پھر یاد آنے پر بولی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' بھئی ابھی اس محترمہ کا کل ہی تو نکاح ہوا تھا اور اسے اس وقت فیضان حسن کے پاس ہونا چاہیے تھا۔

مائرہ نے اس کی حیرت کو وکا فی انجوائے کیا تھا۔

''بھئی کل تو مجھے پیا دیس چلے جانا جانا ہے تو میں آج کی رات تمہارے ساتھ گزاروں گی۔'' مائرہ نے بڑے لاڈ سے اس کے گلے میں بازو ڈالے۔ دونوں مسکراتے ہوئے بیڈ پر آ بیٹھیں۔

اگلے ہی پل فیضان بھی وہیں چلا آیا۔

''بھئی تمہاری بیگم اپنی مرضی سے یہاں آئی ہے میں نے کوئی زبردستی نہیں کی مجھے کوئی الزام مت دینا۔'' وہ فیضان کی آمد کا مقصد یہی سمجھی تھی کہ وہ شاید مائرہ کو لینے آیا ہے۔

ان کے درمیان حائل تکلف کی دیوار کو گرانے میں پہل زویا نے کی تھی کہ اس کا فیضان حسن کے ساتھ بڑا معتبر رشتہ جڑ گیا تھا۔

''زویا میں تم سے معافی مانگنے آیا ہوں۔'' اس کے آزارہ لہجے پر وہ بالکل سنجیدہ نہیں ہوئی تھی۔

''بھئی اب یہ معافیوں، تلافیوں کے کام اپنی بیگم سے کرنا مستقبل میں بہت ضرورت پڑنے والی ہے۔''

''زویا تمہارے بابا کی موٹر سائیکل۔

ابنِ انشاء کی کتابیں

طنز و مزاح۔ سفرنامے

- اُردو کی آخری کتاب
- آوارہ گرد کی ڈائری
- دُنیا گول ہے
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں
- چلتے ہو تو چین کو چلئے
- نگری نگری پھرا مسافر

شعری مجموعے

- چاند نگر
- اس بستی کے اک کوچے میں
- دلِ وحشی

طنز و مزاح

- باتیں انشا جی کی
- دخل در معقولات
- آپ سے کیا پردہ
- بقلم خود

لاہور اکیڈمی ۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور

www.pkdigest.com

نے یہ سب جان بوجھ کر نہیں کیا تھا میرے ساتھی نے کہا کہ وہ مجھے چھوڑ کر ان کو ہاسپٹل پہنچا دے گا مگر...... اس سب کا ذمہ دار میں ہوں میں تمہارا مجرم ہوں۔" وہ زویا کے قدموں میں دونوں ہاتھ جوڑنے اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ زویا کے چہرے سا ساری خوشگواریت غائب ہو چکی تھی مائرہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔

"پلیز مجھے معاف کر دو۔" اس کی آنکھوں میں ندامت اور پشیمانی کے آنسو تھے وہ اس کے سامنے گڑگڑا رہا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ ایکسیڈنٹ کے وقت وہ بہت گھبرا گیا تھا اور ایسے پر خدشہ بھی تھا کہ اگر ان میں سے کسی کی موت ہو گئی تو اسے جیل بھی ہو سکتی ہے۔

اور جس روز سے اسے پتہ چلا تھا کہ اس کی وجہ سے تین انسانوں کی جان گئی ہے تب سے وہ بہت اذیت میں تھا شاید اقرار جرم اور معافی مانگ کر وہ اپنے ضمیر پر رکھا بوجھ کم کرنا چاہتا تھا۔

"فیضان اگر وہ ایکسیڈنٹ تمہاری گاڑی سے نہ ہوتا تو کسی اور سے ہو جاتا وہ وقت ان کی موت کا مقرر تھا موت تو ہر صورت آئی تھی تم تو بس بہانہ تھے۔" زویا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور اٹھ کر باہر چلی آئی۔

اسے وہ سارے مناظر یاد آ رہے تھے سرد ٹھٹھرتی ہوئی رات میں وہ تین وجود زخموں سے چور لاوارثوں کی طرح سڑک کے کنارے پڑے تھے۔

جب بھی اسے وہ رات یاد آتی وہ فرسٹریٹ ہو جاتی تھی ایسے بے حس انسان کو معاف کرنا آسان تو نہیں تھا مگر اسے سہارا بھی تو انہی لوگوں نے دیا تھا نا۔ سو اسے اپنا دل بڑا کرنا ہی تھا۔

☆......☆......☆

"اچھا ہوا جو فلائیٹ لیٹ ہو گئی۔ کچھ وقت مزید تمہارے ساتھ گزارنے کا موقع مل گیا۔" آج سب گھر والے مائرہ فیضان حسن اور انکل آنٹی کو سی آف کرنے ایئر پورٹ آئے تھے مگر پتہ چلا کہ مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے پروازیں دو گھنٹہ تاخیر سے جائیں گی۔ جس پر مائرہ نے تو شکر ادا کیا تھا جب کہ باقی گھر والے کچھ دیر وہاں ٹھہر کر اب واپس جا چکے تھے زویا اس کے پاس رک گئی تھی۔

"مائرہ ہم کوئی لیلیٰ مجنوں تو نہیں ہیں۔ جو تم مجھ سے بچھڑتے ہوئے ایسے کر رہی ہو۔" صبح سے وہ دس بار خود رو کر اسے بھی رلا چکی تھی۔

"مائرہ یہ میرا دوست ہے شہریار۔" وہ دونوں آپس میں الجھ رہی تھیں جب فیضان حسن اپنے کسی دوست کو تقریباً کھینچ کر ان کے پاس لایا تھا اور ابھی بھی فیضان حسن نے اس کا ہاتھ سختی سے پکڑ رکھا تھا کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائے۔

جبکہ زویا ایک نظر اسے دیکھنے کے بعد مکمل لاتعلقی کا مظاہرہ کرتی رخ موڑے کھڑی تھی۔

"اور شہریار یہ تمہاری بھابی ہے مائرہ۔"

اور شہریار کے حواس پر تو جیسے کسی نے بم پھوڑا تھا۔ اسے فیضی نے بتایا تھا کہ وہ شادی کر رہا ہے اور اس نے یہ جاننے کی زحمت ہی نہیں کی تھی کہ وہ کس سے شادی کر رہا تھا بس اپنے طور پر فرض کر لیا کہ وہ زویا سے ہی شادی کر رہا ہوگا۔ اور اس کے بعد تو اس نے فیضی سارے کونٹیکٹ بھی ختم کر لیے تھے۔

اور آج فیضان حسن کے پہلو میں کھڑی مائرہ کو دیکھ کر اسے حقیقی معنوں میں شاک لگا تھا۔

"اسلام علیکم۔" مائرہ نے فوراً اخلاقی تقاضے نبھائے۔

"ویسے تم جا کہاں رہے ہو۔" فیضان اس سے گلے شکووں میں مشغول ہو چکا تھا وہ مائرہ کے ساتھ چلتے چلتے ڈیپارچر لاؤنج سے باہر نکل آئی تھی۔

www.pkdigest.com

''زویا میری بات تو سنو۔'' ان کا جہاز ملائی کر چکا تھا وہ واپس آ رہی تھی جب شہریار بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا۔

''مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سنتی تم جہاں جا رہے ہو۔ جاؤ کہیں تمہاری فلائیٹ مس نہ ہو جائے۔'' وہ رکے بغیر بولی۔

''زویا۔'' شہریار نے اس کی کلائی تھام کر اسے روکا اور خود اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''پلیز یار مجھے میری صفائی میں کچھ کہنے کا ایک موقع تو دو۔'' وہ مدھم لہجے میں بولا آس پاس سے گزرتے لوگ اب انہیں مشکوک نظروں سے دیکھنے لگ تھے۔

''تم نے میری محبت، میری وفا اور خلوص پر شک کیا تھا میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم ایسا کر سکتے ہو۔ تم نے میرا اعتبار کھو دیا ہے اور اب تم کچھ بھی بول کر خود کو بے قصور ثابت نہیں کر سکتے۔'' وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولتی قریب پڑے سنگی بنچ پر بیٹھ گئی۔ شہریار ایک گہرا سانس بھرتا اس کے قریب براجمان ہو چکا تھا۔

''میں نے تو صرف تمہاری خوشی چاہی تھی زویا جو مجھے لگا کر میرے ساتھ میں نہیں ہے۔'' اس کے افسردہ لہجے کو خاطر میں لائے بغیر زویا نے لب بھینچ کر خشمگیں نظروں سے اسے گھورا۔ مگر وہ رکے بغیر بولتا ہی چلا گیا۔

''جب میں انگلینڈ گیا تو دو مہینوں تک یوں ہی سڑکوں پر خوار ہوتا رہا۔ فیضان حسن میرا نیٹ فرینڈ تھا وہ مجھے وہاں پہلی بار اتفاق سے ملا تھا باپ کا اکلوتا بیٹا ان کا لندن میں وسیع کا روبار تھا مگر میں نے کبھی اپنے مالی حالات اس پر آشکار نہیں ہونے دیئے کیونکہ میں اسے کسی بھی قسم کی کوئی مدد نہیں لینا چاہتا تھا پھر ایک روز مجھے ونیزے ملی۔ میں ان دنوں اسی کے ریسٹورنٹ ویٹر کی جاب کرتا تھا وہ روز شام کو وہاں ایک

وہ آتے جاتے بطور خاصی مجھے دیکھتی ہے ایک ہفتہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا اور ایک ماہ بعد اس نے مجھے ایک معمولی ویٹر سے اپنے ریسٹورنٹ میں منیجر بنا دیا اس نے کہا کہ وہ میرے کام سے بہت خوش ہے اور اسے ایک اچھا اور ایماندار انسان لگتا ہوں۔

گزرتے دنوں کے ساتھ ہم میں کافی بے تکلفی بھی ہو چکی تھی مگر ایک حد تک۔ ایسے ہی دو سال کا عرصہ گزر گیا میں جس مقصد کے لیے آیا تھا اس میں کافی حد تک کامیاب بھی ہو چکا تھا۔ میرے پاس اتنا پیسہ جمع ہو چکا تھا کہ میں تمہارے لیے ایک شاندار سا گھر بنا سکتا اپنا بزنس اسمارٹ کر سکتا مجھے لگا وقت آ گیا ہے جب میرے سارے سپنے سچ ہونے والے ہیں۔

میں ان دونوں واپس آنے چکروں میں تھا کہ ونیزے نے مجھے پرپوز کر دیا وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی تھی۔

مجھے اسے صاف انکار کرنا مناسب نہ لگا تو میں نے اس سے دو دن کا وقت مانگ لیا۔ دراصل میرا اسے جواب دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا میری سیٹ پہلے ہی کنفرم ہو چکی تھی میں رات بارہ بجے لنڈن کی گلیوں کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہتا بڑا مسرور ہیتھرو ائیر پورٹ کی جانب جا رہا تھا کہ ایک بار پھر تقدیر اپنا وار کر گئی۔

راستے میں کچھ سیاہ فام لوگوں نے ریوالور کے بل بوتے پر میرا وہ نوٹوں سے بھرا بیگ مجھ سے چھین لیا۔ میں نے وہ ساری رات اس فٹ پاتھ کے کنارے بیٹھ کر گذاری۔ میری دن رات کی محنت میری ساری جمع پونجی وہ لے کر فرار ہو چکے تھے۔

اگلی صبح میرے پاس دو ہی راستے تھے کہ میں یا تو واپس جا کر اس برٹش لڑکی سے شادی کر لوں یا پھر تمہیں ساری حقیقت بتا کر واپس لوٹ

اور پھر میں واپس لوٹ آیا میں نے سوچا واپس آ کر تم سے روبرو بات کروں گا۔ اس روز میں شام چھ بجے تم سے ملنے آ رہا تھا جب فیضان حسن راستے میں مل گیا۔

''اور زبردستی مجھے اپنے آفس لے گیا وہاں کچھ دیر گپ شپ کے بعد اس نے آفس سے ملحق آرٹ روم میں، مجھے تمہاری تصویریں دکھائیں۔''

''میرا تصویریں؟'' زویا نے حیرت بھرا استفسار کیا۔

''ہاں وہ لندن میں ایک مشہور مصور ہے اور تمہیں دیکھنے کے بعد پہلی نظر میں تم سے محبت کر بیٹھا تھا وہ نیٹ پر صبح و شام مجھ سے تمہاری باتیں کرتا تھا اور میں بھی اسے فضول مشوروں سے نوازتا میرے تو وہم و گماں میں بھی نہیں تھا کہ جس لڑکی کا ذکر سن سن کر میرے کان پک گئے تھے وہ تم بھی ہو سکتی ہو۔

اب ایک طرف میں تھا جس کے پاس وہی تین مرلوں کا گھر تھا اور جو ادھوری تعلیم اور بغیر کسی نوکری کے اپنے بھی قابل نہیں تھا۔

اور دوسری جانب فیضان حسن، لندن کا معروف بزنس میں مجھے لگا تم اس کے ساتھ زیادہ خوش رہ سکتی ہو۔''

''شہریار دولت ایک اضافی خوبی ضرور ہے مگر کسی شخصیت کے ماننے کا پیمانہ ہرگز نہیں ہوتی ایک شریف باکردار اور مہذب انسان میرا آئیڈیل تھا اور تم اس خاکے میں بالکل فٹ آتے تھے۔'' وہ خفگی سے بولی۔

''شریف، باکردار اور مہذب تو فیضان حسن بھی تھا بقول تمہارے اپنی اس اضافی خوبی کے ساتھ، پھر تم نے اس کا پرپوزل کیوں ریجیکٹ کر دیا۔'' وہ اسے ستانے کو بولا۔

''تو تم نے کیوں اس برٹش لڑکی سے شادی نہیں کی وہ اضافی خوبی تو اس میں بھی موجود تھی گرین کارڈ ہولڈر ریسٹورنیٹ کی مالک۔'' وہ لفظوں کو چبا چبا کر بولی شہریار کی آنکھوں سے لپکتی شرارت اور ہونٹوں کے گوشوں سے جھانکتی دبی دبی سی مسکراہٹ وہ دیکھ چکی تھی۔

''وہ شریف، باکردار اور مہذب نہیں تھی نا۔'' وہ بھی شرارتی انداز میں سے بولا۔

''اگر ہوتی تو تم کر لیتے۔'' زویا نے بمشکل ہی اپنے ہاتھوں کو اس کی گردن دبانے سے روکا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے جھٹ سے نفی میں سر ہلا دیا۔

''کیوں۔'' اگلا سوال اس کی توقع کے برعکس تھا۔

''دولت سے زیادہ مجھے میری محبت عزیز تھی۔'' وہ تھوڑی پہ ہاتھ جما کر معصومیت سے بولا۔

''اور اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔'' اس کا جھلاہٹ بھرا اقرار شہریار سے اپنا قہقہہ ضبط کرنا مشکل ہو گیا تھا وہ خفا ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی شہریار منانے کے لیے پیچھے بھاگا۔

محبت کی دعائیں مانگتی شب نے
نئے اک سفر کا آغاز کیا ہے
یہ کیسا خوشنما احساس ہے
کہ آئندہ برسوں میں
ہر موسم ہر اک دن کی دھنک رتوں کو
ہم اک ساتھ برتیں گے
سنو یہ خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں
کسی کے لوٹ آنے کا

☆.....☆.....☆

www.pkdigest.com

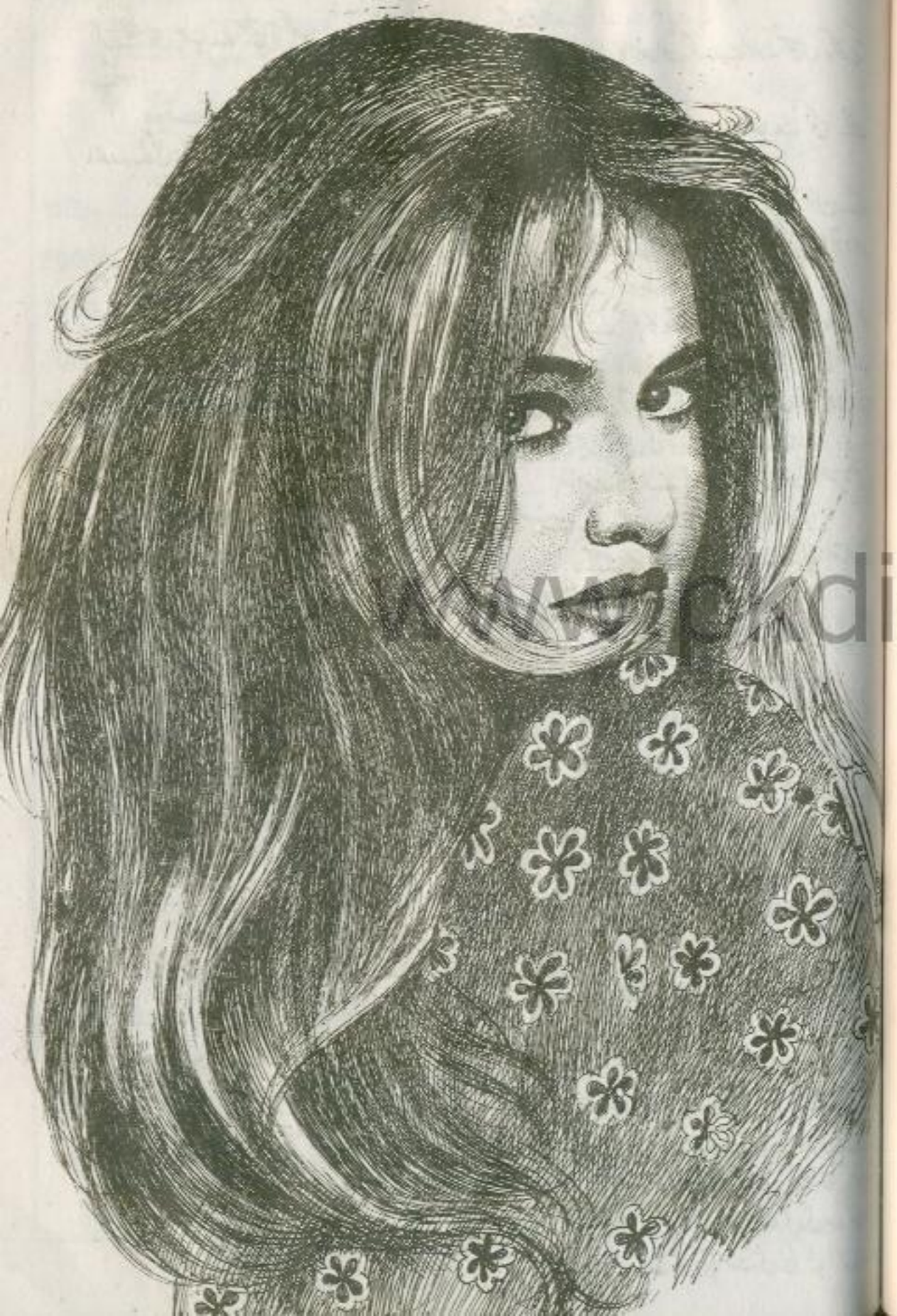

تیسری قسط

اس کا رجنون میں

سندس جبیں

کیسی ہولناک آتشزدگی ہوئی تھی اُس کے وجود میں۔ اُس کا تنفس چند لمحوں کے لئے سگنل پر رُکی ہوئی ٹریفک کی مانند "جامد" ہوگیا۔ وہ اپنے نسوانی وقار اور عزتِ نفس پر اس قدر خوفناک حملے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اُس کا یہ مہربان، شوخ و شیریں سا بھائی اُسے زندہ دفن کرنے والی خبر بھی سنا سکتا ہے اُس کا تخیل کبھی یہاں تک نہ پہنچا تھا۔ وہ تو سمجھی تھی کہ موضوع ختم ہوگیا مگر نہیں جانتی تھی کہ موضوع ہمیشہ کیلئے کھل گیا ہے۔

وہ ساکت کھڑی عمر کو دیکھ رہی تھی جس کا چہرہ ازلی سکون کا منبع نظر آ رہا تھا۔

وہ یکدم ہوش میں آئی تھی۔

"خدا کے لیے عمر! مجھے اپنے ہاتھوں سے مار دو مگر اتنی بڑی سزا مت دو" وہ پھپک کر رو دی۔ اندر

ناولٹ

باہر جھگڑے چل رہے تھے۔

"فضول باتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔ افسوس تو بس مجھے اس بات کا ہے کہ تم نے مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔ میں نے تو اپنے دل کی ہر بات تم سے کی تھی۔ بہت مان تھا مجھے تم پر۔ تم ایک بار مجھ سے بات تو کرتی مگر خیر....." وہ رُکا۔

"میرا یقین کرو عمر! ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔

"بس اب ختم کرو اس موضوع کو۔ کیونکہ فیصلہ ہو چکا ہے"۔ وہ اب بھی پرسکون نظر آ رہا تھا مگر اندر ایک طوفان اُٹھا ہوا تھا۔ "آخر یہ مان کیوں نہیں لیتی کہ یہ اُس سے....."۔

"میں نہیں مانتی کسی فیصلے کو" وہ زخمی شیرنی کی مانند غرائی۔

"ماننا تو تمہیں پڑے گا کیونکہ....." عمر کی بات ادھوری رہ گئی۔ مائرہ، حجاب کو ڈھونڈتی ہوئی وہیں آ گئی تھی۔

"ارے بھئی حجاب کہاں گم؟"

وہ تیزی سے سنک کی طرف مڑ گئی۔ نل کھول

کر کتنے ہی چھپا کے جلتی آنکھوں پر دے مارے مگر بے سود!

وہ اُسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ گھسیٹتی اندر لے گئی۔

"بھئی دلہن صاحبہ کا حال تو پوچھیں"۔

اب سب کی توپوں کا رُخ حجاب کی طرف ہو گیا پھر تو وہ ہنگامہ مچا کہ الامان۔ سب ہی اس ارجنٹ قسم کی شادی پر حیران تھے مگر خوشی اتنی زیادہ تھی کہ حیرانی پر غالب آ گئی۔ سب منصوبے بنانے لگیں کہ شاپنگ کب اور کہاں سے کی جائے۔ دینا دلانا کیا ہو۔ اور اس سارے قصے کے دوران حجاب گم صم بیٹھی تھی۔

رات میں مائرہ اور منزہ کے جانے کے بعد وہ اوپر عمر کے کمرے میں آ گئی جو آج گھر میں ہی تھا۔ حجاب آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی وہ کمپیوٹر کے آگے جما نظر آیا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی آگے آ گئی۔

"آؤ حجاب! بیٹھو" اُنے کمپیوٹر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"میں بیٹھنے نہیں آئی۔ مجھے اس ظالمانہ فیصلے کی وجہ بتاؤ؟" وہ پھٹ پڑی۔ عمر کا دماغ ہل کر رہ گیا اُس کا جی چاہا اُلٹے ہاتھ کا ایک بھرپور طمانچہ اس کے منہ پر مارے۔

"مت بناؤ مجھے بے وقوف" وہ برس پڑا۔

"مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تمہارے دماغ میں یہ خناس کس نے بھرا ہے کہ میں اُنہیں..... پسند....." اُس نے بے تابی سے لب کچلے۔

"میں جانتا ہوں تم کبھی بھی قبول نہیں کرو گی کہ..... تم.....؟" اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔

"عم! مجھے تم سے اس ظلم کی توقع نہیں تھی مجھے انصاف چاہیے"۔ وہ وحشت زدہ سی ہو گئی۔

"انصاف ہی تو کر رہا ہوں"۔ وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

"کہاں کا انصاف کر رہے ہو۔ تمہیں کچھ پتا نہیں ہے....."

"بس اب اور ..... کچھ جاننے کی مجھے ضرورت نہیں"۔

"مجھے وہ بالکل پسند نہیں، میں تو اُن کے ساتھ پانچ منٹ نہیں گزار سکتی ساری عمر گزارنا تو دور کی بات ہے۔" وہ بلک اٹھی۔

عمر کے جسم کا سارا خون اُس کے دماغ کو چڑھ گیا اگر حیا کا تقاضا نہ تو تاتو پوچھ لیتا "پانچ منٹ نہیں گزار سکتیں تو وہ انگوٹھی اور شرٹ کونسی تنہائیوں کی یادگاریں ہیں" اُس کی ضبط کی حد ٹوٹ گئی۔

"مت بولو اتنے جھوٹ۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ گھر میں سب خوش ہیں"۔

"تمہیں میرا یقین نہیں ہے۔ اتنا کچا اعتبار تھا تمہارا؟" وہ تڑپ اٹھی۔

"دیکھو۔ مجھے مجبور مت کرو کہ میں اپنی سطح سے نیچے آ جاؤں" اُس کا لہجہ درشت ہو گیا۔

"میں یہ شادی نہیں کروں گی"۔ وہ سرکشی سے بولی۔

"تمہاری شادی صرف نمروز علی خان کے ساتھ ہو گی"۔ وہ قطعیت سے بولا۔

"میں عین وقت پر انکار کر دوں گی"۔ اُس نے نیا داؤ کھیلا۔

اور عمر کا ضبط ہر بند توڑ گیا اُس کا ہاتھ اُٹھا اور اُلٹے ہاتھ کا بھرپور طمانچہ اُس کے دائیں گال پر پوری قوت کے ساتھ پڑا۔

"یہ تو تم نے ثابت کر دیا کہ تم اخلاقی طور پر نہایت گری ہوئی اور پست لڑکی ہو جو رشتوں کی نزاکت سے بالکل بے بہرہ ہے۔ اب میری بھی سن لو اگر تم نے ایسا کچھ کرنے کی کوشش کی تو میں خود کو شوٹ کر لوں گا"۔ اُس نے انتہا پسندی کی حد کر دی تھی۔ حجاب کی روح میں قیامت سی مچ گئی اُس نے دھندلی نظر سے عمر کو دیکھا۔

"نہیں ہے ضرورت مجھے تمہارا نام نہاد نسوانی وقار اور عزتِ نفس کی۔ میں تمہاری خوشی پوری کرنا چاہتا ہوں اور تم اپنے ایک جھوٹ کو چھپانے کے لیے سو جھوٹ بول چکی ہو"۔ اُس خون آشام آنکھوں سے اُسے گھورا۔

"بس اب دفع ہو جاؤ"۔ وہ رُخ موڑ گیا۔ حجاب گال پر ہاتھ رکھے دوڑتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

رات بھیگتی جا رہی تھی۔ نومبر کا اختتام تھا اور سرد ہوائیں چکراتی پھرتی تھیں۔ وہ آہستہ سے اُٹھی اور باہر نکل آئی۔ صحن کی روشنی بند تھی شاید کسی کو بھی آن کرنا یاد نہیں رہی تھی وہ اتنے سرد موسم اور تاریکی میں ٹھنڈے فرش پر آ کر بیٹھ گئی۔ ستارے اپنا ایک تہائی سفر طے کر چکے تھے۔ حجاب کو اندھیرے سے بہت ڈر لگتا تھا مگر اب وہ بڑے سکون سے گھپ اندھیرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس نے سر اُٹھا کر ٹمٹماتے ستاروں کو دیکھا اور اس پل کو جب رب اپنے بندے کے بہت قریب ہوتا ہے۔ دو آنسو سچے موتیوں کی طرح اُس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔ وہ اپنے رب سے محوِ مناجات ہو گئی۔

"میرے اللہ! تو جانتا ہے سچ کیا ہے؟ تو علیم ہے تو خبیر ہے تو تو دلوں کے بھید جانتا ہے۔ میں کیا کروں؟ کس سے انصاف مانگوں؟ جن ہاتھوں نے قدم قدم چلنا سکھایا تھا آج وہ ہی ہاتھ مجھے اندھے کنویں میں دھکیل رہے ہیں۔ میں کس کو بتاؤں؟ وہ شخص تو مجھے اپنی نگاہوں سے "چھلنی" کر دے گا۔ میں کیسے سامنا کروں گی اُس کا؟ مجھے حوصلہ دے میرے مولا۔ صبر عطا کر۔ بے شک تو سب سے اچھا مددگار ہے"۔ وہ ٹوٹ رہی تھی۔

اُس کی روح بڑی خواب پرور تھی۔ اُس کے خواب اُس کا اثاثہ تھے وہ اپنے خوابوں کا نقصان کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اور اُس کے

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابنِ انشاء

اردو کی آخری کتاب	165/-
خمار گندم	200/-
دنیا گول ہے	225/-
آوارہ گرد کی ڈائری	200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	200/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	180/-
نگری نگری پھرا مسافر	225/-
خط انشا جی کے	200/-
بستی کے اک کوچے میں	200/-
چاند نگر	165/-
دل وحشی	165/-
آپ سے کیا پردہ	250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو	200/-
انتخاب کلام میر	60/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر	160/-
طیف غزل	120/-
طیف اقبال	120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اُردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321690-7310797

www.pkdigest.com

خوابوں میں کہیں بھی ''نمروز علی خان'' کا ہیولہ نہیں تھا۔

''نہیں۔ کبھی نہیں عمر میں اتنی فراغ دل نہیں ہوں کہ تمہاری بدگمانی کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھوتہ کر لوں۔ میں اپنے آپ کو بے قصور ثابت کر کے رہوں گی۔ اور ''نمروز علی خان'' مجھے سب سے زیادہ شک آپ پر ہی ہے۔ اور اگر اس سب میں آپ کا ہاتھ ہے تو پھر آپ نے حجاب تاثیر کو غلط سمجھا ہے۔ میں آپ کو بتاؤں گی حجاب تاثیر کس بلا کا نام ہے'' وہ وحشت سے سوچتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ نس نس میں زہر دوڑ رہا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن کا روشن سورج طلوع ہوا اور ہر سو اپنی کرنوں کا جال سا پھیلا گیا اُس نے نیم گرم پانی سے ایک طویل باتھ لیا۔ ٹوٹ کر جڑنے کا عمل رونما ہو رہا تھا تڑختے ہوئے اعصاب پر قابو پاتا کچھ ایسا آسان بھی نہ تھا۔ اُس نے بالوں کو سلجھاتے ہوئے دل میں ایک نئی جنگ جیتنے کا عزم مصمم کیا اور باہر آ گئی ڈٹ کر ناشتہ کیا اور یونیورسٹی کیلئے تیار ہونے لگی۔ حسب معمول عمر اُسے چھوڑنے گیا تھا۔ گیٹ پر رُکتے ہوئے اُس نے روٹین کے انداز میں سوال کیا تھا۔

''پیسے چاہئیں؟''

''ایک منٹ'' حجاب نے کہتے ہوئے حسب عادت اپنا ہینڈ بیگ چیک کیا۔ پھر سر ہلایا۔

''ہاں''۔ وہ والٹ نکالنے لگا۔

دو تین سرخ نوٹ اُس کے ہاتھ میں تھمائے اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔ ایگزام کے دوران بھی اُس کا دھیان موجودہ صورتحال کی طرف رہا۔ کل اُس کا آخری پیپر تھا اور ہر بار کی خود کودی گئی تسلی کہ ''ابھی دو دن ہیں، کچھ نہ کچھ ہو جائے گا'' کے باوجود اُس کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی تیز سے تیز ہوتی جا رہی تھی۔ واپسی پر وہ حسب عادت سڑکوں پر غور کر رہی تھی جب عمر کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔

''حجاب! آج امی جان کے ساتھ چلی جانا مارکیٹ۔ جو لینا ہو اپنی پسند سے لے لینا''۔ حجاب کا دل ایک لمحے کو تھم گیا۔

''اچھا'' اس کے اچھا، میں نہ ہاں تھی اور نہ ناں۔ وہ اُلجھ گیا۔

''گھر پہنچتے ہی سحاب اُس کے پیچھے پڑ گئی کہ مارکیٹ چلیں۔ حجاب اُسے لے کر کمرے میں آ گئی۔

''اُس دن کمرے میں عمر کی امی اور ابو لوگوں سے کیا بات ہوئی تھی؟'' اُس نے بلا تمہید کہا۔

''کچھ خاص نہیں۔ بھیا نے.....؟'' سحاب کی بات ادھوری رہ گئی۔ عمر اندر داخل ہوا تھا۔

''آگے میں بتاتا ہوں تم جاؤ چائے بنا کر لاؤ اچھی سی''۔ عمر نے اُسے صاف ٹہلایا۔

''ہاں تو کیا پوچھ رہی تھیں تم؟'' جو وہ سحاب کے جانے کے بعد اُس کی طرف مڑا۔

''یہی نا کہ میں نے سب کو کیسے قائل کر لیا ہے۔ ایک طویل معرکہ لڑا ہے میں نے۔ یہ لوگ اتنے لبرل نہیں ہیں کہ میں انہیں تمہاری طوفانی محبت کی دردناک کہانی سناتا تو وہ تمہیں گلے لگاتے اور ہنسی خوشی شادی کی تاریخ رکھ دیتے۔ بہت وقت لگا سب کو یہ سمجھانے میں کہ وہ ہی تمہارے لیے ''بیسٹ چوائس'' ہے۔ وہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

وہ بھی خاموشی سے پاؤں کے انگوٹھے کی مدد سے زمین کریدتی رہی۔ اُسے لگا تھا وہ کوئی اقدام کرے گی مگر پلک جھپکتے ہی دو دن گزر رے اُسے ایک فون تک کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ فون کرتی بھی کیسے؟ جب سے عمر کے ہاتھوں اُس کے سیل فون کا کباڑہ ہوا تھا اُس نے نیا سیل نہیں لیا تھا اُسے تو یہ بھی پتا نہیں تھا کہ اُس کا سم کارڈ کدھر گیا۔

جمعہ کا دن بڑا خوبصورت اور روشن طلوع ہوا۔ اُس نے نس نس میں ایک اذیت اُترتی محسوس

کی تھی۔ وہ جان گئی تھی کہ اُسے بہتر طور تقدیر کے اس رُخ کو تسلیم کرنا ہوگا۔ وہ چپ چاپ بیٹھی اُس چہل پہل کو دیکھتی رہی جو گھر بھر میں برپا تھی۔ دوپہر کے بعد آپی منزہ اُسے اپنے ساتھ پارلر لے گئیں وہ جیسے کسی مجسمے کی صورت اختیار کر گئی تھی۔ بے حس و حرکت۔

مختلف اقسام کے ماسکس اور فیشلز کے بعد بیڈی کیور اور مینی کیور کی باری آئی۔ تین چار گھنٹوں کی مسلسل محنت رنگ لائی تھی وہ دمک اُٹھی تھی۔ منزہ نے گھر فون کر دیا تھا کہ عمر کو لہنگا اور دوسرے لوازمات کے ساتھ بھیج دیں کچھ دیر بعد عمر آ گیا۔ منزہ باہر جانے لگیں تو حجاب نے اُن کا ہاتھ تھام لیا۔

''آپی! مجھے عمر سے ملنا ہے۔ ابھی آپ مجھے مل لینے دیں بعد میں تو کوئی مجھے رونے بھی نہیں دے گا''۔ وہ خود پہ ضبط کے بند باندھتی ہارنے لگی تھی۔ منزہ نے بے اختیار اُس کو خود سے لگا لیا۔

''تمہارے جیسی قسمت کس کی ہے پاگل۔ خوشی کا موقع ہے روتے نہیں ہیں۔ سمجھتی ہوں اُسے''۔ وہ جاتے ہوئے بیوٹیشن کو بھی ساتھ لے گئیں۔ کچھ دیر بعد عمر اندر آ گیا۔

وہ یک ٹک چند پل اُسے دیکھتی رہی پھر دوڑ کر اُس کے سینے سے لگ گئی۔ اور بے اختیار رونے لگی۔

''عمر! میرے بھیا میرے چاند مجھے معاف کر دو بہت بری ہوں میں بہت برا کیا میں نے مجھے معاف کر دو مجھ سے ناراض مت ہونا ورنہ جی نہیں پاؤں گی میں'' وہ رو رو کر پاگل ہو رہی تھی۔

عمر کا دل لمحوں میں اُس کی طرف سے صاف ہو گیا تھا۔ وہ آنسو ضبط کرتا اُس کی پشت تھپتھپاتا رہا۔ وہ پاگلوں کی طرح روئے چلی جا رہی تھی۔ ناچار اُسے زبردستی خود سے الگ کرنا پڑا تھا۔ اُس کے آنسو صاف کیے اور سر چوما۔

''مجھے تجھ سے زیادہ محبت ہوتی جا رہی ہے حجاب''۔ اس بار آنسو خفی تھے۔

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں حجاب! میری دعا ہے اللہ تمہیں خوشیاں دے بہت زیادہ''۔

''تمہاری خاطر ہی تو یہ سزا قبول کر رہی ہوں'' اس بار آنسو دل پر گرے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ چلا گیا۔ بیوٹیشن نے آتے ہی برق رفتاری سے کام شروع کر دیا تھا وہ حیرانی سے اپنے سامنے پھیلے خوبصورت لہنگا سیٹ کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ کہاں سے آیا ہے'' وہ رہ نہ سکی۔

''تمہارے سسرال سے آیا ہے۔ تمہارے ''اُن'' کی فرمائش ہے کہ تمہیں یہ لباس فاخرہ پہنایا جائے''۔ وہ مسکراتی ہوئی کہہ رہی تھیں حجاب نے خالی خالی نظروں سے بلڈ ریڈ لہنگا سیٹ کو دیکھا جس پر زرقون اور گولڈ کا بہت شاندار کام تھا اور جس کی چمک دمک اور دیدہ زیبی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔

جس وقت وہ گھر پہنچی مغرب کی اذان ہو چکی تھی۔ فیملی اور محلے سے مختصر افراد کو مدعو کیا گیا تھا اور نمروز علی خان کے ساتھ بھی بس آٹھ دس افراد تھے۔ کھانا سرو کرنے سے پہلے نکاح ہو گیا تھا۔ حجاب نے بہت ذلت اور توہین محسوس کی تھی نکاح نامے پر سائن کرتے وقت اس لمحے اُس کا جی چاہا تھا ایک پل کو، وہ صاف انکار کر دے پھر دھیان میں عمر کی دھمکی آئی تو دل چاہا کہ دھاڑیں مار مار کر روئے۔ کسی قسم کی کوئی رسومات نہیں کی گئی تھیں۔ رُخصت ہوتے سمے اُس نے اپنے صبر اور ضبط کو آزمایا تھا۔ اور ایک آنسو نہیں بہایا تھا۔ اُسے یاد نہیں تھا کہ کس نے اُس کو گاڑی میں بٹھایا تھا کس نے چادر ٹھیک کی تھی۔ مگر اُس لمحے اُسے پوری طرح ہوش آ گیا تھا جب خوشبوؤں میں بسا نمروز علی خان اُس کے برابر آ کر براجمان ہوا تھا۔ حجاب کا جھکا ہوا سر کچھ مزید جھک گیا تھا۔

☆☆☆

گاڑیاں بڑی تیزی سے ''نمروز مینشن'' کی

www.pkdigest.com

طرف بڑھتی چلی گئیں۔ گاڑی رُکنے پر اُس نے سیاہ ماربل سے مزین عمارت کو دیکھا جس پر "نمروز مینشن" پوری شان سے لکھا ہوا تھا۔ کتنی ملازماؤں نے اُسے بڑھ کر سنبھالا تھا کس نے اُس کا لہنگا تھاما وہ لاعلم تھی۔ لاؤنج سے گزرتے ہوئے اُس کی نظر اُس صوفے پر پڑی جہاں بیٹھ کر اُس نے بڑی رعونت اور نفرت سے کہا تھا۔

"آپ کے اور میرے بیچ صدیوں کا فاصلہ ہے"۔

"مجھے آپ کے اس سیٹ اپ کا حصہ بننے کا کوئی شوق نہیں"۔

"ہمارے درمیان کوئی آسکتا تو نہیں ہے نا مسٹر خان——؟"

اور اس وقت وہ نہیں جانتی تھی کہ اُس کی پیشانی پر "نمروز علی خان" کا نام کتنے جلی حروف میں درج تھا۔

اس نے شاہانہ انداز میں سجے ہوئے بیڈ روم پر ایک بے تاثر نگاہ دوڑائی اور سر کراؤن سے ٹکا دیا۔

تو بالآخر فتح آپ کی ہوئی نمروز علی خان! ہرا دیا آپ نے مجھے۔ ختم ہو گیا میرا غرور، خاک ہوئی میری انا" اُس نے شکستگی سے سوچا۔

بڑے سکون سے دروازہ کھول وہ اندر داخل ہوا۔ پھر آہستہ سے پلٹا، دروازہ بند کیا۔ سادہ سیاہ رنگ کی شلوار سوٹ میں وہ اُس کے مقابل آن بیٹھا۔ اپنی تمام تر وجاہتوں سمیت۔ وہ کسی طرح بھی نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں تھا۔ حجاب سے نظریں نہیں اُٹھائی گئیں۔ پور پور سجی وہ اُس کے سامنے سجی۔

وہ اُسے دیکھتا جا رہا تھا ٹک ٹک، ساکت و سامت بیٹھا۔ پھر اُس نے دونوں ہاتھوں میں حجاب کا چہرہ تھام لیا۔

من تو شدم، تو من شدی
من تن شدم، تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں
من دیگرم، تو دیگری

وہ اُس کے کانوں میں رس گھول رہا تھا۔ وہ پرت در پرت اُسے کھولتا اور اُس پر کھلتا چلا گیا۔ رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی وہ عشق کی انتہا پر تھا اُس نے کاملیت کی اس حد کو چھو لیا تھا جو اُس کے نزدیک عشق کی انتہا تھی۔ ایک خوشبودار سفر تھا۔ ایک خوشبودار رات تھی۔ وہ ریشم کی بھول بھلیوں میں گم ہوتا چلا گیا۔

جنون جان لینے والا تھا اور دیوانگی پاگل کر دینے والی تھی وہ محبت نہیں کر رہا تھا وہ تو عبادت کر رہا تھا۔ اُس کی شدتیں اپنے کمال کو چھو چکی تھیں اُس نے خوشبودار ریشم سے وجود کو سینے میں سمو لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"اب اس دنیا میں پانے کو اور کیا ہے؟"
کیا اس سے بڑھ کر بھی کچھ ہے؟

☆☆☆

کمرے میں بہت سحر انگیز نیلگوں اُجالا تھا۔ حجاب کی آنکھ کھلی تھی اور سیدھی نمروز سے جا ٹکرائی۔ وہ اسے بازوؤں کے حلقے میں لیے مکمل طور پر غافل تھا۔ اُس نے الگ ہونا چاہا مگر اُدھر گرفت مضبوط تھی۔ اُس نے تھک کر سر اُس کے بازو پر رکھ دیا۔ اُس کی مہک اُس کے وجود پر حاوی ہو گئی۔ یکلخت گزری رات کے مناظر کی ریل سی چلنے لگی۔ اُس کے ذہن میں نمروز کی آواز کے سائے دوڑنے لگے۔

"عشق آخر کار بے حجابی کا تمنائی ہوتا ہے میری زندگی! کاش میں تمہیں بتا سکوں کہ تم مجھے کتنی عزیز ہو۔ خدا کی قسم! اگر تمہیں حاصل نہ کرتا تو مر جاتا"۔

"کبھی غرور نہیں کیا میں نے۔ نہ حسب و نسب پر، نہال و منال پر نہ چہرے پر نہ رُتبے پر۔ مگر آج دل چاہ رہا ہے ساری کائنات کو چیخ چیخ کر بتاؤں کہ

ہاں یہ حجاب تاثیر میری ہے یہ جو بڑی منفرد سی ہے۔ جو بڑا تیکھا بولتی ہے۔ صرف میری ہے۔ اس کے وجود پر میرے نام کی مہر لگ گئی۔ اب یہ صرف میری ہے۔ میری جان! ہرانا نہیں چاہتا تجھے جیتنا چاہتا ہوں..........!"

تجھے روز دیکھوں قریب سے
میرے شوق بھی ہیں عجیب سے
میں نے مانگا ہے تجھی کو بس
اپنے رب اور اس کے حبیبؐ سے
میں بہت خوش ہوں یوں جوڑ کر
تیرا نصیب اپنے نصیب سے

حجاب نے سختی سے آنکھیں بند کر لیں تھی۔ اُس کی آنکھوں کی چمک ناقابل برداشت تھی۔ اُس کی مسکراہٹ ایک پل کے لیے اُس کے لبوں سے جدا نہیں ہوئی تھی۔

شدت اور اتنی بے تابی
محبت اور اتنی وارفتگی
اتنی بے خودی اور اتنی احتیاط

اُس نے حجاب کو یوں سنبھالا تھا گویا وہ نازک کانچ کی گڑیا ہو۔ حجاب کو اب حیرت ہو رہی تھی کہ اُس کی اتنی شدید دیوانگی اور والہانہ چاہت پر اُس کے اعصاب کیسے قائم تھے۔ اُسے اپنے سخت جان ہونے پر حیرت ہوئی کچھ دیر بعد وہ دوبارہ نیند میں جا چکی تھی۔

☆☆☆

نمروز کی آنکھ کھلی تو کمرے میں تیز روشنیاں تھیں اور شاید اُس کی آنکھ بھی ان کی وجہ سے ہی کھلی تھی کیونکہ اُسے اندھیرے میں سونے کی عادت تھی۔ اُس نے اِردگرد نظریں دوڑائیں۔ حجاب اُسے آئینے کے سامنے بیٹھی بال بناتی نظر آ گئی۔ اُس نے آہستگی سے بستر چھوڑ دیا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔

"یس"۔

صدف اندر آ گئی۔

"خان! بی بی صاحبہ کے گھر سے اُن کے بھائی اور بہن تشریف لائے ہیں ناشتہ لے کر"۔ اُس نے نظریں جھکا کر ادب سے کہا۔

"ناشتہ لے کر.........؟" اُس کے ماتھے پر شکن آ گئی۔ "یہ رسم ہے"۔ صدف آہستگی سے بولی

"اچھا آ رہے ہیں ہم"۔ وہ باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

صدف آگے بڑھ آئی۔ "سلام بی بی! شادی مبارک ہو"۔ اُس نے خلوص سے دعا دی حجاب نے ایک نگاہِ غلط اُس پر ڈالی اور اُسے جانے کا اشارہ کیا۔ ایک لمحے کو صدف کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ اس طرح تو کبھی خان نے بھی اُس کے ساتھ برتاؤ نہ کیا تھا۔ وہ خاموشی سے سر جھکا کر باہر نکل گئی۔

کچھ دیر بعد وہ کریم کلر کے کرتا شلوار میں سر تولیے سے رگڑتا باہر آیا تھا۔ تولیہ ایک طرف پھینکا اور آئینے کے آگے کھڑے ہو کر بال بنانے لگا۔ حجاب آئینے کے سامنے بیٹھی اب نیل پالش ریمو کر رہی تھی وہ ہیر برش رکھنے کے لیے جھکا اور اُسے دونوں شانوں سے تھام لیا۔

"صبح بخیر زندگی"۔ بہت دھیرے سے مسکرا کر کہا تھا۔

حجاب سے نظریں نہیں اُٹھائی گئیں حیا سے وہ سرخ پڑ گئی۔ وہ دلکشی سے ہنسا۔

"یہ تم ہو حجاب! مجھے یقین نہیں آتا۔ کوئی مزاحمت نہیں کوئی غصہ نہیں۔ اتنی فرمانبرداری؟ کچھ تو بولو یار!" اُس نے حجاب کو جھنجھوڑ ڈالا۔

اسی وقت دروازے پر پھر دستک ہوئی۔ وہ دونوں چونک گئے۔

"چلو"۔ وہ سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔

حجاب بھی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آنچل سر پر ڈالا اور اُس کی معیت میں چل پڑی۔ ڈرائنگ روم میں پہنچ کر اُسے حیرت کا خوشگوار جھٹکا لگا۔ سحاب، عمر،

www.pkdigest.com

مائرہ آپی اور مدثر بھائی موجود تھے۔ وہ مائرہ آپی کے گلے لگ گئی۔

"کیسی ہو میری بنو؟" آپی نے شرارت سے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں"۔ وہ اُن سے الگ ہو کر حجاب سے ملنے لگی۔

پھر مدثر بھائی کی طرف مڑی۔ انہوں نے سر پر پیار دیا تھا۔ "ٹھیک ہو؟"

"جی بھائی" وہ کہہ کر عمر کی طرف مڑی۔ عمر نے مسکرا کر اُس کی طرف دیکھا اور بھنوؤں کو جنبش دی۔ وہ بے ساختہ اُس سے لپٹ گئی۔ نمروز کو جھٹکا لگا تھا۔

"خوش ہو؟" عمر نے پوچھا۔

"ہوں" اُس نے نگاہ جھکالی۔

کچھ دیر بعد وہ سب ڈائننگ ہال میں ناشتے کی میز کے گرد جمع تھے۔ وہ سب آپس میں محو گفتگو تھے اور حجاب سر جھکائے پلیٹ میں چمچ چلاتی رہی۔ کچھ دیر بعد مائرہ آپی اُسے اُٹھا کر اُس کے کمرے میں لے آئی۔

"حجاب! اِدھر دیکھو!"

"جی آپی" اُس نے نظر اُٹھائی۔

"خوش ہو؟"

"جی"۔

پھر بات بدل دی۔

"گھر میں سب کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ٹھاک ہیں۔ میں کہہ رہی ہوں کہ ذرا دھیان سے۔ کیا پتہ ہے تمہارا شوہر اتنا نک سک سے درست جیسے آرڈر پر تیار کروایا گیا ہے خیال رکھنا"۔ اُسے ہنسی آ گئی۔

"کہیں نہیں جانے والے وہ"۔

"اچھا رونمائی میں کیا ملا ہے؟" انہوں نے تجسس سے پوچھا۔

"رہنے دیں کیا کریں گی دیکھ کر"۔ اُس نے ٹالا۔

"ارے۔ اتنا امیر تمہارا شوہر ہے اور تم.....؟" اُن کی بات ادھوری رہ گئی۔ دروازہ کھول کر وہ سب اندر چلے آئے۔

کچھ دیر مزید خوشگوار موڈ میں باتیں کرنے کے بعد وہ جانے کیلئے اُٹھ گئے۔ نمروز انہیں چھوڑ کر آیا تو وہ بیڈ پر نیم دراز جانے کن سوچوں میں گم تھی۔ وہ اُس کے نزدیک بیٹھا تو وہ چونکی۔ وہ چند لمحے اُس کی طرف دیکھتا رہا پھر اُس کا مہندی کا نقش و نگار سے بھرا ہاتھ تھام لیا۔ اُسے کرنٹ لگا اُس نے فوراً ہاتھ اُس کی گرفت سے کھینچا۔

وہ محظوظ ہوا۔

"تمہارا یہ اسپورٹس مین والا سپرٹ، یہ مسلسل لڑنا، ہار نہ ماننا بہت اچھا لگتا ہے حجاب! تمہیں تو آرمی میں ہونا چاہیے"۔ اُس نے دانستہ چھیڑا۔

"امریکی کہاوت ہے۔

"Then you have cake you wante cherries too".

"پہلے مجھے صرف حجاب چاہیے تھی اب اُس کی توجہ بھی چاہیے"۔

وہ اُسے مزید چڑا رہا تھا۔

وہ تیزی سے بیڈ سے اُتری مگر اُس نے بازو تھام کر وہیں روک لیا۔

"ابھی تو میں تمہیں ٹھیک سے دیکھا بھی نہیں۔ بیٹھو اِدھر"۔ اُس کے لہجے میں تحکم در آیا۔

وہ بے تابی سے ہونٹ کاٹنے لگی۔ ٹھوڑی جھکائی بھنور ایک دم سے نمایاں ہو گیا تھا۔ نمروز نے بے اختیار جھک کر اُسے چوما۔ وہ پلکیں جھپک کر آنسو روکنے لگی۔ اور اس لمحے نمروز کو اُس پر بے انتہا پیار آیا تھا۔ اُس نے حجاب کو بازوؤں میں بھینچ کر خود میں جذب کر لیا۔

"دو گھنٹوں بعد مجھے اسلام آباد جانا ہے۔ دو

دن سے پہلے واپس نہیں آ سکوں گا۔ تم تیار ہو جاؤ میں تمہیں اُدھر چھوڑتا جاؤں گا"۔

وہ اس کو بتا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ دیر بعد وہ ڈریسنگ روم سے باہر آیا تو حجاب بھی لباس بدل چکی تھی۔ اُس کے پسندیدہ پنک لباس میں وہ جھک کر سینڈل پہننے لگی تھی۔ نمروز کا دل پوری شدت سے اُس کی طرف کھنچا تھا وہ بے اختیار آگے بڑھ آیا۔

"ایک منٹ" وہ گھٹنوں کے بل جھک گیا۔ ہاتھ بڑھا کر سینڈل اُس کی ہاتھ سے لی اور اُسے خود پہنا دی پھر اسٹریپ بند کرنے لگا۔ حجاب حیرت سے آنکھیں کھولے اُسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اتنا اعلیٰ نسب، بلند رتبہ شخص، اُونچا پورا خوش بخت اور اتنا بلند، یوں جھکا ہوا، اُسے عجیب سے احساسات کا شکار کر گیا۔

ہم تو فلک کے لوگ تھے، ساکنانِ قریۂ مہتاب تھے
تمہارے ہاتھ کیسے آ گئے، ہم تو بڑے نایاب تھے

وہ بڑے دلکش لب و لہجے سے شعر پڑھتا اُس کے نزدیک تک گیا۔ وہ جو ساکت بیٹھی تھی چونک کر سیدھی ہوئی۔

"اتنی خاموش کیوں ہو حجاب؟" وہ مضطرب ہوا۔

حجاب نے آگ اُگلتی نظروں سے اُسے دیکھا۔

"میں آپ سے کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں کرنا چاہتی مگر اتنا بتا دینا ضروری سمجھتی ہوں کہ آپ ہرگز میرا انتخاب نہیں ہیں اور نہ میرے گھر والوں کا میرے لئے۔ یہ سارا عمل سراسر آپ کی ہٹ دھرمی اور بے جا مداخلت کا نتیجہ ہے۔ مجھ سے کوئی توقع مت رکھئے گا"۔ وہ سرد لہجے میں بولتی اُٹھ گئی۔

نمروز کو قطعی حیرانی نہیں ہوئی وہ اُس سے ایسے ہی رویے کی توقع کر رہا تھا اُسے پتا تھا یہ خاموشی بے وجہ نہیں وہ بولے گی نہیں پھٹے گی۔ اُس کے دلکش لبوں سے لعنت و ملامت کے انگارے برسیں گے۔ مگر وہ جانتا تھا وہ پھر بھی خسارے میں نہیں رہے گا۔

وہ بالآخر اس کی ہو گئی تھی۔

"تم میرے نکاح میں اپنی مرضی سے آئی ہو۔ میں ہر الزام سے بری ہوں"۔ وہ تلخی سے بولا۔

حجاب کے اندر زہر سا پھیلنے لگا۔

"چہ..... خوب! ایک چوری اوپر سے سینہ زوری"۔ وہ بھی تلخ ہوئی۔

"میں بہت سے افراد کی موجودگی میں لایا ہوں تمہیں اس گھر میں۔ یعنی کہ باضابطہ طور پر"۔

اتنا شک؟

اتنا بے حس؟

حجاب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"میرے خواب بہت قیمتی تھے۔ برباد کر دیا آپ نے مجھے"۔

"کیوں؟ مجھ میں کیا کمی ہے؟" وہ اُس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"انسانیت نہیں ہے آپ میں"۔ اس نے آنسو ضبط کئے۔

"بند کرو یہ الزام تراشی۔ تم اول و آخر میری ہو اور تمہیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا"۔ وہ سرد مہری سے بولا۔

"میں اس حقیقت کو تسلیم کر چکی ہوں"۔ وہ آنکھیں پونچھتی اُس کے سامنے سے ہٹ گئی۔

نمروز کا جی مکدر ہو گیا۔ کچھ دیر بعد وہ پورچ میں آ گئے۔ اُس نے لینڈ کروزر کا دروازہ کھولا اور اُسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ دروازہ ایک دھماکے سے بند کرنے کے بعد اُس نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ ٹائروں کی چرچراہٹ فضا میں گونجی اور لینڈ کروزر گولی کی رفتار سے گیٹ سے نکلی تھی۔ سارے راستے اُن کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی مگر جب وہ گھر کے نزدیک پہنچے تو اُس نے گاڑی کی رفتار دھیمی کی۔

"اپنا دماغ سیٹ کر لینا۔ دو دن بعد آؤں گا تمہیں لینے۔ ابھی اندر نہیں آ سکتا وقت نہیں ہے

www.pkdigest.com

میرے پاس"۔ وہ بہت سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔
وہ خاموشی سے ونڈ شیلڈ کے پار دیکھتی رہی۔
گاڑی روکی چند پل اُسے دیکھتا رہا پھر اُس کے شانوں کے گرد بازو دراز کر کے اُسے خود سے قریب کیا، پیشانی کو چوما اور ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا۔
وہ شال کو مضبوطی سے لپیٹتی اُتر گئی۔ مڑ کر نہیں دیکھا۔ گاڑی اُس کے پیچھے تیزی سے سٹارٹ ہوئی اور بیک ہوتی ہوئی مڑ گئی تھی۔ گھر پہنچتے ہی وہ سراپا بدل گئی۔ وہی ہنستی مسکراہٹ، خوش باش سی حجاب۔ گھر میں ایک ہلچل مچ گئی تھی۔ وہ دو دن اُس نے بڑے بھرپور گزارے تھے اور اُسے ایک پل کے لئے وہ یاد نہ آتا اگر کوئی اُس کا ذکر نہ چھیڑ دیتا۔ اُس نے امی جان اور بڑی امی کے ڈھیروں ڈھیر سوالوں کو بڑی خوشدلی سے سنا تھا اور انہیں اطمینان بخش جواب بھی دیئے تھے۔ عمر کے ساتھ اُس کی نشست جم ہی نہ سکی تھی اور سچ تو یہ تھا کہ وہ خود میں ہمت بھی نہیں پاتی تھی۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت جو وہ گہری نیند میں تھی اگرچہ دسمبر شروع ہو چکا تھا اور دن بہت چھوٹے تھے مگر وہ پھر بھی سو رہی تھی جب سحاب نے آ کر اُسے بری طرح جھنجھوڑا۔
"حجاب آپی! اُٹھ جائیں۔ بھائی جان آ گئے ہیں"۔
"اوں۔ ہوں۔ سونے دو"۔ وہ لحاف میں منہ دے کر پھر غافل ہونے کو تھی۔
سحاب نے جھلا کر لحاف کھینچا۔ اسی دم نمروز نے اندر قدم رکھا۔ وہ چلائی تھی۔
"سحاب! دفع ہو جاؤ سونے دو مجھے"۔ اُس نے لحاف واپس کھینچ لیا۔ سحاب بے تحاشا شرمندہ ہوئی۔
"اصل میں آپی کی نیند بہت گہری ہے کوئی انہیں سونے سے اٹھائے تو—" وہ خجالت مٹانے کو بولی تھی۔ نمروز نے اُسے ٹوک دیا۔
"اٹس اوکے گڑیا۔ آپ جاؤ ہم خود آپ کی آپی کو دیکھ لیتے ہیں"۔ وہ ملائمت سے بولا۔ وہ شکر مناتی بھاگ گئی۔ دوسری طرف غالباً حجاب بھی اُس کی آواز سن چکی تھی اس لئے لحاف ہٹاتی اُٹھ بیٹھی۔
وہ اُس کے نزدیک بیڈ پر بیٹھ گیا۔
"آپ کب آئے؟" بال سمیٹتے ہوئے اُس نے سوئے سوئے لہجے میں استفسار کیا۔
"کچھ دیر پہلے"۔ وہ اُس پر نظر جماتے ہوئے بولا۔
حجاب نے آنکھیں مسلتے ہوئے ایک طویل جمائی لی اور ٹانگیں بیڈ سے نیچے لٹکا دیں۔
"میں منہ دھو کر آتی ہوں"۔ وہ اُٹھ گئی۔
جب وہ واپس آئی سحاب چائے رکھ کر جا چکی تھی۔
نمروز اب بڑے اطمینان سے اُس کی جگہ نیم دراز تھا۔ حجاب ایک طرف پڑی کرسی پر بیٹھ گئی اور چائے کا مگ اٹھا لیا۔
"کیا سوچا ہے تم نے؟"
حجاب نے بھنویں اُچکا کر اُسے دیکھا۔
"کس بارے میں؟"
"اپنی زندگی کے بارے میں"۔ وہ براہِ راست اُسے دیکھتے ہوئے بولا۔ اُس نے نخوت سے سر جھٹکا۔
"اب کیا سوچنا؟"
"کیا مطلب؟" اُس نے بھنویں سکیڑ کر کہا۔
"اپنی زندگی کے بارے میں سوچنے کے سارے اختیارات تو میں آپ کو دے چکی ہوں"۔ اُس نے بڑے سکون سے کہا۔
نمروز علی خان کے دل میں ٹھنڈسی پڑ گئی۔ وہ بے اختیار مسکرایا۔ یہ آج کے دن کی پہلی مسکراہٹ تھی۔
"شکریہ میری زندگی"..... وہ والہانہ انداز میں بولا۔ وہ خاموشی سے چائے پیتی رہی۔
کھانا بے حد خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔

نمروز کو وی آئی پی ٹریٹمنٹ ملا تھا جس پر وہ بے حد حیران ہونے کے ساتھ ساتھ خوش بھی تھا۔ اُس نے ایک گھر اور اُس سے منسلک رشتوں کی اہمیت کو شدت سے محسوس کیا تھا خود وہ اکلوتا ہونے کے بنا پر ہمیشہ گھر سے دور ہاسٹلز میں رہا پھر نیویارک چلا گیا۔ بنیادی طور پر وہ سرد مزاج اور تنہائی پسند تھا جس نے رشتوں کے خوبصورت احساس کو نہیں برتا تھا۔
واپسی کا سفر بے حد خوبصورت تھا۔ حجاب شاکنگ پنک کامدار سوٹ میں ہلکے پھلکے میک اپ کے ساتھ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی یا شائد یہ اُس کی نظروں کا کمال تھا۔

تیرا ہاتھ، ہاتھ میں آ گیا کہ چراغ راہ میں جل گئے
مجھے سہل ہو گئیں منزلیں کہ ہوا کے رُخ بھی بدل گئے

آنکھوں میں ڈھیروں چمک لئے مسکراتے ہوئے اُس نے شعر پڑھا تھا۔ حجاب سے نظریں نہیں اُٹھائی گئیں۔
اگلے روز ولیمہ کی تقریب تھی۔ ایک شاندار فنکشن تھا ایک جہانِ رنگ و بو تھا۔ حجاب نے سفید رنگ کا عالیشان لباس زیب تن کیا تھا جس کے ساتھ سفید ہیروں کا سیٹ تھا۔ نمروز نے سیاہ ڈنر سوٹ پہنا تھا۔ اُن کی جوڑی بے حد مکمل اور شاندار تھی ہر آنکھ میں اُن کے لئے ستائش تھی ہر نظر میں اُن کے لئے سراہت تھی۔ ایک شاندار جشن تھا جس میں بڑے بڑے نام تھے، بڑے بڑے لوگ تھے۔ وہ بھی کوئی ہیرو کریٹ تھا جس سے نمروز نے مسکرا کر اُس کا تعارف کروایا تھا۔
"مائے وائف! حجاب علی خان"۔
وہ بس تقدیر کے اس موڑ پر حیران تھی یا شاید ششدر، کل تک وہ صرف "حجاب تاثیر" تھی جس کی شناخت ایک صحافی اور کالم نگار کی حیثیت سے تھی۔ اور آج وہ ایک سیاستدان کی بیوی تھی۔ میڈیا نے ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔ ہر چینل اور اخبار کے نمائندے اس بریکنگ اور شاکنگ نیوز کی اطلاع سب سے پہلے نشر کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت بھی وہ صحافیوں اور چینل رپورٹرز کے ہجوم میں گھرے کھڑے تھے جب منزہ وہاں آئی۔
"آپ نے عملی طور پر ثابت کر دیا سر جی کہ آپ کو اخبار والے ہم سے زیادہ پیارے ہیں"۔ اُس نے آہ بھر کر اظہارِ افسوس کیا۔ دبے دبے قہقہے اُبھرے۔
"کیا آپ بھی امیدواروں میں شامل تھیں؟" کسی من چلے نے اُلٹا سوال داغ دیا۔
ایک بار پھر قہقہے اُبھرے۔
"اب کیا فائدہ—؟" منزہ نے مایوسی کی اداکاری کی۔
اسی وقت ثنا آگے آئی تھی۔ حجاب اُسے دیکھ کر بے ساختہ آگے بڑھی مگر کمر کے گرد حائل نمروز کا بازو اُس کی راہ میں رکاوٹ بن گیا۔
"کیسی ہو حجاب؟" وہ شاید اُس کے گلے ملنا چاہتی تھی مگر نمروز کو اُس کے اتنے قریب دیکھ کر خود بخود پیچھے ہٹ گئی۔
"فائن۔ تم کیسی ہو؟" حجاب مسکرائی۔
"میں بھی ٹھیک ہوں۔ تم نے بتایا نہیں۔ یوں اچانک اتنا بڑا سرپرائز—" وہ چپ ہو گئی چہرہ جوش و خوشی سے گلنار ہو رہا تھا۔
"سرپرائز اسی طرح کے ہوتے مس ثناء"۔ وہ بولا۔ تو وہ کچھ جھک کر منظر سے ہٹ گئی۔
وہ دونوں بھی آگے بڑھ گئے۔ وہ اُسے مختلف لوگوں سے ملواتا رہا۔ فلم نگری سے وابستہ، حکومتی ارکان، بڑے بلند مرتبہ لوگ اُس سے مل رہے تھے اُسے سراہ رہے تھے۔
"واٹ آ بیوٹی فل کپل"۔ رانا شوکت سلطان نے مسکرا کر کہا تھا۔
"واٹ آ پرفیکٹ میچ"۔ کسی دوسرے نے سراہا تھا۔ وہ بس خالی خالی نظروں سے اردگرد وقوع پذیر ہونے والے واقعات کو دیکھ رہی تھی۔ سب کچھ

www.pkdigest.com

یکدم بدل گیا تھا۔ مڈل کلاس حجاب تاثیر آج حجاب علی خان تھی۔ اس کی شناخت بدل گئی تھی۔
اس کا نام، اس کی پہچان بدل گئی تھی۔
تقدیر نے ایک ہی وار سے اُس کے کس بل نکال دیئے تھے کیونکہ جو جھکنا نہیں جانتے وہ ٹوٹ جاتے ہیں۔ وہ وقت کی اس کرشمہ سازی پر حیران تھی۔

وہ اُسے لئے ہوئے ڈانس فلور پر آ گیا۔ اُسے ان رسموں کو برتنا نہیں آتا تھا وہ اس ماحول کا حصہ نہیں تھی اور نہ ہی ان کی عادی۔ مگر پھر بھی وہ اُس شخص کے قریب تھی جس کے قریب ہونے کی خواہش اُس کے دل نے کبھی نہیں کی تھی۔ اُس کے گرد نمروز علی خان کے بازوؤں کا گھیرا تنگ تھا۔ اُس کا سر اُس کے شانے پر تھا۔ وہ شہزادوں کی سی آن بان رکھنے والا شخص اُس کے قریب تھا۔ جانے کتنی نگاہوں میں حسد اور رشک اُمڈا تھا۔ پھر اُس نے عمر کو دیکھا۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے بڑے بے تاثر انداز میں اُسے دیکھ رہا تھا۔

حجاب کے اندر اندھیرے پھیلنے لگے۔ وہ جیسے کسی برزخ میں اُترنے لگی۔ وہ خاموش تھا مگر اُس کی خاموشی پکارتی تھی۔

"ہاں حجاب تاثیر! اسی کی خواہش تو کی تھی تم نے۔ یہ نام، یہ شہرت، یہ مقام، یہ مرتبہ، یہی تو چاہا تھا تم نے"۔ اور حجاب کو احساس بھی نہ ہوا اُس نے اپنا سر اُس فراخ سینے پر ٹکا دیا اور کتنے خاموش آنسو اُس کے کشادہ سینے میں جذب ہو گئے۔

اِک نام تمہارا لے کر ہم جیتے ہیں مرتے ہیں
یہ عشق نبھا دینا تم گزارش یہ کرتے ہیں
جانِ من ..... جانِ من
تم خوش ہو تو ہم بھی یوں خوش رہتے ہیں
تم روٹھو تو ہم خود سے روٹھے رہتے ہیں
یہ جان لو بس تم سے ہی ہم اپنی خبر رکھتے ہیں
تم بھول نہ جانا اس کو گزارش یہ کرتے ہیں
جانِ من ..... جانِ من
جتنا بھی ہم تم کو چاہیں کم لگتا ہے
یہ عشق اسی لئے ہی تو پل پل بڑھتا ہے
تم سے ہی اس جنون کا ہم سارا بھرم رکھتے ہیں
تم توڑ نہ دینا اس کو گزارش یہ کرتے ہیں۔
جانِ من ..... جانِ من

اتنے لوگوں میں نیم تاریکی میں خوبصورت سا اظہار اور اس کا والہانہ پن، وہ سرخ پڑ گئی تھی۔ مگر نمروز علی خان کو اردگرد کی مطلق خبر نہ تھی وہ مکمل طور پر اُس پر حاوی ہو چکا تھا۔

وہ جانتی تھی
اُس کا جنون!
اُس کا دیوانہ پن!!
اُس کا والہانہ پن!!!
اُس کی جنوں خیزی!!!!

وہ ایک طلسم کے حصار میں تھی اور اس گھڑی جیسے اُس کا معمول تھی۔ رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی۔ تقریب اپنے عروج پر تھی جب آفتاب واسطی اُس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"کیسے ہیں سر جی آپ؟" مسکراتا ہوا، شگفتہ لہجہ۔

"میں ٹھیک ہوں"۔ نمروز مسکرایا تھا۔

"آپ کیسی ہیں مسز خان؟" وہ حجاب سے پوچھنے لگا۔

"فائن"۔ اُس نے کہہ کر نظر پھیر لی۔

"شادی مبارک ہو سر"۔

"شکریہ واسطی"۔ وہ مسکرا کر آگے بڑھ گئے۔

جبکہ آفتاب وہیں کھڑا تھا۔ خاموش، ساکت، مہر بہ لب۔

"میں بد باطن انسان نہیں ہوں حجاب! دنیا میں ہم بہت سی چیزوں اور لوگوں کو پسند کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ اب وہ ہماری

ملکیت ہو گئیں۔ میں نے تمہیں پسند کیا اور تم نے کسی اور کو۔ کیا فرق پڑتا ہے؟ شاید کچھ بھی نہیں۔ دنیا میں کہیں نہ کہیں کوئی اچھی لڑکی ضرور ہو گی جو میرا انتظار کر رہی ہو گی۔ میں نا اُمید نہیں"۔ وہ سوچتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

فنکشن اختتام پذیر تھا" آہستہ آہستہ لوگ واپس جانے لگے۔ وہ بے حد تھک چکی تھی۔ نیم گرم پانی سے ایک طویل شاور لینے کے بعد جب وہ باہر آئی تو نمروز کو بیڈ پر نیم دراز محوِ انتظار پایا۔ وہ خاموشی سے چلتی بیڈ تک آ گئی۔

"بہت تھک گئی ہو؟" اُس نے استفسار کیا۔

"ہاں" وہ بیڈ پر دراز ہو گئی۔

ریڈ نائٹی میں اونچی سی پونی ٹیل کیے وہ اُسے پلاسٹک کی گڑیا محسوس ہوئی۔ وہ اُس کے قریب آ گیا اور ہاتھ بڑھا کر ربڑ بینڈ کھینچ دیا۔ چمکدار بھورے بال تکیے پر بکھر گئے۔ وہ بے خود ہو گیا۔

"کیا ہو تم؟ کیوں اتنی عزیز ہو مجھے؟ میں نہیں جانتا۔ کیوں اتنی لگن ہے میرے اندر تمہاری؟ کیوں لگتا ہے کہ تم ہو تو جہاں ہے تم نہیں تو کچھ نہیں ہے۔ کیوں.....؟" وہ اُس کی کھلی زلفوں کو چومتا جاتا تھا۔

"میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں حجاب! بے حساب، بے انتہا، میری ہر راہ تم تک آ کر ختم ہو جاتی ہے۔ "تم" ہو تو "میں" ہوں۔ تمہارے سوا اس دنیا میں کیا ہے؟ میری زندگی ہو تم، میری جان"۔ اُس نے محبت کی انتہا کر دی تھی۔

حجاب کی خاموشی نہیں ٹوٹی تھی۔ وہ بس نمروز کی محبت کے چیختے چنگھاڑتے دریا میں کسی بے جان تنکے کی مانند بہتی جا رہی تھی۔ آنکھیں بند کئے کسی بے جان مجسمے کی طرح!!!

☆☆☆

رنگِ زندگی بدل گیا تھا۔ حجاب کے لیے زندگی کا مقصد ختم ہو گیا تھا اُس کے خواب ادھورے رہ گئے تھے اُس کا کیریئر ختم ہو گیا تھا۔ اور رنگِ زندگی تو نمروز کے لیے بھی بدل گیا تھا۔ اُس کے خواب تکمیل پا چکے تھے۔ وہ اپنے مقصدِ زندگی کو پا چکا تھا اور اس کا کیریئر اپنے عروج پر تھا۔ تعلیمی پالیسی کا ڈھانچہ مکمل طور پر تبدیل کیا جا چکا تھا۔ میٹرک تک تعلیم مفت کر دی گئی اور ایسا صرف اعلانیہ طور پر ہی نہیں کیا گیا بلکہ اس کے لئے عملی اقدامات اُٹھائے گئے تھے۔

نمروز علی خان نے بحیثیت وفاقی وزیرِ تعلیم تمام صوبوں اور بڑے شہروں کا دورہ کیا تھا۔ بہت سے دیہات، قصبے اور دور دراز کے علاقوں میں اُس نے خود نئے اسکولوں کی سنگ بنیاد رکھا تھا۔ غریب اور مستحق طالب علموں کے لیے خصوصی وظیفہ جاری کیا گیا۔ کچی بستیوں کو خصوصی توجہ کا مرکز بنایا گیا ایسے مرد و خواتین اُساتذہ جن کے دل میں خدمتِ خلق کا جذبہ زبانی کلامی باتوں سے بڑھ کر عملی اقدام اُٹھانے کے لائق تھا اُنہیں کچی بستیوں میں بھیجا گیا۔

"عام اسکول" کے نام سے ہفتے میں دو دن وہ اُساتذہ کسی بڑے میدان یا کھلے گراؤنڈ میں تمام بچوں سے لے کر بڑوں تک تمام افراد کو جمع کرتے جہاں اُنہیں ابتدائی طور پر لکھنا پڑھنا سکھایا گیا۔

"حوصلہ افزائی پروگرام" کے تحت ایسے تمام طالب علم جن میں مضمون نویسی، کالم نگاری، تقاریر، شاعری اور کہانی نویسی کی صلاحیت تھی اُن کے حوصلہ افزائی کے لیے وزارتِ تعلیم کی طرف سے اُنہیں میڈل اور کیش انعامات دیئے گئے۔ پرائمری اور مڈل کی سطح پر بچوں کو اخلاقی طور پر بہتر بنانے کے لیے مختلف ٹیبلوز، ڈرامے، تقاریر اور پروگرام کا انعقاد کیا گیا جن میں کئی ماہر تعلیم اور ماہرِ نفسیات نے لیکچرز دیئے۔ انٹر اور گریجویشن کی سطح پر طالبات میں امورِ خانہ داری کے حوالے سے سلائی، کڑھائی اور کھانا بنانے کے مقابلوں انعقاد کیا گیا جبکہ طالب

www.pkdigest.com

علموں میں خدمتِ خلق کے جذبے کو اُبھارنے کے لیے مختلف تقاریر اور لیکچرز کا اہتمام کیا گیا۔

یہ سب کہنے میں جتنا آسان نظر آتا تھا عملی طور پر اتنا ہی مشکل ثابت ہوا تھا۔ ہر چھوٹے سے چھوٹے ٹارگٹ کو حاصل کرنے کے لیے بھی اُسے بے حد مشکلات کے سامنا کرنا پڑا تھا۔ ہر راہ میں ایک نادیدہ دیوار کھڑی کر دی گئی تھی۔ پارٹی کی ہائی کمان اُس سے کچھ زیادہ خوش نہیں تھی۔ وہ ایمان داری اور ذہانت داری کے اُس سبق کو نہیں پڑھنا چاہتے تھے جو وہ اُنہیں پڑھاتا تھا جس کے نتیجے میں وہ اپنے اقوال اور اعمال کی بنا پر معتوب ٹھہرا تھا۔ اسے بے وجہ تنقید کا نشانہ بنایا جانے لگا اُس کے راستوں میں رکاوٹیں کھڑی کی جانے لگیں وہ مشکلات میں گھرا ضرور تھا مگر حوصلہ نہ ہارا تھا۔

اگر وہ پیچھے ہٹ جاتا تو کھیل ہی ختم ہو جاتا اور اُسے کھیل کو جاری رکھنا تھا۔ اُسے تبدیلی لانے کے وعدے کو عملی جامہ پہنانا تھا۔ وہ دِن رات مصروف تھا بلکہ حقیقتاً اُس کے لیے دن رات کا شمار ختم ہو گیا تھا بس دن اور رات ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے اور وہ اُن کے پیچھے۔

وہ ساری اُلجھنیں اور پریشانیاں آفس اور پارٹی سیکرٹیریٹ میں ہی چھوڑ کر گھر آتا تھا کیونکہ وہ بزنس اور کام کی ٹینشن گھر لانے کا قائل نہ تھا اس لئے حجاب کے سامنے ہمیشہ مسکراتے ہوئے ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ جاتا تھا۔

اگر وہ پیس جسٹس فریڈم آف ایکسپریشن کا چیئر پرسن نہ ہوتا تو شاید وہ اب تک اسے مکھن سے بال کی مانند نکال پھینکتے مگر موجودہ حالات میں اُس کی مقبولیت اور احسن اقدامات کے اثرات دیکھتے ہوئے اُسے یوں کک آؤٹ کرنا کچھ ایسا آسان بھی نہ تھا۔

اُس روز وہ آفس سے اُٹھا تو کچھ متفکر ضرور تھا مگر اتنا خاص نہیں۔ حجاب اُسے لان میں ہی نظر آ گئی تھی یہ سردیوں کے دن تھے فروری کا اختتام تھا دھوپ بہت کھلی کھلی اور روشن تھی۔ وہ بڑے سکون سے چیئر پر کرنکائے پاؤں ٹیبل پر دھرے بیٹھی تھی گود میں چھلے ہوئے سنگتروں کی پلیٹ تھی جسے وہ بڑی نفاست سے کانٹے کی مدد سے کھانے میں مشغول تھی۔ وہ گاڑی پارک کر کے اُس کی طرف چلا آیا۔

"السلام علیکم"۔ نمروز نے پہل کی۔

"وعلیکم السلام"۔ حجاب بری طرح چونکی پھر فوراً پاؤں نیچے کئے اور پلیٹ ٹیبل پر رکھ دی۔

"میں نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا"۔ وہ اُسے کانٹا پلیٹ میں رکھتے دیکھ کر بولا۔

"ایسی کوئی بات نہیں"۔ حجاب نے گھاس پر نظر ٹکاتے ہوئے جواب دیا۔ وہ ایک طویل سانس لے کر اُٹھ گیا۔

"تم اپنا شغل جاری رکھو میں چینج کر لوں"۔

وہ اندر کی طرف بڑھ گیا۔ اُس کی چال میں شکستگی تھی۔ وہ اول دن کی طرح آج بھی اُس سے صدیوں کے فاصلے پر تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ بہت اچھی اور فرمانبردار بیوی تھی مگر اُسے ہر پل یہ احساس ہوتا تھا کہ اس نے حجاب تاثیر کو کھو دیا ہے وہ جو بڑا تیکھا بولتی تھی یہ تو حجاب علی خان تھی جو اُس سے بات کرتا تو درکنار اُس کی طرف دیکھتی بھی نہ تھی وہ کوئی بات کرتا تو نظر جھکا کے سنتی بعض اوقات تو اُسے شبہ ہوتا وہ اُسے سنتی بھی نہیں۔ ریشمی راتوں کی تنہائی میں جب وہ اُس کے قریب آتا تو آنکھیں بند کئے وہ اپنے آپ سے بہت دور چلی جاتی۔ وہ جذبوں کی تمام تر شدتوں کے ساتھ اُس تک آتا اور وہ برف کا ایسا مجسمہ بن جاتی جس عشق کی پاگل آگ میں نہیں پگھلا سکتی۔ اُسے شدت سے احساس ہوتا کہ حق مہر میں "خان بلڈرز" اور "نمروز مینشن" کا حقِ ملکیت دے کر اُس نے ایک روبوٹ حاصل کیا تھا یا پھر چابی سے چلنے والی گڑیا، جو اُس کی ہر بات بلا چوں چراں مانتی تھی۔

اُسے میکے گئے اتنے دن گزر جاتے کہ نمروز کو اُسے یاد دلانا پڑتا کہ اُسے وہاں چکر لگا لینا چاہیے اور اُس نے ایسا ہرگز نہ چاہا تھا وہ تو اُسے خوش رکھنا چاہتا تھا خوش دیکھنا چاہتا تھا مگر وہ اس میں ناکام تھا بری طرح ناکام۔ زندگی بیتتی جاتی تھی اور مشکل کا کوئی حل نظر نہیں آتا تھا۔ دن اور رات کے اس چکر میں بھاگتے دوڑتے، وہ جس سہارے کا متلاشی تھا وہ مل تو گیا تھا مگر اُس کی چھایا سے وہ آج بھی محروم تھا۔ اُس کا دل چاہتا کہ وہ گھر آئے تو خوش لباس سی حجاب اُسے خوش آمدید کہے، پیار سے اُس کا کوٹ اُتارے اُسے شاور لینے کو کہے اُس کے لیے کافی لائے اور جب وہ سارے دن کا تھکا ہارا بیڈ پر آئے تو اپنی ریشمی ہتھیلیوں سے اُس کی ساری تھکن اُتار دے مگر یہ لاحاصل خواہشات، یہ بے سمت جنوں اور لاحاصل عشق۔

کتنا سہل جانا تھا
خوشبوؤں کو چھو لینا
روشنی ستاروں کی
مٹھیوں میں بھر لینا
جگنوؤں کی باتوں سے
پھول جیسے آنگن میں
روشنی سی کر لینا
اے نظر کی خوش فہمی
اس طرح نہیں ہوتا
تتلیاں پکڑنے کو
دور جانا پڑتا ہے۔

"تمہارے عشق نے مجھے مٹی کر دیا حجاب! میں تو بہت خوش قسمت تھا۔ ہر چیز میری دسترس میں تھی جدھر قدم بڑھاتا منزلیں کر راستہ دے دیتیں اور آج کیسے بے مایہ خاک کی مانند ریزہ ریزہ ہو کو تمہارے پاؤں تلے بچھا ہوں۔ یاد رکھنا! تم صرف میری ہو۔ ہر صورت میری۔ میری دسترس میں، میری قید میں، میری تسکین کو یہ احساس بہت ہے۔ سارا قصور تمہارا ہے کیوں انسان اتنا اچھا لگے کہ اپنا بنائے بنا چارہ نہ رہے۔ میں تمہیں جیت لوں گا ایک دن" ہر بار کی طرح اُس نے پھر عزم نو کیا تھا۔

☆☆☆

وہ کمبل میں لپٹی بڑی مگن سی کوئی ڈاکومنٹری فلم دیکھنے میں مصروف تھی۔ مگر ذہن وہاں کہاں تھا بہت دور کہیں خلاؤں میں پرواز کر رہا تھا۔

اُس کی یادداشت میں وہ احساسِ ذلت، وہ توہین آج بھی تازہ تھی جب اُسے الزام کی صورت نمروز علی خان کو قبول کرنا پڑا تھا۔ وہ وقت اُسے بھولتا نہیں تھا جب اُسے صرف عمر کی نظروں میں تذلیل نہیں سہنی پڑی تھی بلکہ وہ تو اپنی ہی نظروں میں گر کر رہ گئی تھی۔

"یہ میری زندگی تھی آپ کو کیا حق تھا کہ میں اسے بھی آپ کی مرضی کے مطابق گزاروں؟ آپ کو صرف اپنی زندگی گزارنے کا حق تھا۔ آپ نے کیسے سوچا کہ جس طرف آپ نظر اٹھائیں گے وہ چیز آپ کی ہو جائے گی۔ کیوں.....؟ اور میں کوئی چیز تو نہیں تھی۔ زندہ جیتی جاگتی لڑکی تھی۔ میرے خوابوں کا قتل کر دیا آپ نے۔ ہر صورت آپ کی تسکین ہوئی ہے۔ میں آپ کو معاف نہیں کر سکتی"۔

"مجھے نفرت ہے آپ جیسے گھمنڈی اور مغرور انسان سے جو دوسروں کو اپنی جاگیر سمجھتا ہے۔ میں ہرگز آپ کی جاگیر نہیں تھی۔ کس قدر بے رحم ہیں آپ؟

آپ کا عشق ٹھہرا!!!!
میرے لئے ذلت!!!!
یہ تفریق کیوں.....؟
مجھے آپ کی "محبت" کی ضرورت نہیں تھی مگر آپ نے زبردستی مجھے اپنی زندگی میں شامل کر کے یہ ثابت کیا کہ "احساسات" صرف آپ کے پاس ہیں۔ جینے کا حق صرف آپ کو ہے۔ اپنی "جائز و ناجائز" خواہشات کو پورا کرنے کا حق بھی صرف

www.pkdigest.com

آپ کو ہے کیوں کہ آپ جاگیردار ہیں آپ دولت مند ہیں۔ آپ تو سوچ بھی نہیں سکتے کہ آپ کی غیر محتاط گفتگو مجھے کس موڑ پر لے آئی تھی۔ میری زندگی کا وہ اندھا موڑ.....! میں کیسے بھول جاؤں؟ کیا حق تھا آپ کو مجھے یوں اپنے تصرف میں لانے کا؟ میں کوئی زمین کا ٹکڑا نہیں تھی جس پر اپنے نام کا جھنڈا لگا کر آپ نے مجھے فتح کرلیا"۔

"انسانی حقوق کی باتیں کرتے ہیں نا اپنی تقریروں میں۔ احمق انسان! آپ تو اُن کی الف ب سے بھی واقف نہیں۔ جسے دوسروں کے جذبات و احساسات کا پاس نہیں اُسے یہ باتیں کرنے کا کوئی حق نہیں"۔

"میرے نسوانی وقار کو اپنی آرزو کی قسمت بنایا آپ نے۔ کس قدر سفاک انسان ہیں آپ؟ میں آپ کے دیئے زخم نہیں بھول سکتی۔ آپ قطعی قابلِ رحم نہیں ہیں"۔ اُس کے اندر یہ بے رحم سوچ راسخ ہوچکی تھی۔

وہ تو اُسے نظر اُٹھا کر دیکھتی بھی نہیں تھی۔ وہ اُسے مخاطب کرتا تو مختصر سے مختصر ترین جواب دیتی۔ وہ اُسے قریب کرتا تو وہ پتھر کے مجسمے میں تبدیل ہو جاتی۔ وہ اُسے اپنے عشق کی واردات کی تفصیلات سُناتا تو وہ کان بند کرلیتی۔ خود سے اتنا دور چلی جاتی جہاں اُسے وہ احساسِ ذلت یاد نہ آتا جو اُسے عمر کے سامنے سہنا پڑا تھا۔ اسے تو یہ بھی یاد نہیں رہتا تھا کہ وہ کن کپڑوں میں ملبوس تھا شلوار قمیض، سوٹ یا ٹراؤزر میں۔ وہ اُسے گھر چلنے کو کہتا تو وہ چل پڑتی۔ سچ تو یہ تھا کہ اُس کا گھر جانے کو دل نہیں چاہتا تھا اُسے نئے سرے سے تکلیف ہوتی۔

عمر کا سامنا پہاڑ ڈھانے کے مترادف لگتا۔

یوں جیسے کوئی نئے سرے سے کھرنڈ نوچ دے۔

سب کچھ از سرِ نو یاد آتا تو عزمِ نو پھر انگڑائی لے کر زندہ ہوجاتا۔

"مجھے پائمالی کا دکھ نہیں بھول سکتا خواہ آپ ساری دنیا بھی میرے قدموں میں ڈھیر کردیں"۔

☆☆☆

حجاب کے نزدیک یہ بات اتنی بڑی نہیں تھی اس لئے اُس نے عام سی بات کا انداز دے کر باتوں میں بڑی امی سے تذکرہ کردیا اُن سے ہوتی ہوئی خبر سب تک پہنچی اور یہ کیسے ممکن تھا کہ عمر کو پتا نہ چلتا۔ وہ فون پر اُس کو تنگ کرنے لگا۔

"پتا ہے حجاب! ابھی امی جان نے مجھ سے کہا کہ مبارک ہو خیر سے ماموں بننے والے ہو۔ میں نے پوچھا "ماموں تو میں بن رہا ہوں، باپ کون بن رہا ہے؟" وہ ہنس ہنس کا بتا رہا تھا۔

حجاب تو کانوں تک سرخ پڑ گئی۔

"امی کو دو فون"۔ وہ بدقت بولی۔

اُس نے فون امی جان کو دے دیا۔ وہ اُسے تسلی دینے لگیں ساتھ ہی ہدایات کا لمبا چوڑا سلسلہ شروع کردیا۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی پھر فون بند کرنے کے بعد طویل سانس لے کر اُٹھی اور چلتی ہوئی کمرے سے باہر آگئی۔

"صدف! میرے لئے اورنج جوس لے کر لان میں آؤ"۔ وہ اُسے ہدایت دے کر لان میں چلی آئی۔

کین کے چیئر پر بیٹھے ہوئے وہ نمروز کے رویے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ خیال تو وہ اُس کا پہلے بھی رکھتا تھا مگر اب تو گویا اُسے ہتھیلی کا چھالہ بنالیا تھا۔ بیس بار فون کر کے گھر اُس کا حال پوچھتا اُسے بیلنس ڈائٹ کا حکم دیتا اور ساتھ ہی صدف کو بھی ڈھیروں ہدایات جاری کرتا۔ اس وقت بھی صدف آئی تو ٹرے میں رکھے فریش جوس کے جگ اور گلاس کے ساتھ کارڈلیس فون تھا۔

"خان کا فون ہے بی بی صاحبہ" اُس نے ادب سے فون اُس کی طرف بڑھایا اور واپس چلی گئی۔

"السلام علیکم" اُس نے فون کان سے لگا کر کہا۔

"وعلیکم السلام" وہ مسکرایا تھا۔

"کیسی ہو؟ کیا کر رہی تھیں؟"

"ٹھیک ہوں اور جوس لینے لگی تھی"۔ اُس کا لہجہ بہت بے تاثر تھا۔

"گڈ گرل۔ اچھا آج تیار ہوجانا ڈنر پہ جانا ہے"۔

"کوئی بزنس ڈنر ہے؟"

"نہیں "ذاتی ڈنر" ہے۔ Village چلیں گے یا پھر شنگھریلا۔ واپسی پر پاک ٹاور سے شاپنگ"۔

"شاپنگ کی کیا ضرورت ہے؟" وہ جوس گلاس میں انڈیلتے ہوئے بولی تھی۔

"ضرورت تو ہمیشہ رہتی ہے میری جان! جیسے مجھے تمہاری"۔ وہ محبت سے معمور لہجے میں بولا تھا۔

"جیسے آپ کہیں" اُس نے فرماں برداری کی انتہا کردی۔

"اچھا۔ اللہ حافظ" اُس نے فون بند کردیا۔

حجاب نے طویل سانس لے کر فون ٹیبل پر رکھ دیا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ اپنے تمام تر جذبوں اور بے شمار دولت کے ساتھ بھی اُس کا کوئی جذبہ اپنے نام نہیں لکھوا سکے گا۔

"کیسی لاحاصل جدوجہد ہے آپ کی نمروز علی خان! افسوس میرے دل میں تو آپ کے لیے جذبۂ ہمدردی تک نہیں پیدا ہوتا"۔

اُس نے افسوس کے ساتھ سوچا تھا۔

دن گزرتے جارہے تھے۔ وہ پہلے سے بڑھ کر اُس کا خیال رکھتا تھا۔ بڑی امی نے وعدہ کیا تھا کہ ڈلیوری سے تین ماہ پہلے وہ خود یا آمنہ بیگم ضرور آجائیں گی اور اب وہ حسبِ وعدہ آچکیں تھیں۔ یہ اگست کا وسط تھا اور وہ لان میں بیٹھیں خنک ہوا سے لطف اندوز ہورہی تھی جب صدف آئی تھی۔

"بی بی صاحبہ! خالد عباسی آئے ہیں آپ سے ملنے"۔

"خالد عباسی؟" پھر فوراً اُس کے ذہن نے متحرک ہوکر اُسے پی جے ایف کے جنرل سیکریٹری کی تصویر دکھائی۔

وہ کچھ الجھی۔

"تم چلو۔ میں آتی ہوں" وہ اپنے بھاری بھر کم وجود پر شال لپیٹتی ہوئی اٹھ گئی۔

"بڑی امی! یہ پارٹی ورکر ہیں میں ان سے مل کر آتی ہوں"۔

وہ بتا کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

وہ اُسے کچھ پریشانی اور اضطراب کے عالم میں ٹہلتا نظر آیا۔

"تشریف رکھئے۔ خیریت سے آنا ہوا؟" اُس کا لہجہ خالص بیگمات والا تھا۔

وہ خاموشی سے صوفے پر ٹک گیا۔

"میں بہت آس و امید کے ساتھ آپ کے پاس آیا ہوں بیگم صاحبہ! میں چاہتا ہوں آپ خان صاحب سے بات کریں انہیں سمجھائیں"۔ خالد کے لہجے میں حقیقی پریشانی تھی۔

"ایسی کیا بات ہے؟" وہ چونکی۔

"بات یہ ہے کہ....." وہ دھیرے دھیرے بولنے لگا۔

حجاب کا چہرہ بار بار رنگ بدل رہا تھا۔ خالد نے بات ختم کرنے کے بعد اُس کا چہرہ دیکھا۔ حجاب کا رنگ زرد پڑا ہوا تھا۔ وہ کچھ گھبرا گیا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟"

"ہاں! میں ٹھیک ہوں"۔ اُس نے پیشانی سے پسینہ پونچھا۔

"پھر میں کچھ اُمید رکھوں؟"

"ہاں میں بات کروں گی اُن سے"۔ وہ خود کو

www.pkdigest.com

سنبھال کر بولی۔
''بہت شکریہ بیگم صاحبہ! اجازت ہے؟'' وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔
''ہوں''۔ مدھم سی ہوں کی۔
وہ چلا گیا۔
وہ وہیں بے دم سی بیٹھی تھی۔ اُس کی نظروں میں نمروز علی خان کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ وہ اتنے آرام سے سب کیسے جھیل رہا تھا۔ وہ تو ہمیشہ کسی ٹھہرے ہوئے پرسکون سمندر کی مانند نظر آتا تھا۔ اُسے خالد کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔
اندر ہی اندر پکتا ہوا لاوا۔
پارٹی قیادت میں پھوٹ۔
چیئر مین کی برطرفی کے لیے کوششیں۔
پارٹی فنڈ میں غبن کے الزامات!
جھوٹے ثبوت اور گواہ!!!
ناجائز بھرتیوں اور بدعنوانی کے الزامات!
فارورڈ گروپ بننے کے امکانات۔
چیئر پرسن کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک کے لیے کوششیں۔ بڑھتی ہوئی اندرونی سازشیں اور پارٹی کو ہائی جیک کرنے کی کوششیں!!!
''میرے خدا''۔ اُس نے سر ہاتھوں پر گرا لیا۔
کچھ دیر بعد وہ خود کو سنبھال کر اُٹھ گئی۔ اُس نے نمروز سے بات کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔
رات کھانا کھانے کے بعد بڑی امی اپنے کمرے میں چلی گئیں جو اُن کے لیے حجاب نے مختص کیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں آ گئے۔ وہ چینج کرنے کے بعد بیڈ پر آیا تو حجاب نے پہلی بار کسی قدر دھیان اور غور سے اُس کا جائزہ لیا۔ اُس کی سرخ سفید رنگت ماند پڑی ہوئی تھی اور چمکدار سیاہ آنکھیں کسی قدر بجھی ہوئی تھیں۔ بھنوؤں کے درمیان گہری شکن کسی عمیق سوچ کا اظہار تھی اتنا اندازہ اُسے اُس کے ساتھ رہتے ہوئے ہو گیا تھا۔

''ایک بات کرنی تھی آپ سے''۔ جو آرام دہ پوزیشن میں بیٹھتے ہوئے بولی۔
وہ چونکا۔
''ہوں''۔ اُس نے اے سی کی اسپیڈ بڑھائی۔
حجاب نے اُس کے پرتفکر چہرے کو دیکھا۔
''آج خالد عباسی آیا تھا''۔
وہ بڑے بھرپور طریقے سے چونکا۔
''کیوں؟''
''اُس نے مجھے سب بتا دیا ہے''۔ حجاب نے بلاتمہید کہا۔
نمروز نے ہونٹ بھینچ لیے۔
''کیا سب............؟''
''وہ سب جو ہو رہا ہے''۔ وہ تلخی سے بولی۔
نمروز ایک طویل سانس لی اور سر تکیے پر گرا دیا۔
''نمروز باؤ میرا'' اُسے ہمیشہ والی فرمائش کی۔ حجاب کے ہاتھ اُس کے بالوں میں چلنے لگے۔
''جواب نہیں دیا آپ نے میری بات کا''۔
وہ پھر بولی۔
''یہ میری جنگ ہے حجاب! میں اس میں تمہیں شریک نہیں کرنا چاہتا''۔ وہ آنکھیں موندے ہوئے بولا تھا۔
حجاب کے ہاتھ رک گئے۔
''یہ جنگ آپ کی ہے تو میں کس کی ہوں؟'' وہ مزید تلخ ہوئی۔
نمروز کا دل بڑے عجیب انداز میں دھڑکا۔
''تو گویا تم تسلیم کرتی ہو کہ تم میری ذات کا حصہ ہو''۔
''مجبوری ہے''۔ وہ اُسی لہجے میں بولی۔
اذیت اور دُکھ کی تیز لہر نمروز کے وجود کو کسی آری کی مانند کاٹ گئی۔

''ہاں مجبوری''۔ وہ اذیت سے ہنسا۔
پھر اُس کی طرف پشت کر لی۔
''لائٹ آف کر دو۔ مجھے نیند آ رہی ہے''۔
☆☆☆
وہ کسی ضروری اجلاس میں شرکت کے لیے کراچی میں تھا جب اُسے عمر کا فون آیا تھا۔
''حجاب ہاسپٹل میں ہے آپ آ جائیں''۔ عمر کا لہجہ انتہائی پریشانی لیے ہوئے تھا۔
''وہ ٹھیک ہے نا'' اُس کا لہجہ ڈوبنے لگا۔
''آپ آ جائیں۔ بس آ جائیں''۔ عمر نے فون بند کر دیا۔
پھر کراچی سے لاہور کی اسی منٹ کی فلائٹ کے دوران اُس نے کتنی بے شمار دعائیں اور مناجاتیں کر ڈالیں تھیں۔ وہ ائیرپورٹ سے سیدھا ہاسپٹل پہنچا تھا اور عمر کو اُڑے رنگ اور ستے چہرے کے ساتھ اپنے سامنے پا کر وہ بے اختیار ہو گیا۔
''حجاب کہاں ہے؟ وہ ٹھیک ہے نا؟'' اُسے دونوں شانوں سے جھنجوڑتا وہ اپنے حواسوں میں نہ تھا۔
عمر اُسے کوئی جھوٹی تسلی بھی نہ دے سکا۔
''صبر کرو بیٹا۔ اللہ کرم کرے گا''۔ بڑی امی نے اُس کے شانے پر ہاتھ دھر کر تسلی دی۔
چار گھنٹے جیسے اُس نے کسی سولی پر لٹک کر گزارے تھے۔ عمر کو صحیح معنوں میں اُس کی محبت کا اندازہ ہوا تھا۔ اور جب ڈاکٹرز نے دعا کے لیے کہا تو وہ بچوں کی طرح عمر کے شانے سے لگ گیا۔
''میں اُسے کھو کر زندہ نہیں رہوں گا عمر! اسے کہو میرے ساتھ ایسا مت کرے''۔ وہ جان کنی کی حالت میں تھا۔
جب ڈاکٹرز نے سب نارمل ہونے کی نوید بیٹے کی خوشخبری کے ساتھ سنائی تو وہ خوشی سے پاگل ہونے کو تھا۔ جیسے ہی اُسے روم میں شفٹ کیا گیا وہ اُسے دیکھنے کو لپکا تھا۔ وہ اُس کے سامنے تھی زرد رنگت اور مٹے مٹے کاجل کے ساتھ۔ وہ بے ساختہ اُس پر جھک گیا۔
''میں تمہارے بغیر مر جاتا حجاب''۔ اُسے والہانہ انداز میں چومتے ہوئے وہ بے قرار ہو کر بھیگی آواز میں بولا۔
حجاب نے بے اختیار ہاتھ تسلی آمیز انداز میں اُس کے شانوں کے گرد پھیلا دیا۔ وہ تو اُس سے نفرت کرتے رہنا چاہتی تھی مگر ماحول اس قدر بدل چکا تھا کہ وہ اپنا دکھ بھول کر اُس کے آنسو پونچھنے میں مصروف ہو گئی۔
بڑی امی نومولود کو اُٹھائے اندر آئیں تو وہ عجیب سی سرخوشی اور فخر سے اُن کی طرف بڑھا۔
سرخ و سفید گول مٹول سا بچہ بہت خوبصورت تھا۔ نمروز کو سب سے زیادہ خوبصورت اُس کی ٹھوڑی کا بھنور لگا تھا۔ وہ اُسے لے کر حجاب کے نزدیک آ گیا۔
''یہ کتنا پیارا ہے حجاب''۔ وہ بچوں کی سی معصومیت سے بولا پھر وفورِ شوق سے بچے کا ماتھا چوما۔
''اس کا نام کیا رکھیں؟''
''جو آپ کو پسند ہو''۔ وہ مسکرائی بہت ہلکا سا۔
نمروز کو ارد گرد روشنیاں سی پھیلتی ہوئی محسوس ہوئیں۔
''اُسامہ علی خان''۔
''ٹھیک ہے''۔ اُس نے تائید کی۔
اگلے دن وہ گھر شفٹ ہو گئی تھی۔ بڑی امی پہلے ہی یہاں تھیں عمر، سحاب اور آمنہ بیگم کو بھی لے آیا۔ وہ شور مچا کر کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ایک ہفتے بعد رسم عقیقہ کی گئی تھی۔ نمروز علی خان نے اتنا صدقہ خیرات نکالا تھا کہ لگتا تھا کہ کوئی آج اس شہر میں بھوکا نہ سوئے گا۔ مائرہ اور منزہ بھی اپنی فیملیز کے ساتھ موجود تھیں۔

www.pkdigest.com

"دیکھو بھئی حجاب یہ جو تمہارا شوہر ہے نا یہ بڑا چارمنگ بندہ ہے اس لے اس کا خوب دھیان رکھا کرو"۔ منزہ نے شرارت سے کہا۔

"بے فکر رہیں آپی! میرے سوا ساری دنیا کی لڑکیاں اُن کے لیے بہنیں ہیں"۔ وہ مطمئن سی ہنسی ہنسی۔

"تم وفادار بیویوں کی مانند دفاع کرنا کر رہی ہو"۔ عمر ہنسا۔

"بالکل۔ کیا چلتا پھرتا خزانہ ہے تیرا شوہر۔ مائرہ نے کہا۔

"آپی! خیر ہے نا آپ کو اُن کی بڑی فکر ہو رہی ہے"۔ وہ مشکوک ہوئی۔

مائرہ چونکی پھر گڑبڑا کر اُسے دھپ جمائی۔

"بدتمیز" وہ شرمندہ ہوئیں۔

سب ہنس دیئے۔

"میں بتاتا ہوں وفادار شوہر صاحب کی حالت۔ اچھا جناب سین کچھ اس طرح ہے کہ حجاب صاحبہ آپریشن تھیٹر میں ہیں اور ڈاکٹرز نے دعا کے لیے کہا ہے" عمر بڑی امی کے نزدیک بیٹھا اور پھر بات شروع کی۔

"میں اُسے کھو کر زندہ نہیں رہوں گا عمر! اُسے کہو میرے ساتھ ایسا مت کرے"۔ وہ بڑی امی کے شانے سے لگ کر زبردست ایکٹنگ میں مصروف تھا۔ جب نمروز نے اندر قدم رکھا۔ سب نے ہنسی دبائی۔

"بالکل۔ جاری رکھو"۔ اُسے بڑھاوا دیا۔

عمر کو کرنٹ لگا وہ بے ساختہ بڑی امی سے الگ ہوا۔ سب اُس کی شرمندہ صورت دیکھ کر ہنس دیئے۔

"بڑی ماں! اسے بھی کہیں کھپائیں تاکہ اللہ اس پر بھی یہ وقت لائے اور ہم بھی ہنسیں"۔ وہ مسکراتا ہوا بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"بالکل امی جان"۔ مائرہ نے تائید کی۔

"لڑکی تو ہے میری نظر میں اور آپ کو بھی پسند آئے گی"۔ حجاب نے دھماکہ کیا۔

سب حیران ہوئے۔

"کون؟" منزہ نے کہا۔

"ثنا۔ آپ کو تو پتا ہوگا"۔ وہ نمروز کی طرف مڑی۔

"کون ثنا"۔ وہ بھی چونکا۔

"ثناء طارق"۔

"اچھا۔ ہاں وہ اچھی لڑکی ہے"۔ نمروز نے تائید کی۔

"بھئی کوئی اتا پتا بھی دو"۔ صفیہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

"اتا پتا تو آپ کو عمر دے دے گا۔ میرا خیال ہے عمر! تمہیں بھی پسند آئے گی"۔ وہ شرارت سے بولی۔

عمر ضبط کرتا اُسے دھمکی آمیز نظروں سے گھورنے لگا۔ وہ کر ہنس دی۔

نمروز علی خان کو عمر کے بعد اُس میں "حجاب تاثیر" کی جھلک دکھائی دی۔ اُس کا دل چاہا وقت یہیں تھم جائے وہ ہمیشہ کے لیے ایسی ہی ہو جائے۔ اُسے احساس ہوا کہ وہ کتنا بدل چکی ہے۔ یا اُس نے خود بدل دیا ہے۔

موضوع گفتگو بدل گیا کچھ دیر بعد وہ جانے کے لیے اُٹھے تو حجاب امی جان سے مخاطب ہوئی۔

"سحاب کو یہیں رہنے دیں امی جان"۔

"نہیں بھئی میں نہیں رُک سکتی۔ آپ کو پتا ہے گھر کے کام کاج کا بہت مسئلہ ہو جاتا ہے"۔ سحاب نے کہا۔

"چلو۔ جیسے تمہاری سہولت"۔ حجاب خوشدلی سے بولی۔ وہ اُنہیں رُخصت کر کے آیا تو وہ ننھے اُسامہ کو کاٹ میں لٹا رہی تھی۔

"اسے ادھر لاؤ بھئی۔ ابھی تو مجھے اپنے شہزادے کو ڈھیر سارا پیار کرنا ہے"۔ وہ محبت سے

بولا۔

وہ کاٹ سے اُسامہ کو اُٹھا لائی۔ نمروز نے اُسامہ کو اُس کے ہاتھوں سے لیتے ہوئے بغور اُس کا جائزہ لیا۔ ماں کے ملبوس کی مخصوص مہک لئے وہ خطرناک حد تک خوبصورت نظر آ رہی تھی۔

"مجھے لگتا ہے حجاب! عمر، ثناء کو پسند کرتا ہے"۔ اُسامہ سے کھیلتے ہوئے اُس نے کہا۔

وہ ہیئر برش لے کر اُس کے نزدیک آ بیٹھی۔

"بالکل ٹھیک لگتا ہے آپ کو۔ وہ بہت عرصہ سے اُسے پسند کرتا ہے۔ اصل میں عمر کے ساتھ میرے دو رشتے ہیں ایک تو میرا کزن ہے دوسرا بھائی۔ وہ میرا رضاعی بھائی ہے۔ ہماری آپس میں اتنی انڈرسٹینڈنگ اور انوالومنٹ دیکھتے ہوئے سب کو لگتا تھا کہ ہم شادی کر لیں گے۔ سب سے میری مراد وہ سب ہیں جو ہمیں صرف کزن کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ وہ ہنسی۔

"اب میں ہر ایک کو تو نہیں بتا سکتی کہ وہ میرا رضاعی بھائی ہے۔ ویسے مجھے اُمید ہے کہ ثناء سب کو پسند آئے گی"۔ وہ بال سنوار چکی تھی اس لئے برش رکھنے اُٹھ گئی۔

دوسری طرف نمروز علی خان نے پرسکون ہو کر کراؤن سے ٹیک لگا لی۔ وہ تو خود ہی سمجھتا تھا۔ عرصہ سے حلق میں چبھنے والی پھانس آج نکلی تو تن بدن میں سکون کی لہریں سی چلنے لگیں۔ وہ اُس کے پاس آئی اور اُسامہ کو اُٹھا کر کاٹ میں لٹا دیا۔ پھر خود باتھ میں چلی گئی کچھ دیر بعد لوٹی تو گلابی ٹائٹی میں بلاشبہ غضب ڈھا رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ پر آ کر دراز ہوئی تو نمروز نے آہستگی سے اُس کے تکیے پر سر رکھا اور اُس کے گرد بازو پھیلا دیئے۔ حجاب نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ بجھا دی تھی۔

☆☆☆

بڑی امی اور امی جان کو ثناء بے حد پسند آئی تھی۔ مائرہ اور منزہ نے بھی اُسے "اوکے" کر دیا تھا۔ بڑی امی جان نے اُسے ہدایت کی تھی کہ اُسے نمروز کے ساتھ ثناء کے ہاں ضرور جانا چاہیے مگر اُس نمروز کی مصروفیت کا کہہ کر معذرت کر لی تھی کیونکہ وہ آج کل بے حد مصروف تھا مشکل سے ہی دن میں اُس کی صورت نظر آتی رات بھی بارہ بجے کے بعد ہی لوٹتا تھا۔ اس لئے اس نے کہا تھا کہ وہ تسلی سے منگنی کی ڈیٹ رکھیں تب تک اُس کا سوا مہینہ بھی پورا ہو جائے گا۔ اس لئے انہوں نے اس کی سہولت دیکھتے ہوئے اُس کی معذرت خوشدلی سے قبول کر لی تھی۔

دور کہیں سے فجر کی اذانوں کی آواز آ رہی تھی۔ حجاب کی آنکھ کھلی تو کمرے میں گہری تاریکی تھی۔ وہ طویل سانس لے کر اٹھی، اپنے گرد حمائل نمروز کا بازو ہٹایا اور اٹھ کر لائٹ جلا دی۔ لیکن اُس نے نہایت کم روشنی کا حامل نیلگون نائٹ بلب جلایا تھا اُسے پتا تھا ادھر تیز روشنی آن ہو گی اُدھر وہ اٹھ جائے گا۔ رات چونکہ وہ خاصا لیٹ آیا تھا اس لئے اُس کا اُسے جگانے کا ارادہ نہ تھا۔ وہ آہستگی سے چلتی ہوئی باتھ روم گئی اور وضو کرنے کے بعد آ کر جائے نماز بچھائی اور نماز ادا کرنے میں مصروف ہو گئی۔ جیسے ہی اُسے نے دعا کے لیا ہاتھ اٹھائے، اُسامہ نے رونے کے لیے پوزیشن لے لی۔ وہ دعا مختصر کرتی اُٹھ گئی۔ اُسامہ کو کاٹ سے اُٹھایا اور لے کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اُسے فیڈ کراتے ہوئے اس کا ہاتھ غیر ارادی طور پر اُسامہ کے بالوں میں چلنے لگا۔ اُس کی سیاہ کشادہ چمکدار آنکھیں بالکل نمروز جیسی تھیں اور ٹھوڑی کا بھنور بالکل حجاب جیسا۔ حجاب نے جھک کر اُس کی آنکھوں کو چوما اور اُسے واپس لٹا دیا۔ جیسے ہی وہ اُسے لٹا کر سیدھی ہوئی اُسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ نمرو جاگ چکا تھا اور کراؤن سے ٹیک لگائے وہ اُسے دیکھنے میں مگن تھا۔

حجاب نے طویل سانس کھینچی اور آگے بڑھ آئی۔ کچھ بھی تو حیران کن نہیں تھا۔ اُس شخص کی دیوانگی آج بھی اُسی طور تھی۔

www.pkdigest.com

اُس کا جنون آج بھی پاگل کر دینے والا تھا۔
اُس کا عشق آج بھی بلا خیز تھا۔
وہ شہزادوں کی سی آن بان رکھنے والا دلربا سا شخص کیوں اُس کے لیے اتنا دیوانہ تھا۔
وہ آج بھی نہیں سمجھ سکی تھی۔
"آپ اُٹھ گئے؟"
"پانی دو مجھے"۔ وہ آنکھیں مسل رہا تھا۔
حجاب نے گلاس بھر کے اُسے تھما دیا اور قریب ہی بیٹھ گئی۔
"زیادہ مصروفیت تو نہیں ہے آج؟"
"کیوں؟" اس نے گلاس واپس تھمایا۔ اور اپنی سیاہ خوبصورت آنکھیں اُس پر مرکوز کر دیں۔
حجاب کو بارہا احساس ہوا تھا کہ چاہنے والے مرد کی نظر سے نظر ملانا کتنا بڑا معرکہ ہوتا ہے۔ ہلکا سا گلابی پن لئے ہوئے اُس کی سیاہ چمکدار آنکھوں میں جھانکنا آج بھی اُس کے لیے ممکن نہ تھا۔ اُس نے نظر جھکائی اور بات آگے بڑھائی۔
"امی جان آنے کا کہہ رہی تھیں"۔
"آج کل تو بہت مصروفیت ہے۔ چند دن رُک جاؤ"۔ وہ شہادت کی انگلی سے پیشانی مسلتے ہوئے بولا۔
"جیسے آپ چاہیں"۔ اُس نے ہمیشہ کی طرح فیصلہ نمروز پر چھوڑ دیا۔
"جانا ضروری ہے کیا؟"
"اصل میں اُسامہ کے بعد ایک دفعہ بھی نہیں گئی تو بہت شکوہ کر رہی تھیں"۔
"ہوں۔ دو ماہ کا تو اُسامہ بھی ہو چکا ہے۔ خیر نکالوں گا وقت۔ تم کافی بناؤ۔ میں تب تک باتھ لے لوں"۔ وہ اٹھ گیا۔
"کہیں جانا ہے اتنی صبح؟"
"ہوں۔ اسلام آباد جانا ہے"۔
"واپسی کب ہے؟"
"دو تین دن لگ سکتے ہیں"۔
"اچھا..... ناشتہ کریں گے؟"
"نہیں"..... وہ مختصراً جواب دے کر باتھ کی طرف بڑھ گیا۔
حجاب بھی اُٹھ کر باہر آ گئی۔ کچن میں آ کر وہ خود اس کے لیے کافی بنانے لگی اس نے نمروز مینشن میں آنے کے بعد صدف کا عمل دخل بہت کم کر دیا تھا۔ خاص طور پر نمروز کی زندگی میں سے۔ وہ کافی بنا کے لوٹی تو سجا سجایا نمروز اُسامہ کو گود میں لئے بیٹھا تھا۔
"اُسامہ اُٹھ گیا؟" حجاب نے کافی کا کپ ٹیبل پر رکھا۔
"نہیں"۔ وہ اُسے چومتے ہوئے بولا۔
حجاب کو حیرت ہوئی وہ اُسے گود میں اتنی اتنی دیر لے کر بیٹھا رہتا اُس کے ساتھ کھیلتا رہتا جب کہ اُس نے دیکھا تھا کہ مائرہ اور منزہ آپی کے شوہر بہت کم بچوں کو یوں اُٹھاتے تھے۔
"لائیں اسے مجھے دیں"۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر اُسامہ اُس کی گود سے لے لیا۔
کاسنی سبز سوٹ میں اُس کی چھب ہی نرالی تھی۔ نمروز نے نظر بچائی اور کافی کے گھونٹ لینے لگا۔
"حجاب!"
"جی"۔ اُس نے نظر اُٹھائی اور پھر جھکائی۔
نمروز کی سرخ سفید رنگت پر آنکھوں کے نیچے نمودار ہوتے ہلکے براؤن ڈارک سرکلرز بہت نمایاں تھے اور اُس کی شدید پریشانی اور کم خوابی کے غماز بھی۔
"مجھے اعتراف ہے کہ میں تمہیں بہت غلط سمجھا تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ میں تمہیں پالوں گا تو یہ جنوں، یہ کوشش، یہ جستجو سب ختم ہو جائے گی مگر"..... وہ رُکا۔

"میں تو آج بھی وہیں ہوں۔ جہاں سے چلا تھا"۔ اُس کا لہجہ شدید ترین احساس کمتری اور بے بسی کا غماز تھا۔
"تم سے دور تمہاری محبت سے دور، تمہارے دل سے دور" کتنا کرب سمٹ آیا تھا اُس کے لہجے میں۔
"اگر تم اپنی پسند سے شادی کرتیں تو"
.....
حجاب نے تیزی سے اُس کی بات قطع کی تھی۔
"تب حالات مختلف ہوتے"۔
وہ چپ ہو گیا۔
"اچھا یہ بتاؤ میرے جانے کے بعد مجھے یاد کرو گی"؟ وہ بات بدل گیا۔
"آپ اتنے زیادہ دنوں کے لیے تو نہیں جا رہے"۔ وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔
وہ بجھ گیا۔ خاموشی سے کافی پیتا رہا پھر اُٹھ کر اُس کے پاس آ گیا۔ جھک کر اُسامہ کو پیار کیا اور اُس کے نزدیک بیٹھ گیا۔ جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ نکالا۔
پہلے حجاب کی پیشانی پر آئے بال سمیٹے پھر آہستگی سے اُس کا آنچل سرکا دیا۔ حجاب کا دل دھڑک اُٹھا۔
نمروز نے ہاتھ میں پکڑے گولڈ کے ہارٹ شیپ پینڈنٹ کا لاک کھولا اور اُسے پہنانے لگا۔ چند پل اُسے دیکھتا رہا پھر اپنا استحقاق استعمال کرتے ہوئے فاصلے کم کر دیئے۔ اُس کے چہرے پر پھول کھلائے اور سرگوشی میں "اللہ حافظ" کہتا اُٹھ گیا۔
گاڑی میں بیٹھتے ہوئے نمروز نے سوچا۔
"میں دیکھوں گا حجاب! تمہاری خودسری کی انتہا کیا ہے؟"

☆☆☆

بڑی امی کا فون آیا ہوا تھا انہوں نے اُس کی

وہ خبر لی کہ وہ ارے، ارے کرتی رہ گئی۔
"مجھے سمجھ نہیں آئی حجاب! تم اتنی غیر ذمہ دار کب سے ہو گئی ہو۔ غضب خدا کا اکلوتے بھائی کی خوشی ہے اور تم" وہ بہت ناراض تھیں۔
"بڑی امی! میری بات سنیں۔ آپ کو پتا ہے اُن کی مصروفیت کا" وہ بے بس ہوئی۔
"اے۔ ہاں۔ ساری دنیا سے زیادہ مصروف ہے تمہارا میاں" وہ جل کر بولیں۔
"ابھی تو اسلام آباد گئے ہوئے ہیں۔ آئیں گے تو ضرور آؤں گی" آپ مجھے منگنی کا دن بتائیں۔
"اس جمعہ کو ہے تقریب۔ اور اگر تمہارے میاں کو فرصت نہ ملی تو آ جانا"۔ وہ ناراض ہوئیں۔
حجاب نے بمشکل ہنسی دبائی۔
"کیسی ہو حجاب؟" عمر کی آواز آئی۔
وہ الرٹ ہوئی۔
"ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ۔ حرے میں ہو"۔ وہ مسکرائی۔
"بہت مزے میں ہوں لیکن یاد رکھنا اگر تم نہ آئیں تو....." وہ دھمکی آمیز انداز میں بولا۔
"تو کیا منگنی کی انگوٹھی پہننے سے انکار کر دو گے؟" حجاب نے چھیڑا۔
"بالکل نہیں۔ میں بڑے حرے سے منگنی کراؤں گا۔" وہ ہنسا۔
"بروٹس"۔ حجاب نے دانت پیسے۔
"تو اور کیا کروں؟ بہن صاحبہ کے پاس فرصت نہیں اور اُن کے میاں صاحب نے تو پورا پاکستان کندھوں پہ اُٹھایا ہوا ہے۔ اس لئے مجبوری ہے"۔ وہ تمیز سے بولا۔
"تم تو سمجھنے کی کوشش کرو پلیز۔ آج انشاء اللہ یہ آتے ہیں تو بات کروں گی"۔ وہ تسلی آمیز انداز میں بولی۔
"یہ..... کون.....؟" وہ شرارت سے بولا۔

www.pkdigest.com

''اُسامہ کے بابا''۔ اُس نے فتحی دہائی۔
''تو تمہارے کیا ہوئے؟'' وہ چھیڑنے لگا۔
''میرے میاں''۔ وہ ہنس دی۔
''تو میاں جی کی زوجہ صاحبہ فرصت نکالیں ذرا جلدی''۔
''ہاں۔ بالکل''۔
''اچھا۔ اپنا خیال رکھنا اور اُسامہ کو پیار دینا''۔
''اللہ حافظ''۔ حجاب نے فون رکھا اور صدف کی طرف متوجہ ہوئی۔
''بی بی صاحبہ! خالد عباسی آئے ہیں''۔
وہ کچھ حیران، کچھ پریشان سی اُٹھ گئی۔
''تم اُسامہ کا ڈریس چینج کراؤ''۔ وہ اُسے حکم دے کر ڈرائنگ روم کی طرف چلی آئی۔
خالد نے اُسے سلام کیا۔ حجاب نے جواب دے کر اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
''میں نے آپ سے ایک درخواست کی تھی بیگم صاحبہ''۔ وہ دھیمے لہجے میں بولا۔
''مجھے یاد ہے''۔
''آپ انہیں سمجھائیں بیگم صاحبہ یا وہ سمجھوتہ کرلیں یا پھر یہ سب چھوڑ دیں۔ تیسری راہ کوئی نہیں ہے''۔
''مجھے تفصیل سے بتائیں''۔ اُس لب بھینچے۔

☆☆☆

''نمروز علی خان جب نیویارک سے پاکستان آئے تھے تو اُن کے پاس سب کچھ تھا۔ ذہانت، طاقت اور لیڈر شپ کی فطری صلاحیت، لیکن اس کو استعمال کرنے کی صلاحیت انہیں رانا شوکت اور جمیل دُرانی نے دی۔ ویسے ایک ریوالور میں کسی کی جان لینے کی صلاحیت تو ہوتی ہے مگر تب جب اُسے مہارت سے چلایا جائے۔ سیاسی بساط پر کامیابی کے لیے ضروری تھے وہ سیاسی داؤ پیچ جو کسی بھی سیاست دان کو عوامی لیڈر بناتے ہیں۔ جیسے موقع پرستی، مکرو فریب، مکاری اور مردم شناسی۔ اصول پرستی، ایمان داری اور انصاف کی باتیں تقریروں اور پریس کانفرنس میں اچھی لگتی ہیں۔ جب کہ عملی زندگی میں ان کی کوئی جگہ نہیں ہوتی اب جب کہ موجودہ حکومت میں وہ ایک اہم پوسٹ پر ہیں، پارٹی کے کچھ تحفظات ہیں۔ پارٹی کی ہائی کمان انہیں اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتی ہے جبکہ وہ اپنی ایمان داری اور اصول پرستی کو چھوڑنے پر تیار نہیں۔ انہیں سمجھوتہ کرلینا چاہیے اور سب کے مفادات کو مدِنظر رکھنا چاہیے لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی سے ایسا کرنے پر تیار نہیں۔ المختصر قصہ یہ کہ اسی ہفتے کے اندر پارٹی کے ایگزیکٹو کمیٹی اُن کے خلاف عدم اعتماد کی قرار داد پاس کردے گی''۔ پریشانی خالد کے چہرے سے ہویدا تھی۔
''مگر وہ اسے ویٹو کر سکتے ہیں''۔ حجاب اُلجھے ہوئے لہجے میں کہا۔
''آپ کی بات بجا ہے لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اُن کے خلاف مہم تیز ہو چکی ہے پارٹی کی اکثریت اُن کے خلاف ہو چکی ہے۔ اور پھر یہ تو سیاست کا قانون ہے کہ کسی کو اقتدار ہٹانے کے لیے سب سے پہلے اُس کے حامیوں کو توڑا جاتا ہے''۔
''کون ہے اس سازش کا ماسٹر مائنڈ؟''
''جمیل دُرانی اور رحیم انصار''۔
''مگر یہ تو اُن کے بڑے قریبی ساتھی ہیں''۔ حجاب کو جھٹکا لگا۔
''قریبی ساتھی ہی پیٹھ میں چھرا گھونپتے ہیں''۔
''دوسری سیاسی جماعتیں اور بیورو کریسی ___؟''
خالد نے حجاب کی بات قطع کر دی۔

''بیورو کریسی کے گٹھ جوڑ سے ہی تو یہ سب ہو رہا ہے اور دوسری جماعتوں کی تو بات ہی چھوڑیں۔ اصول پرست اور ایمان دار آدمی کو کون پسند کرتا ہے''۔
''آپ کے خیال سے اس ساری صورتحال کا ذمہ دار کون ہے؟''
''اگر ایمان داری سے دیکھا جائے تو بہت حد تک خان صاحب خود ہیں۔ وہ سیاست میں ریا کاری اور منافقت کو پسند نہیں کرتے جبکہ ہماری سیاست قائم ہی ان دونوں پر ہے۔ اور اب جو صورتحال درپیش ہے اسے صرف باغی عناصر کی کارروائی نہیں سمجھا جا سکتا انہیں دوسری جماعتوں اور بیورو کریسی کی حمایت بھی حاصل ہے ان میں وہ سب شامل ہیں جو خان کی بڑھتی ہوئی سیاسی مقبولیت سے خوفزدہ ہیں''۔ وہ دُکھی سے بولا گیا۔
''کیا ان باغیوں یا سازشیوں کو معطل نہیں کیا جا سکتا؟''
''اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ پارٹی کی اکثریت کو اپنے حق میں قائل کر چکے ہیں۔ اگر ایسا کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ اپنا علیحدہ گروپ بنالیں گے۔ پارٹی دھڑوں میں تقسیم ہو جائے گی''۔
''کیا حل ہونا چاہیے؟'' وہ حقیقتاً پریشان ہو اٹھی۔
''وہ سب چھوڑ دیں اپنے عہدے سے ریزائن کریں، دستبردار ہو جائیں پارٹی کی چیئرمینی سے۔ دوسرا راستہ زیادہ بہتر ہے۔ وہ سب کے مفادات کو مقدم سمجھ کر اپنے رویے میں تبدیلی لائیں۔ تھوڑی سی لچک پیدا کریں خود میں، کیونکہ اپنی ہٹ دھرمی سے وہ معاملات کو مزید خراب کر رہے ہیں''۔ خالد نے دوٹوک کہا۔
''میں کوشش کروں گی''۔
''بہت شکریہ۔ ہم نچلے درجے کے کارکن

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب 135/-
خمار گندم 200/-
دنیا گول ہے 225/-
آوارہ گرد کی ڈائری 200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں 200/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے 130/-
نگری نگری پھرا مسافر 175/-
خط انشا جی کے 200/-
بستی کے اک کوچے میں 165/-
چاند نگر 165/-
دل وحشی 165/-
آپ سے کیا پردہ 250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو 200/-
انتخاب کلام میر 160/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر 160/-
طیف غزل 120/-
طیف اقبال 120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اُردو بازار، لاہور
فون نمبرز: 7321690-7310797

ہیں۔ وہ ہماری بات تو رد کر سکتے ہیں آپ کی نہیں"۔ وہ خوشامدی انداز میں بولا۔ حجاب کو شدید پریشانی کے باوجود ہنسی آ گئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ میں نے اس موضوع پر بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ وہ کچھ نہیں سننا چاہتے"۔ بہرحال۔ میں پھر بات کروں گی"۔ اُس نے تسلی دی۔

وہ آس و اُمید کے سنگم میں ڈولتا لوٹ گیا۔ اور حجاب وہیں بیٹھی رہی۔ گم صم، حیران و پریشان، حالات کے اس رُخ پر گنگ، کیا بھتی بھی وہ نمروز علی خان کو، اپنی سیاسی جوڑ توڑ، پی آر اور اپنی شخصیت کے بل پر سیاست کے میدان میں کامیابیاں حاصل کرنے والا راشی اور گھاگ سیاست دان۔ حقیقت کیا تھی؟ اُس کی اصول پرستی، ایمان داری اور نیکی کو اُس کے لیے گناہ بنا دیا گیا تھا۔ جوں جوں وہ سوچ رہی تھی یہ سمجھ آ رہا تھا کہ یقیناً سیاسی بساط پر یہ فیصلہ بہت پہلے کیا جا چکا تھا کہ نمروز علی خان کو اقتدار اور اختیار سے الگ کر دیا جائے لیکن اس مشن پر بتدریج کام کیا گیا۔ اُس کے حامیوں کی تعداد گھٹائی گئی اور رفتہ رفتہ انہیں باغی کیا گیا۔ اُسے تنہا اور بے یار و مددگار کر دیا گیا۔

آج صرف اُس کے ساتھ رانا صاحب اور خالد عباسی تھے۔ پارٹی کی اکثریت اُسے خلاف متحد ہو چکی تھی۔ اُس کے خلاف کرمنل کیس بنائے جا چکے تھے اس کے ساتھیوں اور حمایتیوں کو چن چن کر پکڑا جا رہا تھا۔ اُس کے سیاسی رابطے توڑ دیے گئے تھے۔ اسے دہشت گردی، غنڈا گردی یا پھر تشدد کی سیاست کچھ بھی کہا جا سکتا ہے۔ انجام کار بہت واضح تھا۔

دو راستے بہت واضح تھے۔

سمجھوتہ!!!

یا پھر

واپسی!!!

اگر وہ اب تک ثابت قدمی سے قائم تھا اور کسی طور جھکنے کے لیے تیار نہیں تھا تو پھر یہ سوچنا عبث تھا کہ وہ سمجھوتے کے لیے تیار ہو جائے اگر اُسے سمجھوتہ ہی کرنا ہوتا تو یقیناً حالات یہ رُخ اختیار ہی نہ کرتے وہ بہت پہلے اس صورتحال پر قابو پا لیتا۔

اور اگر اُس نے واپسی کا راستہ اختیار کیا تو کیا ہوگا۔ ایک بڑا سا سوالیہ نشان اُس کے سامنے آ گیا؟؟؟

عہدے سے ریزائن؟

پارٹی کی چیئرمینی سے دستبرداری؟

سیاست سے کنارہ کشی؟

یقیناً یہ سب اتنا آسان نہیں ہوگا۔ اس پارٹی میں جتنے اُس کے باپ فیروز علی خان کے اثاثے تھے اُس سے چار گنا زیادہ اُس کے اپنے اثاثے تھے۔ کیا اپنے عہدے، نام، شہرت اور مقام سے دستبرداری اُس کے لیے آسان تھی؟ یقیناً نہیں۔

حجاب چپ چاپ بیٹھی سوچتی رہی۔ کتنے ہی پردے آنکھوں کے سامنے سے ہٹ گئے تھے۔ اُس کی طرف سے دل تو صاف ہو گیا تھا مگر اس صورتحال میں نمروز کا لائحہ عمل کیا ہوگا یہ "سوچنے" کے باوجود وہ "سمجھنے" سے قاصر تھی۔

☆☆☆

آج جمعرات کا دن تھا۔ نمروز کا خیال تھا کہ وہ بدھ تک لوٹ جائے گا مگر حالات اس طرح کے بنتے چلے گئے کہ تا حال اُس کی واپسی مشکوک تھی۔

آج ایک بار پھر وہ میریٹ کے روم نمبر 106 میں موجود تھا۔ چند لمحوں بعد "زُبیکا جانسن" اُس کے سامنے تھی۔ سپر پاور کی نمائندہ، برائی کی ترغیب کے ساتھ، اصول پرستی اور ایمان داری کو حماقت کہنے والی اور اُس کے لیے ایک پرکشش پیکج کے ساتھ وہ "زُبیکا جانسن" ایک بار پھر اُس کے سامنے موجود تھی اپنی تمام تر دلکشی اور خوبصورتی کیساتھ، لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ لیے۔

"اب آپ نے کیا سوچا ہے مسٹر خان؟"

نمروز نے لب بھینچے۔

"کس بارے میں؟"

"اوہ کم آن۔ بی پریکٹیکل"۔ زُبیکا نے تنفر سے سر جھٹکا۔

"اگر آپ نے ہماری آفر قبول کی ہوتی تو یقیناً آج یہ حالات نہ ہوتے، آپ کے اپنے ہی آپ کو اس اسٹیج پر لے آئے ہیں کہ اس آفر کو قبول کیے بنا آپ کے پاس کوئی چارہ نہیں"۔

"اگر میں انکار کر دوں تو ....؟" اُس نے زُبیکا کا چہرہ جانچا۔

"تو پھر یہ کہ حالات تو آپ کے سامنے ہیں۔ اور میں آپ کو وارننگ دے رہی ہوں مسٹر خان۔ ذرا اپنے ملک کی تاریخ کو مدِنظر رکھیں۔ مغربی پاکستان کے دو گورنر، پاکستان کے دو صدر اور دو وزیراعظم اور بہت سے دوسرے لیڈر ہیں جو اپنے آپ کو "بڑی چیز" سمجھتے تھے وہ طبعی موت نہیں مرے اور جب آپ کے State کی مشینری حرکت میں آتی ہے تو حالات کا رُخ کوئی نہیں بدل سکتا نہ آپ جیسا طرم خاں نہ پریس اور نہ پبلک"۔ زُبیکا جانسن کے لہجے میں چھپی دھمکی واضح تھی۔

"تم مجھے دھمکی دے رہی ہو"۔ نمروز کا لہجہ آتش فشاں تھا۔

"دھمکی۔ مائی فٹ۔ اگر تم اتنے نیک اور پارسا ہو تو کوئی ٹرسٹ خرید لو۔ کوئی یتیم خانہ کھول لو یا پھر کوئی فلاحی ادارہ"۔ وہ تلخی سے بولی۔

"مجھے تمہاری آفر قبول نہیں ہے"۔ نمروز علی خان نے بڑے سکون سے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"ٹھیک ہے مسٹر خان! اب ہم کچھ نہیں کریں گے۔ اگر کچھ کریں گے تو تمہارے اپنے، اور ہونے کو تو آپ کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ گھر پر فائرنگ، کسی جلوس میں بم دھماکہ یا پھر گاڑی پر خودکش حملہ"۔ اُس کے لہجے میں سنگینی تھی۔

اس سے پہلے کہ نمروز کوئی جواب دیتا اُس کا سیل فون بجنے لگا۔ اُس نے نمبر دیکھا۔ گھر کا نمبر جگمگا رہا تھا۔ اُس نے کال پک کی۔

ہاں۔ ہیلو"۔ دوسری طرف حجاب تھی۔

"السلام علیکم! کہاں ہیں آپ؟"

"ہاں حجاب! مجھے عمر کا فون موصول ہوا تھا۔ ڈونٹ وری میں آ جاؤں گا۔ اوکے"۔ اُس نے فون بند کر دیا۔

"میں آپ کی بات ذہن میں رکھوں گا مس جانسن!"۔ وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

زُبیکا جانسن نے حیرت و غصے کے ملے جلے احساس سے اُس شاندار مگر احمق انسان کو جاتے دیکھا۔ جو کہ اُس کے خیال میں اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور دقیانوسیت کی وجہ سے اپنا کیریئر، شہرت اور عہدہ سب داؤ پر لگا چکا تھا۔

☆☆☆

حجاب نے فون بند کر کے رکھا اور عمر کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"کیا کہہ رہے تھے؟" عمر نے پوچھا۔ اُسامہ اُس کے نزدیک لیٹا تھا۔ عمر اُس کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھا۔

"کہہ رہے تھے کہ عمر کا فون آیا تھا۔ آ جاؤں گا"۔ وہ اُس کے پاس آ کے بیٹھ گئی۔

"کیا حجاب! اکلوتا سالا ہوں میں اُن کا۔ اور وہ ہیں کہ ہاتھ ہی نہیں آ رہے"۔ وہ بسورا۔

"جب انہوں نے کہا ہے تو پھر وہ آ جائیں گے"۔ حجاب نے کہا۔

"اتنا یقین ہے؟"

"ہاں" وہ ہنسی۔

"تم میرے ساتھ ہی گھر چلو۔ وہ بعد میں

www.pkdigest.com

حجاب نے ملامتی نظروں سے اُسے دیکھا۔
"شرم کرو۔ ایسے کیسے آ جاؤں؟"
"کیوں کیا اُنہیں اچھا نہیں لگے گا؟" عمر نے کھوجا۔
"ایسی کوئی بات نہیں۔ مجھے خود اچھا نہیں لگے گا"۔ وہ سنجیدگی سے بولی۔
"تو یوں کہو نا کہ فرماں بردار بیوی بننے کا شوق چرایا ہے"؟ اُس نے مذاق اُڑایا۔
"شوق؟" حجاب کے سینے میں آنچ سی اُٹھی۔
"مجھے شوق نہیں ہے۔ میں فرماں بردار ہوں"۔ حجاب نے "ہوں" پر زور دیا۔
"بالکل بھئی وہ بلاشبہ اسی قابل ہیں کہ اُن کی فرماں برداری کی جائے۔ تمہیں تو کرنی بھی چاہیے"۔ عمر کے لہجہ عجیب سا ہو گیا۔
چائے میں چینی مکس کرتے ہوئے حجاب کے ہاتھ لرز گئے۔
"آج واقعی خوش بخت ہیں نمروز علی خان!! میرا بھائی آج بھی یہ سمجھتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ "محبت" کرتی ہوں۔ اُس نے یاسیت کے ساتھ سوچا۔
"اچھا یہ بتاؤ ثناء آفس آ رہی ہے؟" اُس نے بات بدل دی۔
"نہیں"۔
"فون پر بات ہوتی ہے؟" حجاب نے پوچھا۔
"وہ فون سنتی ہی نہیں۔ ویسے میں سوچ رہا ہوں کہ میں منگنی سے شادی کے درمیانی عرصہ کو کیسے گزاروں گا؟ اگر یہی حال رہا تو.....؟" وہ پریشانی سے بولا۔
"کیوں بھئی؟"
"دیکھو نا سب یار دوست اس پیریڈ کو اتنا انجوائے کرتے ہیں لمبی لمبی فون کالز کے ساتھ۔ میں کیا کروں گا؟"
حجاب کو اُس کی صورت دیکھ کر ہنسی آ گئی۔
"صبر کرنا"۔
"مگر یہ زیادتی ہے"۔ عمر نے دُہائی دی۔
"اب کیا ہو سکتا ہے؟"
"تم اُسے سمجھانا"۔ عمر نے کہا۔
"بالکل نہیں۔ مجھے پتا ہے وہ کبھی بھی نہیں مانے گی۔ وہ بہت شرمیلی ہے عمر"۔ حجاب نے اُسے سمجھایا۔
"چلو۔ منگنی تو ہونے دو۔ یہ سب بعد میں دیکھیں گے"۔ عمر نے کہا۔
"تم اکیلے آ گئے۔ سحاب کو بھی لے آتے"۔ حجاب نے کہا۔
"میں آفس سے اُٹھ کر اِدھر آیا ہوں۔ ویسے حجاب! ایک بات تو بتاؤ؟"
"ہوں بولو"۔ وہ چونکی۔
"تمہیں کچھ علم ہے کہ پی، جے، ایف میں آج کل کیا چل رہا ہے؟"۔
وہ حیران ہوئے بغیر چائے پینے میں مصروف رہی۔
"ہاں"۔
"تو تم....." وہ کچھ کہنے لگا۔
"میں اس پر بات نہیں کرنا چاہتی"۔ حجاب نے اُسے ٹوک دیا۔
"کیا بدتمیزی ہے یار۔ کیوں بات نہیں کرنا چاہتیں۔ تم عملی طور پر صحافت میں نہیں ہو مگر کالمز تو لکھ سکتی ہو تمہیں چاہیے.....؟"
حجاب نے اُس کی بات پھر قطع کی۔
"میں ٹی وی نہیں دیکھتی اور نیوز پیپرز بھی نہیں پڑھتی"۔ اُس کا لہجہ سپاٹ تھا۔
وہ جونک گیا۔
"حجاب! سب ٹھیک ہے نا!"
"ہاں۔ سب ٹھیک ہے"۔ اس نے صدف کو

آواز دی کہ وہ چائے کے برتن اُٹھا کر لے جائے۔
عمر نے موضوع بدل دیا۔
"حجاب! یہ اتنی ینگ ہے تم لوگوں کی ہاؤس میڈ۔ کہیں شادی وادی نہیں ہوئی اُس کی؟"
"یہ ہماری خاندانی ملازمہ ہے"۔
"تو کیا خاندانی ملازماؤں کی شادیاں نہیں ہوتیں؟" اُس نے طنز کیا۔
"میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ بھئی یہ فیصلہ اُس کے خان کو کرنا ہے مجھے نہیں"۔ حجاب نے وضاحت کی۔
اُس نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔
"اچھا۔ پھر میں چلوں"۔ وہ اُٹھا۔
"رُک جاؤ۔ کچھ دیر اور"۔ حجاب نے کہا۔
"نہیں بس اب چلوں، فاروقی صاحب یاد فرما رہے ہوں گے مجھے"۔ وہ ہنسا۔
"اچھا۔ تیاریاں مکمل ہیں منگنی کی؟"
"ہاں۔ کل آ کر تو دیکھ لینا"۔ وہ الوداعی کلمات ادا کر کے رُخصت ہو گیا۔
آٹھ بجے کے قریب اُس نے رات کا کھانا کھایا اور صحافت سے متعلق ایک کتاب لے کر بیٹھ گئی۔ گیارہ بجے تک اُس نے کتاب پڑھ لی مگر نمروز تا حال نہیں لوٹا تھا۔ وہ خاموشی سے سُلگتی رہی تھی اُسے انتظار کرتے ہوئے کوفت تو ہو رہی تھی مگر مجبوری تھی۔ انتظار کئے بنا چارہ نہیں تھا۔ جب گھڑی نے ایک بجایا تو وہ تھک کر ایزی چیئر پر گر گئی۔ نیند سے اُس کا برا حال تھا ڈیڑھ بجے کے قریب اُسے گاڑی کی آواز آئی تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ کچھ دیر بعد بیڈ روم کا دروازہ کھلا اور نمروز کی صورت دروازے کے فریم میں نظر آئی۔ حجاب کو اُسے دیکھ کر حیرت کا جھٹکا لگا، اُس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور آنکھوں کے گرد موجود سرکلز زیادہ گہرے نظر آ رہے تھے۔
"السلام علیکم"۔ اُس نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔
حجاب کی ساری حسیات بیدار ہو گئیں۔
"وعلیکم السلام"۔
"ٹھیک ہو؟" وہ آگے بڑھ آیا۔
"جی"۔
وہ خاموشی سے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ حجاب کو یاد آیا وہ کپڑے لئے بغیر چلا گیا تھا۔ یقیناً وہ دانستہ طور پر حاضر نہیں تھا۔
حجاب ڈریسنگ کی سمت بڑھی اور اُس کا آرام دہ شلوار سوٹ نکال دیا۔ کچھ بعد وہ باتھ گاؤن میں لپٹا برآمد ہوا اور ڈریسنگ کی سمت بڑھ گیا۔ کپڑے بدل کر واپس آیا اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانے لگا۔ اُس کا اُلجھا ہوا پریشان چہرہ کسی گہری سوچ میں گم نظر آتا تھا۔ وہ بیڈ پر دراز ہوا تو حجاب اُس کے پاس آ گئی اور خاموشی سے اُس کا سر دبانے لگی اُس نے ممنوں نظروں سے اُسے دیکھا اور اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ اتنا تھکا ہونے کے باوجود بھی اُس کی رومانس کی حس پوری طرح بیدار تھی۔ اُس کے ہاتھ میں اپنی انگلیاں پھنسا کر اُس نے لبوں سے لگا لیا پھر اپنے چہرے پر پھیرنے لگا پھر آنکھوں پر رکھ لیا یوں جیسے ہاتھ نہ ہو آلو کا قتلہ ہو جسے آنکھوں رکھنے سے سکون مل رہا تھا۔ جب کسی طرح بھی تسلی نہ ہوئی تو اسے کھینچ کر اپنے قریب کیا اور خود میں جذب کر لیا۔ ایک لمبی سانس لے کر اُس کی مہک اپنے وجود میں جذب کی اور پر سکون ہو کر آنکھیں موند لیں۔
اگلی صبح بہت روشن اور چمکدار تھی۔ وہ ناشتے کی ٹیبل پر حجاب سے مخاطب ہوا تھا جو پیازی سوٹ میں خود بھی بہت روشن اور چمکدار لگ رہی تھی۔
"عمر کی انگیج منٹ ہے اور وہ تمہارا اکلوتا بھائی ہے۔ گفٹ وغیرہ تو ہونے چاہیں۔ تم یوں کرو صدف کے ساتھ شاپنگ پر چلی جاؤ۔ تب تک میں ایک ضروری کام نبٹا لوں"۔ اُس نے حکم نما مشورہ دیا۔

www.pkdigest.com

حجاب نے ہمیشہ کی طرح سر تسلیم خم کیا اور صدف کے ساتھ چلی گئی۔ دو گھنٹوں بعد لدی پھندی وہ لوٹی تو نمروز بھی آ چکا تھا۔ اُس نے اُسامہ، نمروز کے حوالے کیا اور خود چائے بنوانے چلی گئی۔ وہ چائے کی ٹرے کے ساتھ آئی تو وہ اُسامہ کو سینے پر لٹائے بری طرح مصروف تھا۔

''حجاب! میرا بیٹا پیارا ہے نا!'' اُس نے معصومیت سے کہا۔

وہ ہنسی۔

''بالکل۔ آپ کا بیٹا جو ہے''۔

''تمہیں پتا ہے میری حجاب بھی بہت پیاری ہے''۔ نمروز نے کہا۔ ہنسی دبا کر۔

''بالکل۔ آپ کی جو ہے''۔ حجاب نے چونکے بغیر اُسی لہجے میں جواب دیا۔

وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

''ہم جیسے قناعت پسند لوگ تو اسے بھی آدھا اظہارِ محبت سمجھتے ہیں۔ شکریہ میری زندگی''۔ وہ مسرور سا بولا۔

''شام میں کیا پہنیں گے؟'' اُس نے عام سے لہجے میں پوچھا۔ اُسامہ کو پیار کرتا وہ چونکا۔

''شلوار سوٹ''۔ وہ کہہ کر پھر مصروف ہوا۔

''چائے لے لیں۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے''۔

''اچھا'' اُس نے نوٹس نہیں لیا۔

''خیریت۔ آج اُسامہ پر بہت پیار آ رہا ہے''۔

''وجہ تو مجھے خود معلوم نہیں۔ پیار تو تم پر بھی آ رہا ہے بولو کیا کروں؟'' وہ معصومیت سے بولا۔

وہ سرخ پڑ گئی۔ شام میں حجاب نے اُس کے لیے اپنی مرضی سے سیاہ شلوار سوٹ منتخب کیا تھا۔ وہ کپڑے بدل کر آیا تو گلابی کامدار سوٹ میں وہ کسی دلہن کی مانند سجی ہوئی تھی۔ وہ آئینے کے سامنے آ کر بال بنانے لگا۔

''کتنے خوش بخت لوگ ہیں وہ؟'' نمروز نے کہا۔

''کون؟'' وہ سینڈل پہنتی چونکی۔

''بھئی وہی جن کے لیے آپ نے دلہن کا ری ٹیک کیا ہے''۔ اُس نے آہ بھری۔

وہ اب بھی نہیں سمجھی۔

''ہمارے لئے تو کبھی آپ نے سجنا سنورنا پسند نہیں کیا''۔ اظہارِ افسوس کیا گیا۔

وہ طویل سانس لے کر اُسامہ کی طرف متوجہ ہوئی جو بابا سوٹ میں بے حد پیارا لگ رہا تھا۔

''اُسامہ بیٹے! آپ کے بابا جان کے شکوے ہم کبھی دور نہیں کر سکتے''۔

''کوشش کیجئے''۔ نمروز نے کہہ کر اُسامہ کو اُٹھایا اور اُس کے گالوں پر پیار کرنے لگا۔

حجاب نے صدف سے کہا کر سارا سامان گاڑی میں رکھوایا اور اُسامہ کو اُس سے لے لیا۔ کچھ دیر بعد اُن کی گاڑی سڑک پر رواں دواں تھی۔ اُسامہ حجاب کی گود میں تھا۔ نمروز نے مسکرا کر اُسے دیکھا وہ اپنی کشادہ آنکھیں کھول کر بڑے مانوس انداز میں اُسے دیکھ رہا تھا۔ خوشی کی ایک لہر اُس کے تن بدن میں پھیلی۔ وہ اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ براجمان تھا۔ وہیں سے ہاتھ پیچھے بڑھائے۔

''اسے مجھے دو حجاب''۔

حجاب نے اُسامہ اُس کے ہاتھوں میں تھمایا اس سے پہلے وہ سیدھا ہوتا۔ یکلخت قیامت سی ٹوٹ پڑی۔ گاڑی پر دونوں اطراف سے فائرنگ کی جانے لگی۔ تڑاتڑ کئی گولیاں کھلے شیشے سے ڈرائیو کو آ کر لگیں۔ گاڑی بری طرح بے توازن ہو کر ڈول گئی۔ حجاب کا سر بری طرح کسی چیز سے ٹکرایا اور اگلے ہی لمحے وہ بے توازن ہو کر سیٹوں کے درمیانی جگہ پر گری اور حواس کھو بیٹھی۔

باقی آئندہ

بازی مات نہیں

نویدہ سبحانی

www.pkdigest.com

ٹیلیفون کی تیز چیختی بیل پر ریسیور اٹھایا۔ تو ایک آواز کانوں میں سنائی دی۔

"سنو۔ تم نے انکار کر دیا۔ کیوں؟ آخر کیوں؟"

"بس۔ میری مرضی۔" آواز کی شناخت پر لاپروائی سے جواب دیا۔

"یونہی بغیر وجہ کے۔ بلا سوچے سمجھے۔"

"جی ہاں۔" زچ ہو کر بولی۔

"نہیں مانتا میں تمہاری بات۔ توجیہہ پیش کرو۔ دلائل دے کر ورنہ۔"

"ورنہ کیا؟" لہجے میں حقارت عود کر آئی۔

"ورنہ۔ ورنہ تمہیں ہر صورت میرا ساتھ قبول کرنا پڑے گا۔"

"واہ۔ زبردستی ہے کیا؟"

"ہاں۔ بالکل۔ مجھے بتاؤ کس بات کی کمی ہے مجھ میں۔ بہترین مستقبل کے ساتھ دنیا کی ہر آسائش وافر مقدار میں مہیا کرنے کے اختیارات۔ زندگی کی بہت ساری ایسی خوشیاں۔ جو میرے حوالے سے باآسانی مل سکتیں۔ تم۔ تم ان سے کنارہ کش ہو۔ کیوں آخر۔ آخر کیوں؟" وہ اپنی بات کے اختتام پر دوبارہ چلا اٹھا۔

"مت چلائیں اس طرح۔ آہستہ بولیں۔ بہری نہیں میں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ جواب دو میری بات کا۔"

"حکم چلا رہے ہیں۔"

"فار گاڈ سیک آئینی۔ کیا بات کرتی ہو۔ درخواست سمجھو!"

"سچ برداشت کر سکیں گے؟" طنزیہ لہجہ اختیار کیا۔

"بولو تم۔ باحوصلہ شخص ہوں۔"

"۔ تو سنیں۔ نفرت ہے مجھے۔"

"کس سے؟" بیتابی سے درمیان میں ہی بول اٹھے تو وہ جھنجلا گئی۔

"آپ کے چہرے سے۔ خوبصورت باتوں سے۔ جو لفظوں کے لبادے اوڑھے ہوتی ہیں۔ آپ کے روشن اور بہترین مستقبل سے۔ بس یا۔ اور کچھ سننا پسند کریں گے۔"

اس کے لہجے کی نفرت ناقابل برداشت تھی۔ مگر وہ ضبط سے سہتے رہے۔

"بہت کچھ۔ آئینی۔ ابھی تم نے کچھ نہیں سنایا۔ میں تو سب کچھ جاننا چاہتا ہوں۔ مجھے بتاؤ۔ آئینی۔ ان سوچوں کا پس منظر۔ آئینی۔ دنیا میں اچھے لوگ بار بار نہیں ملا کرتے۔ اس کا اقرار تم نے کیا۔ خود سے۔ میرے کردار کا پختہ آئینہ۔ جس سے میں خود بے خبر تھا۔ مجھے تم نے دکھایا۔ پھر۔ پھر آج یہ سب کیا ہے؟ پلیز آئینی۔"

"نہیں۔" وہ کچھ سوچ کر پر خیال لہجے میں بولی۔

"آپ سے۔ پیچھا چھڑانے کے لیے۔ میں وہ ساری باتیں بتانے کو تیار ہوں۔ مگر۔" "مگر کیا۔؟"

"مگر ایک شرط پر۔"

"مجھے تمہاری ہر شرط قبول ہے۔"

"بغیر سنے۔"

"ہاں۔ اسے پیار کا نام دو یا وفا کا۔ اعتماد کے نام سے پکارو کر یقین سمجھو۔ جو مرضی آئے۔ مگر پلیز آئینی۔ اس طرح دھتکارو مت۔ اس طرح تو ذلیل کرو۔ کہ وہ ایک شخص جسے اک زمانہ عظیم اور معتبر سمجھتا ہے۔ نارسائی کا زہر پی کر۔ اپنی نظروں میں گر جائے۔

صرف تمہارے خود ساختہ فیصلے کی بدولت!"

"تیمور خان۔ آئینی۔ کبھی زندگی میں خوش فہمی کا شکار نہیں رہی۔ اور میرے —— فیصلے۔ سوچ سمجھ سے بالاتر نہیں ہوا کرتے۔ آپ کی بات کو غلط فہمی کا نام دوں گی!"

"اوکے۔ مانتا ہوں تمہاری بات۔ مگر تمہارا سوچ کردہ عمل۔ تمہاری باتوں کی نفی کرتا ہے۔ بولو اب کیا کہتی ہو۔؟"

"اب بھی وہی کہوں گی۔ اپنی بات پر قائم ہوں۔ جو ایک بار پہلے کہہ چکی۔"

"تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔" اس کا مایوس لہجہ سن کر جانے کیوں انجانی خوشی محسوس ہوئی۔

"قطعاً۔"

"اور وہ میری درخواست۔" وہ جانے کس امید

ایک وقعہ وہ اس سے مل لینا چاہتے تھے۔ اس کے روبرو جا کر شاید اس کے منفی خیالات بدل سکیں۔ (جس کی کم امید تھی) شاید کہ وہ اسے اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب ہو جائیں۔ (ہاں اس کی انہیں ضرورت تھی)

"آں۔" اس نے ذرا سوچا۔ پھر جانے کیا دل میں سمائی۔ کہہ اٹھی۔ "کل شام چھ بجے ارم ہوٹل۔"

"اوہ۔ تھینکس فار یو۔"

"اوکے۔" ریسیور کریڈل پر رکھنے کی آواز کے ساتھ ہی انہوں نے بھی فون بند کر دیا۔ وہ سوچ رہے تھے۔ کیا ایسا بھی ہوتا ہے؟ کتنے خوفزدہ تھے۔ وہ اس سے بات کرنے سے پہلے۔ جانے بات۔ ہو بھی سکے گی یا نہیں۔ اور جب بات ہوئی۔ تو لگا کچھ ایسا۔ جیسے وہ اور یہ۔ برسوں کے شناسا ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ کسی کو یونہی سر راہ دیکھ لینے سے کسی محفل میں اچانک ٹکراؤ ہو جانے پر رشتہ داریاں نہیں جوڑی جا سکتیں۔ مگر وہ اپنی سوچ میں کب با اختیار تھے۔ ان کے ساتھ ایسا ہی ہوا تھا۔

کیپٹن عازم کا شمار بہترین دوستوں میں ہوتا تھا جو پر موشن لینے پر کیپٹن عازم نے سارے دوستوں کو پارٹی دے ڈالی۔ پارٹی زبردست تھی۔ کھانے کے بعد میوزیکل پروگرام

کیپٹن عازم کی مسز بھابی زلیخا۔ اس موقع پر آگے آگے تھیں۔ انہوں نے اپنی ساری دوستوں کو انوائٹ کر ڈالا۔ حالانکہ کیپٹن اس حق میں نہ تھے۔

مگر زلیخا بیگم۔ آئیڈیل اور محبوب بیوی کی خوشی اور خواہش کو رد کرنا بس سے باہر تھا۔ اور جب دیکھا۔ پارٹی توقع سے زیادہ کامیاب رہی۔ تو ممنوعہ نظریں زلیخا کے سامنے کچھ کچھ گئیں ورنہ پہلے خطرہ تھا کہیں زلیخا کی فرینک فرینڈز بدتمیزی کر بیٹھیں۔ تمام سینئر آفیسرز کے سامنے شرمندگی مگر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ تو سب لوگ خوش گپیوں میں مصروف دکھائی دیئے۔

کیپٹن وغیرہ۔ لڑکیوں کے درمیان رہ کر زیادہ

انجوائے کر رہے تھے۔

وہ چلتے چلتے بے ساختہ زلیخا کے پاس کھڑے ہو گئے۔

"ہیلو۔" وہ مسکرائی ایک نگاہ ان پر ڈالی۔ تو وہ دیکھ کر رہ گئے۔

"کیوں جناب کیسا رہا۔"

"بھابی یہ ہم سے پوچھیں۔" تیمور۔ پارٹی سے پہلے ہونے والی میاں بیوی کی نوک جھونک سے باعلم ہوتے ہوئے محظوظ ہو رہے تھے۔ کوک کے ہلکے سپ لیتے ہوئے بولے۔

"اے۔ تیمور کے بچے۔ تم نے ابھی سے کوک پر ہاتھ کا صفایا شروع کر دیا۔"

بھابی نے آنکھیں نکالیں۔ تو وہ جلدی سے پیٹ پکڑ کر بولا۔

"ایمان سے بھابی۔ چٹ پٹی چیزیں کھاتے کھاتے پتا ہی نہ چلا۔ اتنا زیادہ کھا گیا۔ جب کوک کی طلب ہوئی تو معلوم ہوا۔ ضرورت سے زیادہ کھا گیا۔ ویسے بے فکر رہیں۔ ادھر کوئی موجود نہیں۔ سوائے آپ کے اور آپ کے صاحب کے ہیں آپ کی بیک پر چھپ کر بوتل پی رہا تھا۔ عازم ادھر آیا۔ تو سوچا۔ ڈائیلاگز میں سنسر شپ آنے سے پہلے خود کو اوپن کر دیا جائے۔ ورنہ۔"

"تیمور۔ تیمور۔ پٹ جاؤ گے میرے ہاتھوں" عازم نے ہم خیال، ہمراز دوست کو مصنوعی غصہ دکھایا۔ تو وہ مسکرانے لگا۔

"عازم۔ کیا خیال ہے۔ کولڈ ڈرنک کے ساتھ موسیقی کا پروگرام بنا لیا جائے۔"

"کیا؟" عازم نے زلیخا کو سمجھی نظروں سے دیکھا۔

"درست۔ اے ون —— میں خود اس کا اظہار خیال کرنے والا تھا۔"

"اپنے پاس سنبھال رکھو۔ سارے اوٹ پٹانگ خیالات۔" زور سے تیمور کو گھورا۔ تو وہ پیٹھ موڑ کر آگے چل دیا۔ عازم کے غصے سے خوب واقف تھا۔

"رکو تم۔" بھابی زلیخا نے پیچھے سے آواز لگائی۔ تو اسے رکنا پڑا۔

www.pkdigest.com

"آخر کیا بُرائی ہے — سب لوگوں کے ہاں ایسا ہوتا ہے — ہم انوکھی روایت کب قائم کر رہے ہیں۔ جس سے آپ اتنے خوف زدہ ہیں — بلکہ دیکھیے گا — سب لوگ انجوائے کریں گے۔" "مگر ایسا ناممکن ہے۔" ان کا لہجہ الجھا الجھا سا تھا۔

"کیوں ناممکن کیسے؟ میں نے سارا انتظام کر رکھا ہے — بس آپ کی اجازت چاہیے۔"

"جو مرضی آئے کرو —" وہ جھنجلا کر تیمور کو گھورتے آگے بڑھ گئے —

"گڈ — زندہ باد — بھابی ہو تو ایسی ہو —"

"نو مسکہ پالش — بھاگو اور اسٹیج بناؤ —!"

"ابھی گیا — اور بیس منٹ کے اندر اندر اسٹیج تیار۔"

اور پھر جانے کہاں کہاں فون کھڑکائے گئے — اچھی خوبصورت اور دلکش آواز کی پارٹی میں پہلے سے مدعو تھیں — بس اب اچانک ان لوگوں پر دھاوا بول دیا تھا — ذرا دیر بعد مہمانوں سے ہال میں چلنے کی درخواست کی گئی — سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے —

اسٹیج کمپیئرنگ کے فرائض زلیخا نے سنبھالے۔ تیمور بطور معاون کردار نبھا رہا تھا — زلیخا کی خوبصورت آواز ہال میں گونجی تو سب مہمان ادھر متوجہ ہو گئے — دلچسپیوں کے ساتھ دھیمی دھیمی سرگوشیاں کرنے والے کیپٹن وغیرہ بے اختیار مڑ کر دیکھنے پر مجبور ہو گئے۔

"لیڈیز اینڈ جنٹلمین! آج کی پارٹی کے اختتام سے پہلے — سب لوگوں کے لیے سرپرائز — امید ہے ساتھ — فنکشن کو دلچسپ بنانے کے لیے پسند و ناپسند کا اظہار بلا مبالغہ کر دیا جائے گا — موسیقی کا فوری انتظام اسی شرط کا مرہونِ منت ہے۔ آج کی پارٹی میں موجود چھپے دشمنوں کو سرِ عام لایا جائے گا — سب لوگوں کی درخواست اور خواہش ہے اور پہل خواتین کی طرف سے ہوگی — لیڈیز فرسٹ کے مقولے پر عمل کرتے ہوئے — اب دیکھنا یہ ہے کہ مرد کتنا حوصلہ رکھتے ہیں — خواتین کے شانہ بشانہ چلنے کا — یا کہ ان سے آگے نکل جانے کا آج کی پہلی مہمان کا نام اناؤنس کرنے سے پہلے بتاتی چلوں۔ موجودہ پروگرام پلاننگ کے بغیر ترتیب دیا گیا ہے — اس لیے جن لوگوں کو اسٹیج پر بلایا جائے — وہ براہِ مہربانی معذرت قبول کر کے — فوراً اسٹیج پر تشریف لائیں — ہم ان کے فن کو سراہتے ہوئے تہہ دل سے شکریہ کا اظہار کریں گے — شکریہ"

آج کی پہلی مہمان — میری کلاس فیلو — عزیز دوست آئینہ رحمانی!"

اور وہ — اپنی کرسی پر بیٹھی ایک دم اچھل پڑی! چہرے کا رنگ زرد — پریشان نظروں سے اسٹیج پر بنی ساری سج دھج سمیت — اس قاتل ظالم سماج دوست کو منت اور التجا بھری نظروں سے دیکھا — مگر وہ لاپروا بنی — دوبارہ اس کا نام پکار رہی تھی —

مہمانوں کی تالیوں کی گونج میں بالآخر اٹھنا ہی پڑا۔ بلیو ساڑھی کا پلو سنبھالتی — تالیوں کی گونج میں بمشکل اسٹیج تک جا پہنچی — ایک لمبی سانس لیتے ہوئے گھور کر زلیخا کو دیکھا! — مائیک اس کے ہاتھ سے لیتے وقت بڑبڑائی "نبٹ لوں گی" زلیخا کی بچی بہت اچھی طرح سے —

اور زلیخا مسکرائی — جلوے بکھیرتی اسٹیج سے اتر کر سامنے صوفے پر جا بیٹھی — تیمور خان اور کیپٹن جام کے درمیان

آئینہ سوچ رہی تھی — بغیر موسیقی کے گانا کیسا لگے گا — مگر یہ کیا؟

جیسے ہی گیت شروع کیا۔

"کرتی رہوں گی یاد تجھے میں یونہی صبح و شام
چاہوں بھی تو مٹ نہ سکے گا دل سے تیرا نام

دلکش گیت سمیت پرسوز آواز گونجی تو سارے ساز ایک دم جاگ اٹھے — سکون کا احساس — جیسے ساتھ مل گیا ہو — یوں لگا جیسے بہت سارے احساسات ہم رفیق بن گئے ہیں — بے خبر رہی — وہ تھی نہ اور نیرہ نور کی آواز میں گایا گیا ایک خوبصورت گیت۔ اس کا دلپسند گیت — جب بھی گایا — آنکھیں پُرنم ہو گئیں —

کچھ قسمت نے لوٹا مجھ کو
کچھ بگڑے حالات

کیسے کروں میں سمجھوتہ اس دنیا کے ساتھ!
اپنی ہی آگ میں جل جاتا ہے چاہت کا انجام
چاہوں بھی تو مٹ نہ سکے گا دل سے تیرا نام

اور ان لمحوں میں — اگر وہ پل بھر کو نظر اٹھا کر سامنے بیٹھے تیمور خان کو دیکھ لیتی تو — تو دھڑکنیں زبان بن جاتیں — فسانے ان کہے نہ رہ جاتے —

جانے کیا دیکھ لیا — اس کی جھیل کی مانند گہری مگر اداس اداس پُرسکون آنکھوں میں جو بغیر بولے ساری کہانیاں سنائے جا رہی تھیں۔ وہ بیقرار ہو گئے — اپنی جگہ بار بار پہلو بدلتے مگر کسی طور چین نہ تھا —

دل کہتا تھا — لمحے رک جائیں — اور وہ یونہی — نظروں کے سامنے موجود رہے — گاتی رہے — اور سناتی رہے — سارے فسانے عام کہانیاں۔

مگر — نہ ظالم وقت رکا — اور نہ ہی لمحے قید کیے جا سکے —

تالیوں کی گونج میں — سرو قد پہ سجی نفیس ساڑھی کا پلو سنبھالتی — دھیمے قدموں سے نیچے اتر آئی — اور تیمور خان کی نظریں تلاشتی رہ گئیں — مگر وہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھی —

زلیخا بھابی کے — طریقہ کار نے سب کو چونکا دیا — اور ینگ جنریشن — ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں بڑھ چڑھ کر آگے آنے لگی — کسی نے لطیفے سنائے — تو کسی نے مزاحیہ گیت — مہدی حسن کی نقل اتارتے اتارتے بھی اچھی خاصی غزل سنا ڈالی — تو کوئی میڈم نور جہاں بننے میں پیچھے نہ رہی —

غرضیکہ — رات گئے تک اسٹیج پروگرام چلتا رہا — اور بالآخر دو بجے کے قریب چند سینئر آفیسرز — نے جانے کی اجازت طلب کی — تو زلیخا نے مسکراتے ہوئے الوداع کہا —

تیمور خان بھی دل پر بوجھ لیے واپس لوٹے — ذہن نے جھنجھوڑ ڈالا —

"واہ تیمور خان — دعویدار ہوا کرتے تھے — محبت کو فضول اور واہیات سمجھنے کے — دوستوں کو اس بیماری میں مبتلا دیکھ کر مذاق اڑاتے تھے — خود کیا ہوئے؟ کسی کی ایک اجنبی۔ ناآشنا سا نظر وار کر گئی! اندر سے بڑھ کر کام کیا —

کتنی دفعہ جھٹکا — اپنی سوچ کے آئینوں سے نکال دینا چاہا — اس کا چہرہ — مگر وہ خود آئینہ تھی۔ بار بار اپنا چہرہ اس میں دکھائی دینے لگتا — وہ آئینہ تھی — آئینہ بن کر نظر کے سامنے آموجود ہوتی — وہ جھنجلا کر رہ گئے —

ایک ہفتے میں کیا سے کیا حالت بنا لی — ماما گھر پر نہیں تھیں — کراچی گئی ہوئی تھیں — واپس لوٹیں۔ آواز دیتی اس کے کمرے میں آئیں — تو حیران رہ گئیں — پریشانی سے ادھر ادھر نظریں گھمائیں — سارے کمرے کا ایک جیسا حال تھا —

ڈھیروں ڈھیر کتابیں بک شیلف سے نکل کر زمین پر بکھر چکی تھیں — یوں لگتا تھا بغیر پڑھے۔ ایک طرف ڈھیر لگانے کی کوشش کی گئی ہے —

وارڈروب کے دونوں پٹ وا — اور استری شدہ کپڑے بے ترتیبی سے ایک دوسرے پر لٹکے ہوئے ہینگر سے آزاد —

"تیمور — تیمور!" گھبرا کر آواز لگائی۔

"آیا مام —" باتھ روم سے آتی آواز سن کر سکون کا سانس لیا — ورنہ دل بہت تیزی سے دھڑک اٹھا تھا — وہ سوچ رہی تھیں — خدا خیر کرے۔ ان کا بیٹا انتہائی سلیقہ مند — باشعور تھا — موجودہ صورتحال پر یقین ہی نہ آ رہا تھا — وہ سمجھیں ہو سکتا ہے بھول کر کسی مہمان وغیرہ کے کمرے میں آ گئی ہوں — عقل تسلیم کرنے سے قاصر — مگر تیمور خان کی موجودگی سارے الجھے سوالوں کا جواب پا گئی —

اسے دیکھ کر حیرت کا ایک اور شدید جھٹکا — بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ — ملگجے کپڑوں میں ملبوس ان کا بیٹا نظر کے سامنے تھا — تولتی ہوئی نگاہ ڈالی۔

"سلام ماما — آپ کب آئیں؟ بتایا تک نہیں۔ فون کیا ہوتا — ایئرپورٹ لینے آ جاتا —"

"فون خراب ہے شاید —" وہ بہت غور سے اس کا تجزیہ کر رہی تھیں —

www.pkdigest.com

"آں — ہاں — نو ماما — وہ دراصل لوگ بہت تنگ کرتے تھے — میں نے پلگ نکال دیا" بغیر سوچے سمجھے —

"یس ماما —" اعتراف کرلیا۔

"آئینہ دیکھا تم نے —"

"آئینہ —" وہ کھو گئے

"تیمی — تیمی — کیا ہو گیا ہے ؟" بازوؤں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

"تھنگ — کچھ نہیں ماما — کچھ بھی تو نہیں —" وہ بوکھلا گئے —

"اپنی حالت دیکھو — کپڑے بدل کر فوراً میرے کمرے میں پہنچو !"

"آل رائٹ ماما —"

اتنے دنوں بعد کسی نے حلیے کا احساس دلایا تھا — ورنہ وہ تو ہر بات سے بے خبر تھے — نوکروں، لوگوں اور اپنے آپ سے — پھر کیسے خیال آتا۔ شرمندہ شرمندہ — سر جھکائے باتھ روم میں گھس گئے — اور ماما اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ بہت ساری سوچیں پریشان کن تھیں —

ان کا بیٹا ایسا تو نہ تھا — پریکٹیکل لائف سے وابستہ۔ شہر کے بہترین بزنس مینوں میں سے ایک۔ صاف شفاف دل رکھنے والا — سچا کھرا اور بے لوث شخص جانے کیا ہو گیا — چند بات دنوں میں — بیٹے کو دیکھ کر دنیا ہی بدل کر رہ گئی تھی — امیدوں کا آخری سہارا وہی بیٹا ہی تو تھا — ساری جاگیر و دولت کا تنہا وارث۔

"ماما آجاؤں —" دروازے میں کھڑا وہ اجازت طلب کر رہا تھا —

"آجاؤ —" وہ اندر آگیا۔

"بیٹھو —" وہ کرسی پر بیٹھنے لگا تو اشارے سے پاس بلایا۔ "نہیں ادھر میرے پاس بیڈ پر بیٹھو۔"

"ماما خیریت تو ہے — میں الجھ رہا ہوں — اتنے لاڈ پیار سے ؟"

"بکو مت —" پیار سے جھڑکا —

"یہ بتاؤ — ہوا کیا ہے ؟"

"کہاں ماما — ؟" ادھر ادھر گردن گھمائی — تو ماما نے دونوں ہاتھوں سے گھومتا سر پکڑ کر اپنی جانب کیا —

"ادھر دیکھو — میری طرف — ان آنکھوں میں اور پھر جواب دو —"

"ماما — وہ دراصل !" — ایک دم خاموش ہو گیا۔

"تیمور — ہم اچھے دوست ہیں — ایک دوسرے کی خوشیاں اور غم شیئر کرنے والے — پھر جھجک کیسی ؟ بتا ڈالو — سب کچھ بتا ڈالو — ایک ایک بات — !"

کئی پریشان کن خیال ستائے جا رہے تھے —

ویسے بھی با عزم لہجے کی مجسمہ عورتوں تھیں زندگی کے کتنے حادثات اپنی جان پر جھیلے — جوانی میں بیوگی کا داغ — دودھ پیتے بیٹے کا ساتھ — اکیلی تنہا جان نے کس کس طرح حادثاتِ دنیا کا سامنا کیا مگر آج بیٹے کو بدلی حالت میں دیکھ کر ساری دنیا اندھیر ہو گئی تھی — ان کی ساری خوشیوں کا منبع بیٹا ہی تو تھا — اس کی حالت دیکھ کر دل لرز کر رہ گیا تھا۔ اعلیٰ تعلیم دلوا کر بزنس فیلڈ کی طرف مائل کیا جس نے لاکھوں کو کروڑوں میں بدل کر رکھ دیا تھا — کسی چیز کی کمی نہ تھی — امپورٹڈ مشینری — فل ایئر کنڈیشنڈ گھر — دو دو گاڑیاں بیک وقت گیراج میں موجود — نوکروں کی وافر تعداد — "بولو — تیمور خان بولو — خاموش مت رہو —"

"ماما — وہ مجھے پیار ہو گیا !"

"ہائیں —" اس کی بات سنتی — ایک نظر اس کے جھکے جھکے شرمندہ چہرے کو دیکھا —

یوں لگ رہا تھا کوئی مجرم اعترافِ جرم کرنے کے بعد شرمندگی کے احساس سے دوچار ہو —

"کیا کہا — ! دوبارہ بولنا ذرا —"

"مجھے پیار ہو گیا !" اس کی بات سنتے ہی بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی — ہنستے ہنستے دوہری ہو گئیں۔

"پ — پانی — تیمی پلیز پانی !" وہ بھاگ کر پانی کا گلاس بھر لایا — غٹاغٹ سارا پانی پی ڈالا۔ ذرا سا خود کو سنبھالا — "جو کانوں سے سنا — کیا وہ سچ ہے ؟"

www.pkdigest.com

وہ بار بار اعتراف مانگے جا رہی تھیں۔ یقین ہی نہ آرہا تھا — بات ہی ایسی تھی — کتنے سالوں سے برابر — وہ کہے جا رہی تھیں — بہو لانے کو — گھر کی رونق میں اضافے کی خاطر — کبھی روٹھ کر — کبھی اصرار سے۔ کبھی ضد کر کے اور اکثر اوقات پیار و محبت سے — مگر ایک تیمور تھا — راضی ہونے کو نہ آرہا تھا — بہانوں بہانوں سے خاندان کی ایک سے ایک بڑھ کر حسین اور خوبصورت لڑکیاں دکھا چکی تھیں — مگر اس کی ایک ناں — کو ہاں میں بدلنا — مسئلہ سیاچن بن چکا تھا — اور — آج — آج — خوشی ملی تو ایں انداز میں —

بیٹا پور پور کسی کی محبت میں ڈوب چکا تھا — وہ خود اک عرصے سے کسی ایسی واردات کی شدت سے منتظر تھیں۔ ان کا دل چاہا — اس پیاری سی لڑکی کو ابھی اور اسی وقت بھاگ کر لے آئیں — جس نے ان کے بیٹے کو سیدھا کر دیا تھا — کتے کی دم بہت مشکلوں سے سیدھی ہوتی ہے نا —

"چلو — اٹھو فوراً — ابھی چلتے ہیں —"

وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئیں — سارے سفر کی تکان ختم ہو کر رہ گئی تھی —

"نو ماما نو — ایسے نہیں —"

"تو پھر — ؟"

"پہلے آپ بھابی زلیخا سے ملیں گی —" تیمور آہستگی سے بولے — کتنا عجیب لگ رہا تھا — اس طرح ماما کو بتانا — وہ کیا بتائیں — ؟ وہ تو خود کچھ نہیں جانتے تھے —

خوبصورت جذبوں نے انجانے بندھن میں باندھ لیا تھا —

"وہ — تمہارے دوست حازم کی مسز زلیخا !"

"ج — جی ہاں —"

"مگر کیوں ؟ کیا ڈائریکٹ بات نہیں کی جا سکتی؟"

"اوں ہوں — مناسب نہیں لگتا —"

"اوہ — آئی سی —" ایک دم چونکیں — پھر زور سے ایک تھپیڑ پیٹھ پر دے مارا —

"تم واقعی کتے کی دم رہ گئے — کبھی کوئی کام سیدھا نہ کرو گے — ہمیشہ الجھا الجھا کر ٹیڑھا میڑھا۔ یعنی کہ وہ محترمہ ایسی زبردست جادوگر نکلیں — ہمارا بیٹا دیکھتے ہی — کیوں ہے نا یہی بات —"

"جی ! —" سر اثبات میں ہلایا —

"بے وقوف انسان — معلوم نہیں تھا — عشق کا بھوت کیسے گھن چکر بنا دیتا ہے — پھر کیوں الجھے۔"

انہوں نے مزاحیہ انداز میں کہا۔

"پلیز — آئی ایم سیریس —"

"او کے بابا —"

"— اطلاعاً عرض ہے — عشق کیا نہیں جاتا۔ ہو جاتا ہے — کسی کی ایک نظر سے۔ بول سے۔ کسی کے چہرے سے — اور کبھی اجنبی سوچ سے —"

"ہم لوگ کسی ایک عشق کی منزل پر پہنچنے کے بعد اس شخص کی بہت ساری خامیوں کو نظر انداز کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں — کہ اسی کا نام محبت — اور شاید عشق ہے — !"

"ماما — ان چند دنوں میں یوں لگتا ہے جیسے جیسے وہ لڑکی میری ذات کا میرے وجود کا ایک حصہ بن کر رہ گئی ہے — میں اپنے چہرے میں اسے تلاشتا ہوں — دکھائی نہیں دیتی تو جھنجلا جاتا ہوں غصہ آتا ہے خود پر اپنی نادانیوں پر — پلیز — مجھے الجھنوں سے نجات دلا دیجئے — میری منزل تک پہنچا کر" وہ کسی بچے کی طرح رو دیئے ماما کی گود میں سر رکھ کر — ماما نے پیار سے اس کا ماتھا چوم لیا —

"ایسا ہو گا میری جان ایسا ضرور ہو گا !"

"مگر — ماما — ایسا بھی تو ہو سکتا ہے — میں اس کی پسند اور معیار پر پورا نہ اتروں —" ایک خوف لبوں پر — لرز کر رہ گیا —

"نہیں — ایسا ناممکن ہے — تم نے کبھی غور سے آئینہ نہیں دیکھا — دیکھا ہوتا — تو جان لیتے یہ چہرہ کتنا خوبصورت ہے — سفید بے داغ کتابی چہرہ، روشن آنکھیں — چوڑی پیشانی — ستواں ناک۔ خوبصورت پرسنالٹی — اور پھر سب سے بڑھ کر — کردار کا — سرٹیفکیٹ جو تمہاری ماما اس کو دے گی — بیٹے ایک لڑکی کی زیادہ سے زیادہ ضرورت کیا ہو سکتی ہے؟ جانتے ہو — یقیناً ایک اچھا شوہر جو اس کے سامنے

غم تمام خوشیاں شیئر کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو۔"
"کیا میرا بیٹا باحوصلہ نہیں؟"
"ہوں — آں —" اقرار میں سر ہلایا۔
"مستقبل کی ضمانت —"
"کیا کروڑوں روپے کے بزنس سے کھیلنے والا شخص کسی لڑکی کو مستقبل کی ضمانت فراہم کرنے سے قاصر ہے —"
"نہیں —" انکار میں سر ہلایا۔
"اور پھر بیٹے — ہماری فیملی۔ شہر کی چند معزز فیملیز میں سے ایک ہے — شہر کے اونچے طبقے میں ہمارا شمار ہے — ہم جائیں گے — اور مایوس نہیں لوٹیں گے — اس لڑکی کو اس سے خرید لیں گے۔ بیٹے یاد رکھنا — ہر شخص کی ایک قیمت ہوتی ہے کبھی لوگ اس کی قیمت لگاتے ہیں اور کبھی اپنی قیمت وہ خود لگاتا ہے — اور جب بولی منہ مانگی ملے — تو ہر چیز بک جاتی ہے —"
"اوہ — تو — تو ماما — تو" وہ ایک دم گھبرا کر اٹھ بیٹھے —
"کیوں — کیا میں نے غلط حساب لگایا۔" ان کے لہجے میں طنز تھا۔
"ماما — آپ کی بات جھٹلا نہیں سکتا — کہ آپ میرے لیے قابل احترام اور باعث رحمت ہیں — بحث نہیں کر سکتا — کہ جانتا ہوں کہ جیت نہ سکوں گا۔ مگر ماما — وہ چہرہ اس کا وجود ایسا نہیں — جو خریدا جاسکتا ہے جس کی قیمت لگائی جاسکتی ہو۔ اگر وہ ایسی ہوتی تو یقین جانیے آپ کے بیٹے کی پسند اور محبت نہ بن سکتی — کہ تیمور خان خریدے گئے چہروں اور جسموں سے شدید نفرت کرتا ہے —"
"گڈ — ویری گڈ — اچھی بات کی تم نے مگر جھوٹ میں نے بھی نہیں بولا تیمور — جو بتایا — یہ سچ ہے آج کا سچ —"
"بے شک — آپ کی بات اپنی جگہ درست — مگر ماما — پلیز ان لوگوں کے گھر — ان کے سامنے ایسی باتیں مت کیجیے گا — پلیز!" لہجہ ہی التجا آمیز تھا۔
"بے وقوف سمجھتے" — اپنی ماما کو ایسی باتیں سمجھنے والی ہوتی ہیں — بتانے کی نہیں — عقلمند ہو تو — کچھ بتانے کی ضرورت نہ رہے گی — مائی سن — جاؤ اب تم آرام کرو — سارے مسائل حل ہو جائیں گے —"
"خدا کرے ایسا ہو —" آہستگی سے کہا — الوداعی نگاہ مما پر ڈالی اور کمرے سے باہر نکل گئے —
"ماما — دس بجے کی گئی ہوئی تھیں — وہ خود انہیں بھابی زلیخا کے گھر ڈراپ کر آئے تھے —
ایک بجنے والا تھا — اور ان کی واپسی کا دور دور تک پتہ نہیں —
اک انتظار تھا — جو لمبا طویل اور لامحدود ہوا جا رہا تھا — ایک ایک لمحہ عذاب جان بن کر گزر رہا تھا — دل دھڑک رہا تھا — زوروں سے — ان جانے وسوسے۔ خدشے — پیچھا چھوڑنے کا نام نہ لے رہے تھے —
کتنا عقل نے سمجھایا — ماما کے آنے سے پہلے کم از کم بھابی زلیخا سے آئینہ کا کچھ اتہ پتا ہی معلوم کر لو — مگر کمبخت دل — جو چوری پر شرمندہ تھا — اور راضی نہ ہوا — ماما کے سامنے الگ شرمندگی — اور اب ہر حالت انہوں نے تنگ آکر ڈانٹ پلادی — مگر وہ دل ہی کیا جو باز آجاتا —
ڈور بیل کی آواز پر — نوکر کا انتظار کیے بغیر تیزی سے باہر لپکے — اندازے کے مطابق — سامنے ماما تھیں — وہ ماما کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کرنے لگے
"ارے بابا — راستہ دو — اندر آنے دو —"
"اوہ سوری —" خجل ہو کر ایک دم پیچھے ہٹ گئے
ماما نے چادر اتاری — اور صوفے پر ڈھیر ہو گئیں
بالآخر مجبوراً پوچھنا پڑا —
"کیا ہوا ماما —؟"
"تمہارے خیال میں کیا ہونا چاہیے۔" آئی مین ہمارے سوال میں ان کا جواب —"
"ماما — پلیز پہیلیاں مت بجھوائیں —"
"قطعاً نہیں — پروپوزل دینے کے بعد — لڑکے والوں کو انتظار کرنے کے لیے کہا جاتا ہے —
گو — ضرورت تو نہیں تھی — پھر بھی ان کی مرضی کیا کہا جاسکتا ہے —"
"کیا ان کا جواب تسلی بخش تھا —" تیمور کو بے چینی تھی۔

"جہاں تک گھر والوں کا تعلق ہے — تو انہیں کوئی اعتراض نہ تھا — مگر بیٹی کی رضا اور مرضی کے بغیر وہ لوگ کوئی جواب دینے سے کترا رہے تھے — اوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے لیے ہمارا پروپوزل خدائی دین سے کم نہیں — اور ہاں — آئینہ نے گریجویشن کر رکھا ہے کسی آفس میں کام کرتی ہے — بطور پرسنل سیکرٹری — ایک بڑی بہن — شادی شدہ اور ایک اس سے چھوٹی بہن ہے — خاصی خوبصورت۔" ماما نے لفظ خاصی خوبصورت پر خاصا زور دیا — مگر وہ کب سن رہے تھے — بہت دور کھو گئے تھے —
"آ — آپ — آئینہ سے ملیں —؟"
"ہاں — اسی لیے دیر ہو گئی — آفس گئی ہوئی تھی۔ فون کر کے بلوایا گیا —"
"کیسی لگی —؟" تجسس بھرا انداز —
"سو سو — کاٹن کی سفید شلوار اور ململ کے سفید دوپٹے میں کسی کی شخصیت کیا نکھر سکتی ہے — تم نے شاید اس روپ میں نہیں دیکھا اسے — میں اب آرام کروں گی تھک گئی۔" جاتے جاتے وہ مڑیں — ذرا مسکرائیں۔ "بائی دی وے بہت ساری ناپسندیدہ باتوں کے — تمہاری پسند میری پسند۔"
"اوہ — تھینکس ماما — یو آر رئیلی گریٹ!"
"اوکے —" اور تیمور خان سوچنے لگے — ماما آپ کیا جانیں — میں نے آئینہ کا کون سا روپ دیکھا ہے — جیسا چاہا — ویسا ملا — جو سوچا تھا — نظروں کے سامنے وہ آیا — تو دل ساری دنیا کے حسن سے بے نیاز سا ہو گیا! وہ سیٹی پر دھن بجانے لگے —

خلاف توقع — آپی کو بمعہ گڈو — ببلی کے گھر موجود دیکھ کر وہ دروازے میں ہی چونکی تھی —
گڈو ببلی بھاگ کر آئے اور ٹانگوں سے چمٹ گئے۔
"آنٹی — آنٹی گم دیں —" ببلی نے دونوں ہاتھ آگے پھیلائے — تو اس نے انہیں بانہوں میں بھر لیا —
"ضرور دیں گے" بیگ کھولا — اور سٹرابیری گم کا پیکٹ اس کے ہاتھوں میں تھمایا —
"آنٹی میں" گڈو خود کو نظرانداز ہوتے ہوئے دیکھ کر چلایا —
"بھئی اپنے گڈو کو کیسے بھول سکتے ہیں — یہ لو"
"ارے — بٹو پرے — آتے ہی چپک گئے لڑکی کو ذرا سانس لینے دو —" تھکی ہاری لوٹی ہے۔ دفتر کے کام دھندوں میں سارا دن سر کھپائے رہتی ہے —"
"اماں مت جھاڑیں — بچے ہیں — کون سا روز روز آتے ہیں —" وہ اماں کو منع کرتی — اپنے کمرے کی طرف بڑھی —
چادر اتار دی — بیگ سائیڈ ٹیبل پر پھینکا — اور چاروں شانے چت بیڈ پر گر گئی —
"آپی — چائے لاؤں —" چندا نے دروازے سے جھانک کر پوچھا۔
"نہیں چندا — طلب نہیں — کیا کھانا تیار نہیں ہوا —"
"بالکل تیار ہے۔ ابھی لائی — اور ہاں — روم کولر چلا لیں —"
"چلا دو — بھول گئی!" اس نے سستی سے کروٹ بدلی —
"آپ ہاتھ منہ دھو لیں — میں ابھی کھانا گرم کر کے لائی!"
"ویسے ہی لا دو —"
"کیوں ویسے کیوں؟ میرے ہاتھ ٹوٹ گئے ہیں کیا؟"
"خدا نہ کرے —" گھور کر اسے دیکھا — لو وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی —
"اپنا فون خراب ہے کیا؟" نوالہ توڑتے ہوئے پوچھا —
"نہیں تو —"
"پھر بزی کیوں تھا؟" زور سے گھورا۔
"ایمان سے آپی — میں نے بالکل کسی سے بات نہیں کی — آپ کی قسم —"
"جھوٹی قسمیں کھا کے — میرے سر کی — لے ڈوبے گی کسی دن! اپنے ساتھ مجھے —"
"قسم سے نہیں — وہ پتا ہے کیا؟ آپی زلیخا آئی تھیں۔ وہی بار بار فون کر رہی تھیں دو دفعہ ان کے شوہر صاحب کا فون آیا — دو دفعہ انہوں نے خود سے کیا اس وجہ سے فون انگیج مل رہا ہوگا —"

www.pkdigest.com

"کہتی ہو تو مان لیتی ہوں — ورنہ یقین ذرا مشکل سے آتا ہے — تمہاری باتوں پر۔" اُسے چھیڑا۔

"پلیز آپی —"

"اچھا یہ بتاؤ — آپا کی آمد کا کوئی خاص مقصد؟"

"خاص الخاص —" معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ آنکھیں مٹکائیں۔

"اچھا —!" وہ بھی اچھا بھر کر رہ گئی —

"آپ کھانا کھالیں — وہ خود بات کریں گی —"

"تم بتادو —"

"اونہوں —" منع کردیا گیا۔

"اماں کا بس چلتا تو میرے منہ پر ٹیپ چپکا دیتیں۔"

"اتنی بری لگتی ہیں اماں؟" آئینی نے چڑاتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں۔ ان کی محبتوں کا انداز ہی ایسا ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے کھانے کے برتن اٹھا کر چل دی۔

آئینی واش بیسن پر ہاتھ دھو کر واپس کمرے میں آئی — تو آپی کو موجود دیکھا — جو بیڈ کے ساتھ رکھی ایزی چیئر پر بیٹھی اسی کی منتظر تھیں —

"کام کیسا جارہا ہے آفس کا؟"

"ہمیشہ کی طرح —" مختصر جواب ملا۔

اس کا رویہ دیکھ کر آپی کو سیدھی صاف بات کرنی پڑی — کیونکہ وہ خود لگی لپٹی کی قائل نہ تھیں۔ پھر اپنی بہن کی یہی صاف گوئی تو انہیں پسند تھی۔

"زلیخا آئی تھی — آج دوبارہ"

"اُسے معلوم نہیں تھا — صبح کے وقت آفس میں ہوتی ہوں —"

"جانتی تھی — مگر اُسے شاید اماں سے بات کرنا تھی! — تم نے کیا سوچا؟"

"کس سلسلے میں؟" جان بوجھ کر انجان بن گئی —

"تیمور خان کے بارے میں —" آپی نے آرام سے ایک اجنبی شخص کا نام کتنی آسانی کے ساتھ لے ڈالا تھا — تیمور خان کا نام — صرف پرپوزل کے حوالے سے چند دنوں میں — گھر والوں کے لئے اتنی زیادہ اہمیت اختیار کر گیا — کہ اس کا نام بلا جھجک لیا جانے لگا ہے۔

وہ تلخی سے سوچ کر رہ گئی — پھر آہستہ سے بولی۔

"اماں تمہارے جواب سے متفق نہیں — مجھے بھی اچھا نہیں لگا — اور تمہارا انکار — شاید زلیخا کو پسند بھی نہیں آیا — کیونکہ وہ دوبارہ — غور کرنے اور سوچ سمجھ کر جواب دینے کا کہہ کر گئی ہے — اب تم کیا کہتی ہو —؟"

"وہی — جو پہلے بتا چکی ہوں —" وہ اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی —

"آخر بے جا — فضول ضد کی کوئی وجہ —"

"کوئی نہیں۔ بس کہہ دیا — بتا دیا — کوئی نہیں شادی وادی کرنی — پھر کیوں بار بار — اصرار کرنے آجاتے ہیں آپ لوگ کیوں؟"

"جینے دیں مجھے — سکون کے ساتھ۔ سوچ لو۔ غور کر لو — ابھی وقت ہے — نکل گیا تو پچھتانے کا موقع بھی نہ ملے گا —" آپی اٹھتے ہوئے بولیں — "ہم لوگ تم پر کوئی جبر نہیں کر سکتے — اپنی مرضی کی مالک ہو — خود بااختیار — ہم اگر کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ تو صرف تمہاری خوشی اور رضا کے ساتھ!"

"شکریہ — آپ لوگوں کا بہت بہت —" سفید چادر میں چہرہ چھپا لیا — آپا نے ایک نظر ڈالی — اور لمبی سانس لے کر رہ گئیں —

وہ ہمیشہ کی طرح — آج بھی اپنی بے جا ضد پر قائم تھی — جس کا توڑ کم از کم ان کے پاس نہ تھا — اماں کو اس کا مایوس کن جواب سنانے کے لیے۔ وہ لفظوں کے بہروپ تلاش کرنے لگیں۔

آئینی نے باہر نکلتی آپا کو دزدیدہ نظروں سے دیکھا — اور سوچنے لگی —

"آپا — کیا جانیں — آپ لوگوں کو اپنی طرف سے اتنا مایوس — ناامید دیکھ کر — میں اذیتوں کے کن مراحل سے گزرتی ہوں — آپ کیا جانیں —"

لیٹے لیٹے ایک دم خیال آیا — اٹھ کر بیٹھ گئی — ہاتھ بڑھا کر ٹیلیفون اپنی گود میں رکھ لیا — اور ——— زلیخا کا نمبر ڈائل کرنے لگی —

"ہیلو —"

"ہیلو — ارے آئینی کیسی ہو تم — ابھی فون کرنے لگی تھی۔" آواز پہچانتے ہی زلیخا بولنے لگی۔

"ٹھیک ہوں — فون نہ کرنے کا شکریہ — اور

میرے فون کرنے پر شکریہ ادا کرو۔"

وہ ذرا سا ہنس کر بولی —

"نالائق — اے سنو — میرے پاس آجاؤ۔ چند باتیں کرنی ہیں —"

"فون پر نہیں ہو سکتیں کیا —؟"

"اونہوں — ذرا لمبی — تھوڑی سی طویل ہیں۔"

"جانتی ہوں کیا باتیں کرو گی — وہی فضول باتیں ہیں — بور نا پک —"

"بکومت — پاس آؤ گی تو بتاؤں گی — بتاؤ کب آرہی ہو —"

"شام کو آؤں گی —"

"دماغ سیدھا کر کے آنا — ورنہ میرے ہاتھوں پٹ جاؤ گی —"

"بہتر جناب — اور کوئی حکم —"

"حکم کی بچی — سب کو تنگ کر رکھا ہے — ذرا گھر والوں کی صورت دیکھو — کتنے پریشان ہیں —" زلیخا نے احساس دلانا چاہا —

"جانتی ہوں — اچھی طرح سے — بٹ سوری۔ ان کی پریشانی کا حل میرے پاس نہیں —"

"میں بتاؤں گی حل ہے کہ نہیں — شام کو پہنچ رہی ہو نا؟"

"ہاں —"

"ٹھیک — آرام کرو — تھکی ہاری لوٹی ہو گی — اور — خدا حافظ —"

"خدا حافظ —"

"آئینی — میری بات سمجھنے کی کوشش کرو — ضروری نہیں — ایک مرتبہ غلط انسان کا ٹکراؤ ہونے کے بعد دوسری دفعہ بھی ویسا ہی شخص ملے — اور پھر آئینی — زندگی میں غلط فیصلے بار بار دہرانے کی اجازت کب ہی ہے؟"

"جانتی ہوں —"

"جانتی ہو — جانتی ہو — ہر بات جانتی ہے۔ ہر چیز سے واقفیت رکھنے کے باوجود اپنا غلط رویہ درست نہیں کر سکتیں — کیوں؟" زلیخا جز بز سی ہو گئی —

"اس لئے کہ میں حق بجانب ہوں —"

"غلط — بالکل غلط — جھوٹ بولتی ہو — خود سے دھوکہ دے رہی ہو — اپنے آپ کو ایک ایسے شخص کی وجہ سے فریب میں مبتلا ہو — جو تمہیں نظر انداز کر کے — ٹھکرا کر نہ جانے کب کا اپنی منزل کی طرف بڑھ چکا ہے — وہ ظفر عباس — جانتی ہو — کتنی پُرسکون ازدواجی زندگی گزار رہا ہے — اپنے دو خوبصورت بیٹوں کے ساتھ اور تم — ابھی تک راہوں میں بھٹک رہی ہو — محض اپنے خود ساختہ رویے کی بدولت —"

زلیخا بہت تلخ ہو رہی تھی ———

"تم جانتی ہو زلیخا — اس شخص نے کیوں مجھے ٹھکرا دیا — کیوں اگنور کر کے کسی دوسری لڑکی کو شریک سفر بنایا —"

"بہت اچھی طرح۔ بھلا مجھ سے زیادہ کون واقف ہو گا — اس نے ترازو کے ایک پلڑے میں — تمہارا — خلوص و وفا — اعتماد و یقین اور پیار و محبت ڈالا۔ اور دوسرے پلڑے میں بقول اسی کے تمہارے چہرے کی بدصورتی کو ڈالا — تو بدصورت چہرے کا پلڑا زیادہ بھاری رہا — وہ اس کا بوجھ برداشت نہ کر سکتا تھا۔ شوبزنس کی جس دنیا سے اس شخص کا تعلق تھا۔ وہاں اسے ایسی ہمسفر کے ساتھ کی ضرورت تھی — جو اپنے خوبصورت چہرے کی روشنیوں سے اس کا مستقبل جگمگا سکے —

بس یہی کہانی تھی نا تمہاری — اور یہی تم سننا چاہتی تھیں —

تم نے کتنا سارا وقت اس بے حس شخص کے ساتھ گزارا — چاہو بھی تو ان سارے لمحوں کی قیمت وصول نہ کر سکو — کیا دیا متبادل اس نے —

فاصلوں کا عذاب —

لمحوں کی تھکن —

اور اب مستقبل کی تباہی —

بتاؤ آئینی — بتاؤ — آخر سارے عذاب ہم لڑکیاں اپنا مقدر کیوں بنا لیا کرتی ہیں — کمزور لمحوں میں کھیلے گئے کھیل روگ بن کر رہ جاتے ہیں — کیوں؟ آخر کیوں؟"

آئینی یک ٹک اُسے تکے جا رہی تھی — بولتی تو کیا۔

www.pkdigest.com

بتا ہی تو کیا؟ زلیخا نے تو سارے راز کھول دیئے تھے تمام باتوں سے واقف تھی۔ مگر آسمٰی کو الجھن صرف اتنی سی تھی زلیخا ساری باتیں جاننے اور سمجھنے کے باوجود اس ایک بات کو کیوں نظر انداز کر رہی تھی۔ جو ماضی کے حوالے سے موجودہ فیصلے سے گہرا تعلق رکھتی تھی!۔

"اب بولو بھی۔ تم صم بنی گھور رہی ہو۔" زلیخا نے زور سے کہا۔ تو وہ جیسے خواب دیکھتے دیکھتے چونک پڑی۔

"سنو۔ اُس شخص کو مجھ سے بہت محبت تھی۔ جانے کتنا پیار کرتا تھا۔ اُسے اپنے اتنا قریب دیکھ کر۔ فخر ہونے لگتا تھا۔ ناز کرتی تھی خود پر۔ میں ہنستے ہوئے اکثر کہتی تھی ظفر عباس۔ میں نے تمہیں چار کھونٹوں سے مضبوطی سے باندھ رکھا ہے۔ پیار، وفا۔ خلوص اور اعتماد۔ چاہو بھی تو جھٹلا نہ سکو گے۔ اور وہ ہنس دیا کرتا تھا۔ اور جب فیصلے کا وقت آیا۔ تو معلوم ہوا۔ زندگی کی حقیقتیں۔ ان چار کھونٹوں کے سامنے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ بے وقعت ہو کر رہ گئے۔ میرے سارے جذبے۔ بے زمین ہو گئے۔ اپنے ایمان کے سامنے۔ حقیقتوں کی بھٹیوں نے نگل ڈالا۔

کہ سارا وجود ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور آج۔ آج تم کہتی ہو۔ پس پشت ڈال دوں۔ ساری تلخ حقیقتیں۔ نظر انداز کر کے۔ نئی زندگی نئی راہوں پر چلوں۔ تو کیسے۔؟ بتاؤ زلیخا کیسے۔ وہ مرد تھا۔ صرف ایک مرد بن کر سوچا۔ زندگی محض خوبصورت اچھی سوچوں کے سہارے کب گزر سکتی ہے۔ زندگی کی۔ راہوں میں خوبصورت چہروں کا ساتھ زیادہ ضروری ہے۔ تم ایک مرد کی خاطر۔ دوبارہ مجھے زیست کی تپتی رہگزر پر چلنے کے لیے مجبور کر رہی ہو۔

کیوں۔ صرف اس لیے نا۔ تمہیں یقین ہے کہ تیمور خان۔ مجھ سے پیار کرتا ہے۔

میں کہتی ہوں۔ ظفر عباس لمحہ لمحہ میری محبت کی آگ میں جھلستا تھا۔

تمہارا دعویٰ ہے کہ تیمور خان۔ میرے لیے وفا اعتماد اور یقین کا سہارا بن جائے گا۔

میرا ایمان تھا۔ ظفر عباس۔ میری سوچ کے ان سارے خوبصورت ہتھیاروں کے وار سے زیر ہو چکا تھا۔ مگر پھر ہوا کیا؟ وہی پرانی کہانی۔ وہی پُرانا کھیل۔

دھوکہ۔ فریب۔ بے وفائی۔ دغا بازی۔ اور جانے کتنے سارے الزامات ایک دوسرے کو نذرانہ دے کر ہم جُدا ہو گئے۔

"بتاؤ زلیخا۔ کیا زندگی کی پُرانی کہانی دوبارہ دُہرائی جائے۔ کیوں؟"

"خدا گواہ ہے زلیخا۔ میں نے کبھی ظفر عباس کو الزامات کے کٹہرے میں کھڑا کرنے کی جسارت نہ کی۔ جانتی تھی۔ خوبصورت چہرے مرد کی ضرورت ہیں۔ بس غلطی صرف اتنی سی ہوئی۔ کہ سمجھ نہ سکی۔ ظفر عباس کے سامنے اپنا چہرہ ہمیشہ خوبصورت دکھائی دیا۔ اور کیسے نہ دیتا۔ اس کے چہرے میں آئینہ دیکھتی تھی۔ اور اس کا چہرہ۔ سارے چہروں سے زیادہ خوبصورت دکھائی دیتا تھا۔ اور میں نادان بنی رہی۔ غلطی میری اپنی تھی۔ اس لیے سزا کی مستحق ٹھہری۔" آسمٰی نے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

مگر وہ ضدی تھے۔ کہ چھپنے کے باوجود بہہ نکلے۔ جنہیں بے دردی سے ہتھیلی سے مسل ڈالا۔ درد دل ایک دم بڑھ گیا تھا۔ گزری باتیں۔ دُہرانے سے سارے منظر نظروں کے سامنے آ گئے تھے۔

"رو لو۔ جی بھر کے۔" زلیخا جانتی تھی۔ ٹشو پیپر آگے بڑھا دیا۔

"اب میری سنو۔ تمہاری ساری باتیں فلسفے سے کم نہیں۔ جنہیں ذرا سا سمجھ پائی ہوں۔ چلو مان لیتی ہوں۔ تمہارا محبتوں اور وفاؤں سے ایمان اٹھ چکا ہے اور میرے خیال میں جن حالات سے تم گزر چکی ہو۔ اس صورت میں کوئی شخص اپنی جان سے گزر جانے پر بھی تمہارا اکھڑا اعتماد بحال نہ کر سکے گا۔ مگر یہ تو سچ ہے۔ کہ ایک عورت ہی مرد کی ضرورت ہے۔"

"پھر غلط کہا تم نے۔" آسمٰی نے درمیان میں ہی ٹوک دیا۔ "صرف ایک عورت نہیں۔ بلکہ خوبصورت چہرہ رکھنے والی عورت۔"

"میں یہ بات نہیں مانتی۔ دُنیا میں صرف خوبصورت عورتیں شادی نہیں کیا کرتیں۔ کئی ایسے جوڑے ہیں جنہیں قبول صورت بمشکل کہا جاتا ہو گا۔ بہترین خوشگوار ازدواجی زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" زلیخا نے اس کی بات کو جھٹلایا۔

"میں زیادہ بحث میں نہیں الجھتی۔ سمجھ نہیں آتی۔ آخر تمہارے تیمور خان کو کون سا قلوپطرہ کا حسن دکھائی دے گیا۔ مجھ میں جو ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گئے۔"

آسمٰی زچ ہو گئی تھی۔ زلیخا کی لمبی طویل بحث سے۔

"بات پھر محبت پہ آ کر رُکتی ہے۔ جیسے تم دلوانے کے خواب سے زیادہ اہمیت دینے پر رضا مند نہیں۔ چلو یوں کرتے ہیں۔ باہمی سمجھوتے اور رضامندی کے ساتھ مسئلے کا بہترین حل!"

"وہ کیا۔؟"

"گھر والوں کی پوزیشن تم پہ واضح ہے۔ کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ تم ایسا کرو۔ نہ محبت دو اور نہ محبت مانگو۔ جیسی زندگی گزار رہی ہو۔ بالکل ایسی بعد میں گزارنا۔ فرق صرف اتنا ہو گا۔ اب بہن اور بیٹی بن کر خدمت کرتی ہو۔ پھر بیوی اور بہو بن کر خدمت گزاری کے فرائض ادا کرنا۔ صرف ذرا سی بات کے لئے گڑے مردے اکھاڑنے بیٹھ گئے ہم لوگ۔ بولو اب کیا کہتی ہو۔"

"اور اگر تیمور خان نے محبت مانگی تو۔" وہ اُلجھ سی گئی تھی۔

"صاف بتا دینا۔ اپنے اور ظفر کے متعلق بتا دینا۔ اس کے ٹھکرائے جانے کے باوجود اسی کی محبت کا پرچار۔ تمہارے لئے عین عبادت ہے۔"

"نہیں۔ مجھے اس شخص سے اب کوئی اُنسیت نہیں رہی۔"

"تو پھر یہ سب کیا ہے؟ بے وقوفوں والی حرکتیں۔ کوئی باشعور انسان تمہیں صحیح الدماغ نہیں سمجھ سکتا۔"

"پھر میں کیا کروں؟"

"دُلہن بننے کی تیاری۔"

"مگر ایک شرط پر۔" اس کا لہجہ کافی تھکا تھکا سا تھا۔ زلیخا کو ترس آ گیا۔ مگر وہ کیا کرتی۔ مجبور تھی۔ جتنا زیادہ فورس کر سکتی تھی۔ وہ کر رہی تھی۔

"ہاں۔ ہاں بولو۔"

"تیمور خان۔ محبت کے دعوے نہیں کریں گے۔"

"بالکل نہیں۔ قطعاً۔ جرات بھی نہ ہو گی۔ بے فکر رہو۔"

"بچوں کی طرح ٹریٹ مت کرو۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا۔ تو میں نے فوراً طلاق۔"

"خدا نہ کرے۔" زلیخا نے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "شرم کرو۔ شریف لڑکیاں شوہروں کی چوکھٹ سے مر کر نکلتی ہیں۔"

"پُرانی بیبیوں کا سبق مت دہراؤ۔ یہ آج کی ریت ہے۔ نیا رواج۔ فیشن کی طرح۔"

"یہ تم فیشن پرست کب سے ہو گئیں۔"

"کروڑ پتی شخص کی بیوی بن جانے کے بعد سوائے فیشن کے کام کیا رہ جائے گا!"

تیمور کی ماما کے لہجے سے عیاں دولت پرستی کی بُو۔ باتوں سے سونگھ لی تھی۔

زلیخا بھی جانتی تھی۔ مگر جان بوجھ کر نظر انداز کر گئی۔

"چلو۔ کسی صورت سہی۔ تم نے تیمور خان کے وجود کو تسلیم تو کیا!"

"خوشخبری سنا دوں۔ گھر والوں کو۔"

"میں جا رہی ہوں۔ جو مرضی آئے سو کرو۔ چاہو تو شادی کرا دو۔ سارے لوگوں میں۔"

"رکو۔ میں ڈراپ کر دوں گی تمہیں۔" اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی۔

"نہیں۔ شاپنگ کرنی ہے ذرا۔"

"واہ۔ بی نو تیار بھی تھیں۔ اور اوپر سے انکار کیے جا رہے تھے۔ چالاک ماسی۔"

"اونہہ۔ فضولیات! وہ شانے اچکاتی خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

www.pkdigest.com

بازار بھی — خیال آیا — آج تیمور خان سے روم ہوٹل ملنے کا وعدہ کیا تھا۔

سامنے پی۔سی۔او کی طرف بڑھی — نمبر ڈائیل کیا — انگیج ٹیون — دوبارہ ملایا — تو مل گیا۔

"صبر نہ ہو سکا زیدا — فوراً بتانا شروع کر دیا۔"

"تم کیا جانو آئینی — کتنی ذمے داری سونپ دی گئی تھی — مجھ ناتواں کو۔

ادھر تیمور خان میرے سر ہو گئے — ادھر تمہارے گھر والوں نے تمہیں میرے حوالے کر دیا — آج لگتا ہے سارا بوجھ اُتر گیا — ایک دم سرخرو ہو گئی ہوں۔"

بے وقوف لڑکی — ارے ایک دم یاد آیا — تو پوچھا۔ تم نے فون کیسے کیا؟ خیریت۔"

"وہ دراصل تیمور خان سے ہوٹل میں — ملنے کا وعدہ کیا تھا —"

"اچھا تو یہ بات ہے — تمہیں ایویں زبردستی درمیان میں ڈال دیا — مسئلہ کچھ اور تھا۔

"پلیز زلیخا — پی سی او سے بول رہی ہوں۔ تم فون کر کے پروگرام کینسل کروا دو۔ تم خود بات کر لو۔"

"نہیں — سوری — میں نہیں کروں گی — بتا دیا ہے تمہیں — ہوٹل نہیں جاؤں گی — کیونکہ وہاں انہوں نے اسی موضوع پر بات کرنا تھا — جس سے پیچھا چھڑا چکی ہوں — مزید مغز ماری نہیں کر سکتی! — بتا دوں گی تو ٹھیک — ورنہ انتظار کر کے خود ہی چلے جائیں گے — میری بلا سے — بلکہ اچھا ہے۔ غلط امپریشن پڑے گا تو شاید ارادہ بدل ڈالیں۔"

"سائیں ڈیئر — دل والے لوگ اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑا کرتے۔"

"دل والے —" جواب دیئے بغیر فون بند کر دیا۔

البتہ زلیخا کی بات پر اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ ضرور آ گئی تھی۔

ہونہہ — دل والے۔

شادی کے لیے رضامندی دینے کے بعد دل کا بوجھ ایک دم بہت بڑھ گیا تھا۔

جانے زلیخا نے تیمور سے کیا بات کی — دوبارہ انہوں نے پھر کبھی فون پر بات کرنے کی کوشش نہ کی — ماما اور زلیخا بھی ہر معاملے میں آگے آگے تھیں!

آئینی نے شادی سے ایک دن پہلے چھٹی لی — اور اپنے کمرے میں قید ہو کر بیٹھ گئی — اماں — بہانے بہانوں سے آتیں — غور سے اس کی طرف دیکھتیں۔ کچھ پڑھنے کی جاننے کی کوشش میں اُلجھ کر واپس چلی جاتیں —

آپا آتیں — زیورات — کپڑے — میک اپ — کراکری وغیرہ کے لیے مشورہ کرنے — وہ خاموش سنتی رہتی۔ آپا اس کی خاموشی کو رضامندی سمجھ کر چلی جاتیں۔

ہنسی خوشی — اور جندا —

اس نے خدمت گزاری کا شعبہ اپنے ذمے لے لیا تھا۔ کبھی جوس — فروٹ — کبھی کافی بھر جاتے۔

ہزاروں طرح طرح کے لوازمات سے بھری ٹرے سامنے رکھ دیتی اور خود خاموش ہو کر آئینی کا چہرہ دیکھتی رہتی — کب تک — آخر کب تک — ایک دن ضبط نہ ہو سکا — تو آئینی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"مت لو — میرے صبر و ضبط کا اتنا امتحان —"

سامنے ٹکر ٹکر تکتی جندا کو گلے سے بھینچ کر سسک سسک کر رو دی — تو وہ گھبرا گئی۔

"آپی — آپی کیا ہوا —؟ مت روئیں پلیز — اماں پریشان ہو جائیں گی پلیز؟"

"ہاں — نہیں رونا چاہیے مجھے — اماں جانے کیا سمجھیں —"

"آپی کتنی خوش نصیب ہیں — اتنا بڑا — محلوں جیسا گھر — نوکروں کی لمبی قطار — صرف آرڈر دینے کی ضرورت — اور سب سے بڑھ کر دولہا بھائی — ایمان سے آپی اتنے خوبصورت ہیں، زبردست پرسنالٹی" جندا اپنی رو میں کہتی جا رہی تھی — اور اس کے کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی۔

خوبصورت — پرسنالٹی — حسن — شخصی نکھار — وہ بستر پر گر سی گئی — کیا زندگی پھر نیا کھیل دکھانے لیے جا رہی تھی —

ایک دم زلیخا پر غصہ آ گیا — آخر ضرورت کیا تھی۔ شادی کے لیے راضی کرنے کی —

www.pkdigest.com

ہونہہ — دیکھ لوں گی — محبتوں کے دعویدار — کتنی دیر پاسبان بن سکتے ہیں —
جھوٹی محبت — جھوٹے گلاب ۔؟"

نکاح کے لیے سوٹ آف وائٹ تھا۔ کمخواب کا۔ ہزاروں کی لاگت سے تیار کردہ۔

"آئینی — خاص تیمور کی پسند سے ڈریس تیار کروایا گیا ہے — بلکہ بری کی ساری چیزیں میرے ساتھ تیمور نے اپنی پسند سے خریدیں — کچھ میں میرے مشورے شامل تھے — مگر آخری فیصلہ تیمور کا ہوتا — دیکھو کتنا پیارا ہے"

"ہوں —" اس نے ایک نظر ڈالی — اور کروٹ بدل لی۔

"یار اٹھ جاؤ — وہ لوگ بارات کی واپسی کا شور مچا رہے ہیں — اور تم ابھی تک منہ سر لپیٹے پڑی ہو بیگم آئن"

"زلیخا کے شور مچانے پر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی — اور بیوٹی پارلر سے آئی خواتین کو اس کے کمرے میں گھسا دیا گیا۔

رخصتی کے وقت — جانے کہاں سے ڈھیروں ڈھیر آنسو آنکھوں میں بھر آئے — تو وہ بلک بلک کر روئی — سامان کے گلے لگ کر بے اختیار ہو گئی۔ زلیخا نے ٹہوکا مار کر باز رکھنا چاہا کہ اتنی محنتوں سے کیے میک اپ کا ستیاناس ہو جاتا تھا — مگر ضبط کا یارا نہ تھا — تیمور خان خاموشی — سر جھکائے بائیں طرف کھڑے تھے — زلیخا نے اشارہ کیا۔ کہ آگے بڑھے۔ اور بازوؤں میں تھام کر گاڑی تک لے آئے۔ زلیخا نے جلدی سے دروازہ کھولا — اور تیمور خان نے سہارا دے کر آئینی کو پیچھے بٹھایا — زلیخا اور ماما ساتھ بیٹھیں۔ جبکہ دوسری طرف سے چل کر تیمور خان آگے فرنٹ سیٹ پر کیپٹن عازم کے ساتھ آ بیٹھے —

"زیادتی — زبردستی — عورتوں کی حکمرانی"

کیپٹن نے سرگوشی کی —

"کیا کروں مجبوری ہے —" بیچارگی کا اندازہ اپنا پیارا سا تھا کیپٹن عازم نے بے ساختہ قہقہہ لگایا — اور بیک مرر سے دیکھا —! زلیخا کی گھورتی آنکھیں۔ ایک دم سنجیدہ ہو گئے۔

شاید زلیخا ماما کی موجودگی کا احساس دلانے میں کامیاب ہو گئی تھی —

بڑی ساری کوٹھی — مہمانوں سے بھری پڑی تھی۔ مگر ماما کے کہنے پر زلیخا آئینی کو سیدھا اس کے کمرے میں لیتی چلی گئی — حالانکہ ماما کو بتایا تھا —

"ماما — مہمان اصرار کریں گے دلہن دیکھنے پر"

"تم چلو — میں سب سے نپٹ لوں گی — پہلے ہی رات کافی ہو چکی ہے — دلہن تھک چکی ہوگی" اب زلیخا کیا بتاتی — دلہن صاحبہ نے سارا وقت سوتے گزرا ہے — اس لیے تھکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا —!

کیپٹن — تیمور کو لے کر جانے کہاں غائب ہو چکے تھے

"بیٹھ جاؤ — ایزی ہو کر" خوبصورت سیج پر اسے بٹھاتے ہوئے کہا — اور باہر جانے لگی —

"زلیخا کو — تم کہاں جا رہی ہو —؟"

"جہنم میں — خود بیگم صاحبہ آرام فرماتی رہیں اور ہمیں گھن چکر بننا پڑا — دولہا والوں کا ساتھ دینے بھی اور دلہن کی دوست کی ذمے داری نبھا کر بھی"

"اب لیٹ جاؤ — سارے دن کی تھکی ہاری بیچاری —" زلیخا کے مسلسل جھگڑالو عورتوں کی طرح بڑبڑانے پر بے ساختہ ہنسی آ گئی —

"ہنس لو — خوب ہنس لو — ابھی موقع ہے پھر —"

"پھر کیا —"

"کچھ نہیں — میں جاؤں — ذرا دیکھوں —" شوہر نامدار کہاں غائب ہو گئے —

"شوہر صاحب حاضر ہیں بمعہ غیر دو شوہر کے"

"آئیں جی سنبھالیں — اپنی امانت — بہت حفاظت کر لی ہم نے —"

"آپ جائیں — آپ کا کام —"

"شکریہ بھابی — زندگی کا اتنا بڑا احسان شاید کبھی نہ اتار سکوں —"

"اتارتے رہنا بھائی — یہ ہماری بیگم موقع فراہم کرنے میں کمال رکھتی ہیں —"

"چلیں آپ — وہ کیپٹن کو دھکیلتی کمرے سے باہر نکل گئی —

اور آئینی — جواب تک زلیخا کی موجودگی میں ہزاروں خدشوں کو دبائے بیٹھی تھی — پھر دوبارہ ان کی عادی ہونے لگی — سوچوں میں تیمور خان — قدموں سے چلتے بیڈ کے نزدیک آئے — اور پھر عین نظروں کے سامنے بیٹھ گئے — دونوں ہاتھ آگے بڑھے

اور گھونگھٹ الٹ دیا گیا —

"آئینی آنکھیں کھولو — اور میری جانب دیکھو پلیز —" وہ سر جھکا کر رہ گئی — شاید فطری شرم ساری مشرقی عورتوں کے حیا کا تقاضا ہے —

"اوہ سوری — بھول گیا —" جلدی سے سائیڈ ٹیبل پر رکھا ایک خوبصورت ڈبہ اٹھایا۔ اور کھولا۔

"دیکھو آئینی — تمہارے لیے — خاص طور پر باہر سے منگوایا — پلیز دیکھ لو نا — مجھے نہ سہی — تحفے کو سہی —" آئینی نے آہستہ سے آنکھیں کھولیں — خوبصورت باتوں اور دلآویز آواز سننے کے بعد دل لرزیدہ تھا۔ کہیں — کہیں حقیقت برعکس نہ نکلے خوبصورت نقش ڈائمنڈ سے مزین لاکٹ سیٹ۔

"شکریہ —" جھکی نظروں سے جواب دیا۔

"اونہوں — ایسے نہیں — میری جانب دیکھو۔ اور شکریہ ادا کرو —"

"کیسا ہے سیٹ —؟"

"خوبصورت —" جانے کس طرح دھڑکتے دل سے یہ لفظ لبوں سے آپوں آپ نکل گیا۔

پھر اک ان کی طرف دیکھا — تو وہ بڑے شوق نظروں سے اسی کو تک رہے تھے —

"کیا — تم سے زیادہ خوبصورت ہے —؟"

دل اتنی زور سے اچھلا — سمجھو باہر نکل جائے گا۔

"معلوم نہیں —" ایک دم دل پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور ذرا سا آگے کو جھکی تو وہ گھبرا گئے —

"کک کیا ہوا آئینی —؟" اس کے روبرو جھکے

"کچھ نہیں — وہ — وہ پلیز پانی —" تیمور نے جلدی سے پانی کا گلاس بھر کر ہونٹوں سے لگا دیا۔

غٹاغٹ سارا گلاس پی گئی —

"اور دوں" تیمور مسکرائے —

"نہیں بس — کافی ہے —"

"بہت پیاس لگی تھی کیا —؟"

"ہاں بہت زیادہ !"

"آئینی ادھر دیکھو — میری طرف — ذرا غور سے — اور تصور میں لاؤ — وہ چہرہ جس نے تمہیں بدصورت کہا — اس چہرے کو میرے چہرے کے ساتھ ملاؤ تجزیہ کرو — اور پھر فیصلہ دے ڈالو — کیا وہ چہرہ میرے چہرے جیسا تھا — کیا وہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا میرا چہرہ ہے — اک ذرا سا فرق — دیکھو اسی غور سے پلیز — دیکھو مجھے" انہوں نے آئینی کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیا — اور اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا —

آئینی نے دیکھا — اور پلکوں سے دو آنسو دامن میں آ گرے —

"آج صرف آج رو لو — جی بھر کر — جتنا چاہو — آج کے بعد پھر کبھی نہ دیکھوں ان آنکھوں میں آنسو تمہاری آنکھیں میری آنکھیں ہیں — یہ چہرہ میرا چہرہ ہے اور بہت خوبصورت ہے — آئینی اور میں اپنے چہرے میں سارے عکس تمہارے دیکھنا چاہتا ہوں۔ روشن صبح کی مانند — اجلے اجلا چہرہ — ساری باتوں سے باخبر ہونے کے باوجود — کوئی شکوہ نہ گلہ — مگر آج تمہیں تسلیم کرنا ہوگا۔ کہ تم چہروں کی شناخت میں دھوکہ کھا گئیں — اس کی سزا مجھے نہیں دو گی — پیار تمہارے بغیر ادھورا اور نامکمل ہے —"

"مگر تمہاری خواہش کے احترام میں تمہیں خوش دیکھنے کے لیے — میرے لب کبھی تم سے یہ نہ کہیں گے کہ میں تم سے کتنا زیادہ پیار کرتا ہوں — اتنا جس کا تم تصور نہیں کر سکتیں —

مجھے تمہاری کسی چیز سے پیار نہیں آئینی — تم ساری کی ساری — میرے من میں سمائی ہو — آئینی مگر از تم تمہاری اجازت ضرور دو — میں تمہیں سوچنے پر مجبور کر دوں گا۔ اپنے عمل سے — کہ

پیار زندگی کی حقیقت ہے —

آؤ آئینی —

آج راہوں کے بھٹکے مسافر — اپنے رب کے حضور — سجدوں میں گر کر محبتوں کے نذرانے لٹا دو" آئینی محبتوں کے بے ساختہ اظہار پر بے اختیار رو گئی —

دونوں حنائی ہاتھ آگے بڑھے — جنہیں تیمور خان نے آنکھوں پر رکھا تو —

پلکوں کی جھالر توڑتے — دو آنسوؤں نے آئینی کی ہتھیلی چوم کر محبت کا نذرانہ ادا کر دیا ———

www.pkdigest.com

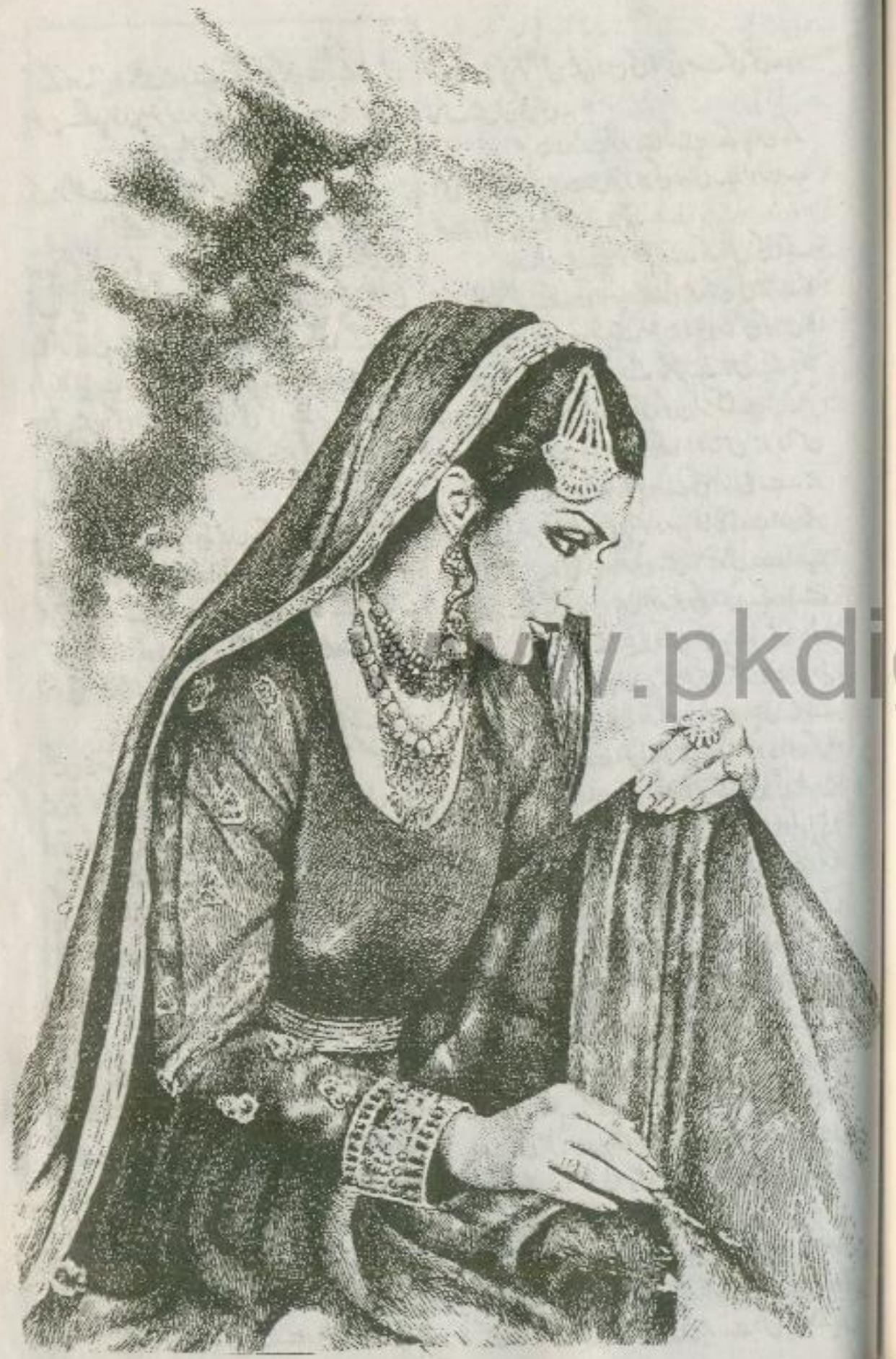

تم لوٹ آنا

غزالہ جلیل راؤ

سڑک کے دونوں جانب ہرے بھرے باغ اور کھیت تھے اور سڑک کنارے سرسبز درختوں کی قطار دور تک چلی گئی تھی۔ باغوں اور درختوں سے گھرے ہوئے اس راستے کے آخری کنارے ''سنت نگر'' گاؤں تھا۔

اس گاؤں کے وسیع و عریض میدان بہت ہی خوش نما اور دیدہ زیب گھاس سے آراستہ ہیں۔ تاحد نگاہ روئیدگی اور شوخ اجلے رنگوں کے پھول کھلے ہیں جن کی خوشبو ہوا میں گھل کر اسے کیف آگیں بنا دیتی ہے۔ چاروں طرف خاموشی اور بڑی شان کے ساتھ کھڑے بلند و بالا سرسبز گھنے درخت رنگ برنگے خوبصورت پروں والے پرندے اور ان کے ننھے نفع ایک سماں سا باندھ دیتے ہیں۔ جو آپ کو روشنی اور دل کو سرور بخشتے ہیں۔

ناولٹ

پورے چاند کی خنک راتوں میں جب چاروں طرف ایک ہو کا عالم طاری ہوتا ہے اور لوگ کچے پکے گھروں میں ادھ کھلی چاندنی سے لپٹے سو رہے ہوتے ہیں کائنات کی ہر چیز ٹھٹھری ٹھٹھری عالم غنودگی میں محسوس ہو رہی ہوتی ہے۔

''فائزہ تم یہاں ہو؟'' ایک جانی پہچانی آواز فضا میں گونجی۔

حور زمین کی گہرائیوں سے ابلنے والے ٹھنڈے اور میٹھے چشمے میں پاؤں ڈالے بیٹھی تھی۔ اس کے پاؤں کی حرکت سے پانی نقرئی لہریں پیدا ہو رہی تھیں۔ پورے چاند کی خنک رات اور چاروں طرف ایک ہو کا عالم طاری تھا

حور کے لبوں پر دم توڑتے تمام الفاظ انگلی چھڑا کر صحرا کے سفر پر نکل گئے تھے۔ جن کی تلاش میں لب یوں خاموش تھے جیسے چھوٹی بچی خفگی سے منہ پھیلا کر رخ پھیرے کھڑی تھی اور دور افق پر تاروں کے درمیان چمکتا چاند نگاہوں کے حصار میں لیے ہوئے تھی۔

''غلام مصطفیٰ تم..... تم آگے ہو؟ مگر تم تو مجھے چھوڑ گئے تھے۔ تو کیا تم آگے ہو اپنی حور کے پاس

www.pkdigest.com

آگے ہو۔" وہ یقین اور بے یقینی کی کیفیت کے طویل سفر پر ننگے پاؤں سفر کر رہی تھی۔

مگر وہ کہیں بھی نہیں تھا۔ مصطفیٰ کی آواز اس کی بازگشت میں گونج رہی تھی۔

"مجھے اس سفر پر مت گھسیٹو کہ قدم لہولہان ہو جائیں آس کا یہ سفر بہت کٹھن نہ ہو جائے۔ یقین کا اک نیا سفر آنکھوں میں روشن جوت کی طرح جگا کر کیوں چلے گئے۔ کیوں میں یاد نہیں آتی تمہیں؟"

دل کا کیا ہے یہ تو ایک آزاد پنچھی ہے جو دانے دنکے کی تلاش میں کبھی اس منڈیر اور کبھی کسی منڈیر پر جا بیٹھتا ہے لیکن واپسی اپنے گھر ہی کی چھت پر لگی چھتری پر ہی ہوتی ہے۔

"تم نے جو جذبوں کے اس نرم و ملائم سفر پر قدم دھرتے ہوئے ثابت قدم رہنے کا وعدہ کیا تھا اور پھر تنہائیوں کے عذاب میں ڈال کر چلے گئے۔ جہاں کوئی غم گسار دکھ بانٹنے والا نہیں اور جب محبت بچھڑے تو کوئی گلے لگانے والا نہ ہو۔"

اس کی نرم ملائم یاد پر آنکھیں چھلک پڑی تھیں۔ سوچنے بیٹھیں تو الفاظ کھو جائیں۔ آنکھیں بر میں تو کوئی مہرباں آنسو پونچھنے والا نہ ہو، دل زخمی ہو تو۔ کوئی مرہم لگانے والا نہ ہو۔ دل ضدی، دل پگلا حاصل خواہشوں کے راستے پر سفر کیوں کرتا چاہتا ہے اور دل نادان کی ایک ہی خواہش ایک ہی آرزو، ایک ہی ارمان ہوتا ہے خواہ کچھ بھی ہو اسے اس ہی رستے پر سفر کرنا ہے

"مصطفیٰ آجاؤ پلیز آجاؤ۔" وہ تاروں میں اس کا عکس ڈھونڈتے ہوئے رو دی تھی کوئی خواہش جو حسرت بن جائے وہ ساتھی جو سفر میں چھوڑ جاتے۔ کشتی کنارے نہ لگے بیچ سمندر میں کشتی کے چپوار ٹوٹ جائیں منجدھار میں چھوڑ جائیں آنکھیں جن میں روشنی نہ رہے، عنابی شریں لبوں سے ہنسی چھن جائے۔ محبت جو کسی ضدی بچے کی طرح روٹھ جائے اور اس کو منانے کی کوشش میں اپنی ہستی ہی مٹ جائے۔

اس کی محبت بھی اس سے روٹھ گئی تھی اور اس کو منانے کی کوشش میں اس کی ہستی مٹ گئی تھی۔ وہ خاک میں مل گئی تھی۔

محبت نہ رہے تو رہتا انسان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے اور محبت ہی تو زندگی ہوتی ہے اور جب محبت روٹھ جائے کھو جائے تو......۔

وہ ماں جو بچے کو جنم دے کر اس کی ایک جھلک نہ دیکھ سکے۔ وہ لاچار بھائی جو بہن کی عزت کا رکھوالا نہ بن سکے۔ وہ شریک سفر جو اپنی ساتھی کو اس کا مقام نہ دے سکے محبت کے بچھڑنے اس کے دکھ واذیت بے بسی وبیچارگی کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

"محبت وہ ان دیکھا احساس جو دامن سے لپٹا جائے اس خودرو پودے کی طرح ہے۔ جو اپنا دل کی سرزمین پر خود بخود سر اٹھا لیتا ہے اور پھر اس کی جڑیں دل کی دھرتی میں مضبوطی سے اپنے پنجے گاڑے چلی جاتی ہیں اور خود کو اس کے سامنے بہت بے بس پاتے ہیں اس کی نہ مانیں دل کو گدگداتے ہوئے لبوں پر دھری مسکراہٹ چھوڑ جاتی ہیں اور ہنستے ہنستے آنکھوں سے پانی چھلک پڑے اور پھر دل سے اس کا ناتا بہت مضبوط اور گہرا ہوتا چلا جاتا ہے اور پھر خاموش تماشائی کی طرح پردہ اسکرین کو اٹھاتے ہوئے اسٹیج پر نمودار ہو کر اپنی بانہوں میں بھر لیتی ہے۔ اس کا حصار ٹوٹنے لگتا ہے۔ تو چہرے پر حزن و ملال کے پہرے اٹھا دیتی ہے اور کبھی لبوں سے ہنسی چرا کر قفلا ڈال دیتی ہے آنکھوں میں اداساں بھر دیتی ہے۔" ہاں یہی محبت ہے اسی کو محبت کہتے ہیں۔ کیا آپ متفق ہیں؟

☆......☆......☆

اس ستمگر کی یاد دل کے درد کو چھیڑتی ہوئی اندر کہیں دل کی دیواروں سے لپٹ گئی تھی اور سوچوں کے نیچے درد وا کرتی چلی گئی تھی۔ وہ گھنٹوں نیم کی چھاؤں میں بیٹھ کر سوچتی رہتی۔

اسے آج بھی یاد تھا۔ جب وہ گھنٹوں دسمبر کی دھوپ میں بیٹھ کر پیار بھری باتیں کیا کرتے تھے۔ مصطفیٰ کبھی غصہ اور کبھی پیار سے اس کی انگلیاں دبا دیا کرتا تھا۔ تو اس کی آنکھیں چھلک پڑتی تھیں۔ جنہیں وہ آب زم زم کے قطروں کی طرح نیچے گرنے سے پہلے اپنی پوروں پر چن لیا کرتا تھا۔

جب وہ بارش اور ٹھنڈی ہوا کے سنگ خوشگوار موسم میں سڑک پر نکل جاتے تھے اور کسی خوبصورت جگہ پر بیٹھ کر پیار سے لڑتے جھگڑتے تھے۔ درختوں کے پتوں سے ٹپکتا بارش کا پانی ان کو بھگو دیتا تھا اور بھیگے پروں والے پرندوں کا ادھر ادھر سفر کرنا بہت دلکش نظارہ ہوا کرتا تھا۔ بے اختیار لبوں پر مسکراہٹ چھوڑ جاتا تھا۔ وہ ماضی کی بھول بھلیوں میں کھو گئی تھی۔

☆......☆......☆

احسان احمد کی تین اولادیں تھیں عرفان احمد، ریحان احمد اور افتخار احمد نے اپنی پسند کی شادی کر لی تھی جسے گھر والوں نے ناپسندیدہ فعل قرار دیا تھا اور سب سے زیادہ باپ کو بیٹے کے خلاف بھڑکانے میں تمنا بیگم کا ہاتھ تھا۔ کیونکہ وہ ان کی بڑی اور لاڈلی بہو تھیں۔ وہ ان کی بھانجی تھیں گھر کا تمام نظام ان کے ہاتھ میں تھا۔ ساس کے بعد سیاہ و سفید کی مالک وہ ہی تھیں۔ احسان احمد اور مسز احسان کی آپس میں بھی بنی ہی نہیں تھی۔ تمام زندگی لڑتے جھگڑتے گزار دی تھی۔ اب اولاد جوان ہوئی ان کے سکھ کے دن تھے کہ افتخار احمد پسند کی شادی کر کے گھر کے حالات خراب کر دیئے تھے۔

افتخار احمد نے گھر میں بات کی تھی مگر سوائے ماں کے کوئی فرد راضی نہ تھا اور ماں بھی مجبور کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ عذرا بیگم افتخار احمد کے استاد کی بیٹی تھیں۔ افتخار احمد کا ان کے ہاں آنا جانا تھا۔ پروفیسر صاحب ان کو اپنے بیٹے کی طرح سمجھتے تھے۔ وہ بلا دھڑک ان کے گھر آ جا سکتے تھے۔

عذرا بیگم ان کو پہلی نظر میں ہی بھا گئی تھی اور اس سے بہت محبت کرنے لگے تھے۔ پروفیسر صاحب بیٹی کی طرف سے بہت پریشان تھے۔ مگر کوئی مناسب رشتہ ان کی نظر میں نہیں تھا۔ انہوں نے افتخار احمد سے عذرا کے رشتے کا ذکر کیا تھا۔ کیا وہ جدائی

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابنِ انشاء

اردو کی آخری کتاب .... 1[illegible]5/-

خمارِ گندم .... [illegible]00/-

دنیا گول ہے .... [illegible]25/-

آوارہ گرد کی ڈائری .... [illegible]00/-

ابن بطوطہ کے تعاقب میں .... [illegible]00/-

چلتے ہو تو چین کو چلیے 130/-

نگری نگری پھرا مسافر .... [illegible]5/-

خطِ انشاجی کے .... [illegible]00/-

بستی کے اک کوچے میں .... [illegible]/-

چاند نگر 165/-

دلِ وحشی 165/-

آپ سے کیا پردہ 250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعدِ اردو .... [illegible]00/-

انتخابِ کلامِ میر .... [illegible]60/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیفِ نثر 160/-

طیفِ غزل 120/-

طیفِ اقبال 120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321690-7310797

www.pkdigest.com

کے موڑ پر آگئے ہیں۔ کیا انہیں ساری عمر ایسی مسافت میں سفر طے کرنا ہوگا جہاں سوائے آبلہ پائی کے کچھ نہیں تھا۔ اس روز انہوں نے خود سے وعدہ کیا تھا جو بھی ہو ان کی جیون ساتھی عذا ہی بنے گی ورنہ کوئی نہیں۔

انہوں نے گھر میں ذکر کیا تو ایک طوفان تھا جو اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ مگر انہیں کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ انہیں فکر تھی تو عذرا کی خیال تھا تو اپنی محبت کا جب بہت کوشش کے باوجود حالات نہ سدھرے تو انہوں نے پروفیسر صاحب سے بات کرنے کی ٹھان لی۔

اس روز وہ کئی دنوں بعد ان کے ہاں گئے تھے مگر ان کی حالت بہت بگڑ گئی تھی۔ ان کی آنکھوں میں عذرا کو اپنے گھر کا ہوتا دیکھنے کی خواہش دم توڑ رہی تھی۔ وہ انہیں حوصلہ دیتے ہوئے گھر آئے تھے اور امی جان کو بنا کچھ بتائے ہمراہ پروفیسر صاحب کے ہاں لے آئے تھے اور پھر چند دوستوں کی موجودگی میں عذرا ان کی بن گئی تھی۔ وہ بہت خوش تھے ان کی کائنات ان کو مل گئی ہے۔

ادھر پروفیسر صاحب کو جیسے عذرا کو کسی کے محفوظ ہاتھوں میں دینے کا ہی انتظار تھا کہ انہوں نے ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

احسان احمد کی جب پتہ چلا کہ بیوی بیٹے اس فعل میں برابر کی شریک ہیں تو انہوں نے ہمیشہ کے لئے ان سب کا بائیکاٹ کر لیا تھا۔ انہوں احسان احمد کی لاکھ منت سماجت کی مگر انہوں نے مرتے دم تک انہیں معاف نہ کیا۔

افتخار احمد کو انہوں نے جائیداد سے بے دخل کر دیا تھا۔ وہ عذرا کو لے کر پروفیسر صاحب کے آبائی گھر سنت نگر گاؤں میں شفٹ ہو گئے اور جاب بھی جاری رکھی۔ شہر سے سنت نگر دور نہ تھا۔ یوں ان کی گزر بسر ہو رہی تھی۔ مگر گھر سے بھائیوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ انہوں نے کوشش کی تھی مگر احسان احمد نے ان پر اپنے گھر کے دروازے بند کر دیے تھے۔

☆.....☆.....☆

احسان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ ایسا سوئے کہ پھر اٹھ نہ سکے۔ افتخار احمد باپ کو آخری کندھا دینے آئے تھے۔ مگر پھر ماں کی ایک پکار پر وہ اپنے پورشن میں شفٹ ہو گئے تھے۔ مگر تمنا بیگم سے یہ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ جلتی کڑھتی اندر باہر پھر رہی تھیں مگر کچھ حاصل نہیں رہا تھا کیونکہ ماموں سے تو اب اس دنیا میں رہے نہیں تھے کہ وہ اپنی من مانی کرتیں۔ مگر انہیں سکون نہیں تھا اور نہ کوئی موقع ہاتھ آرہا تھا۔

مصطفیٰ احسن اور عائشہ کا سارا وقت عذرا چچی کے ہاں گزرتا تھا۔ وہ بھی انہیں بہت پیار کرتی تھیں۔ تمنا بیگم بہت کوشش کرتیں مگر مصطفیٰ ان کے قابو میں نہیں رہا تھا۔ وہ آنکھ بچا کر ان کے ہاں پہنچ جایا کرتا تھا۔

مسز احسان نے عرفان احمد سے جب افتخار احمد کی جائیداد کی بات کی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ کیونکہ تمنا بیگم پہلے ہی تمام کام پکے کر چکی تھی۔ ان کے حصے کی ساری جائیداد عرفان احمد اور ریحان احمد کے نام کرا چکی تھیں جس کی خبر سوائے تمنا بیگم کے کسی کو نہ تھی اور جب یہ بات ان پر کھلی تو مسز احسان کچھ نہ کر سکیں۔

اس کے بعد حالات کچھ اس طرح سے بگڑے کہ افتخار احمد کو ایکبار پھر گاؤں کا رخ اختیار کرنا پڑا۔

اور پھر ہمیشہ کے لیے وہ وہاں کے ہی ہو کر رہ گئے تھے اور ان کے کچھ عرصہ بعد ریحان احمد بھی اس دنیا سے کوچ کر گئے تھے۔

احسان احمد کے بعد تو جیسے اس گھر کو نظر لگ گئی تھی۔ شوہر اور دو جوان بیٹوں کا دکھ مسز احسان کو اندر سے کھا گیا تھا۔ وہ چلتی پھرتی زندہ لاش تھیں۔ انہیں نے بہت کوشش کی تھی مگر عذرا بیگم پھر اپنے پورشن میں نہ آسکی تھیں۔ صرف سنت نگر کی ہو کر رہ گئی تھیں۔

عذرا بیگم کی گزر بسر، پروفیسر صاحب اور افتخار احمد کی پنشن سے ہو رہی تھی۔ وہ اپنے اس حال

میں ہی بہت خوش تھیں۔ بہت خوشحالی نہیں تھی تو تنگدستی بھی نہ تھی۔ مصطفیٰ ذرا بڑے ہوتے ہی اپنی من مانی کرنے لگا تھا اور چچی جان کے ہاں ہر ہفتے آنا اس کا معمول تھا یہ معمول اس کی زندگی بن گیا تھا۔

وہ بچپن سے ہی حور کا دیوانہ تھا۔ وہ اسے بہت ہی اچھی لگتی تھی۔ پیاری سی گول مٹول سی حور واقعی ہی آسمان سے اتری کوئی حور معلوم ہوتی تھی۔

وقت کے ساتھ ساتھ اس کی محبت کی جڑیں بہت گہری اور مضبوط ہوتی چلی گئی تھیں۔

حور کب اس کی محبت میں گرفتار ہوئی کب وہ اس کے اندر سانس لینے لگا تھا وہ بے خبر تھی۔ شاید بچپن سے ہی وہ اس کے دل کی مسند پر ڈیرا ڈال کر بیٹھ گیا تھا اور کسی کو اس کے دل میں جھانکنے کی اجازت نہیں تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہو گئے تھے اور عذا بیگم سے ان دونوں کے جذبے مخفی نہ تھے۔ مگر وہ آنے والے حالات سے بہت ڈرتی تھیں کہیں اس کا بھی انجام ان جیسا نہ ہو۔

☆.....☆.....☆

"تم یہاں ہو؟" ایک جانی پہچانی مدھری پکار نے فضا کے سکوت میں مدھم سا ترنم بکھیر دیا تھا۔

وہ گاڑی سے اتر کر اس کی طرف دوڑا۔ جوش و مسرت سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

وہ پگڈنڈی پر بیٹھی تھی۔ وہ بھی اسے دیکھ کر خود پر اختیار نہ رکھ سکی تھی اور اٹھ کر اس کی جانب دوڑی تھی اور پھر اس کے سے لگی بلک پڑی تھی۔

"اتنے دنوں بعد آئے ہو؟ آنکھیں دیکھنے کو ترس گئی تھیں۔ یوں بھی کرتے ہیں بھلا۔" شکوہ زبان پر خود بخود ہی مچل گیا تھا۔

"آپ آگیا ہوں نا تو دل بھر کر دیکھتی رہنا دن رات۔" وہ شریر سے انداز میں بولا۔ گلابی لبوں کی تراش میں مسکراہٹ بہت بھلی دکھائی دے رہی تھی۔ گھنی سیاہ مونچھوں تلے مسکراتے لب اس کی دھڑکنیں منتشر کرنے کا کافی تھے۔

"تم بھی نہ بس یونہی....."

"فضول ہو؟" مصطفیٰ نے اس کا جملہ اچکتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو اور کیا فضول ہی ہو۔"

"فضول و ناکارہ تم نے کر دیا ہے پگلی۔ ورنہ آدمی ہم بھی بہت کام کے تھے۔"

عشق نے ہمیں تاکارہ کر دیا غالب
ورنہ آدمی ہم بھی تھے بڑے کام کے

"کیا خوب فرما گئے ہیں چچا غالب بھی۔"

"ابھی کہاں جاتی ہوا بھی تو....."

"بس بس اب پھیلو مت۔" وہ اسے پیچھے کرتے ہوئے بھاگی۔

"تم ذرا گھر چلو پھر دیکھتا ہوں تمہیں؟" مصطفیٰ نے پیار سے گھورتے ہوئے کہا۔

"جب دیکھ لیں گے۔" وہ پگڈنڈی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔

وہ دونوں خاموشی سے میناروں کو سروں پر گاگریں اور گھاس کے گٹھے اٹھائے جاتے دیکھ رہے تھے۔ دھوپ میں حدت تھی۔ اس نے ذرا دیر کو پلکیں موندلیں دھوپ کی وجہ سے اس کے گالوں کے سفید رنگ میں ہلکی ہلکی سرخی گھلی ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں سے پھوٹنے والی چمک نے مصطفیٰ کو بہت متاثر کیا۔ اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

وہ ہمیشہ کی طرح ہی تھی۔ وہ ہی باوقار انداز اور چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ اس کے دل کا حال ہمیشہ آنکھوں سے عیاں ہو جاتا تھا تو اب کیسے نہ ہوتا۔

ان سبز زاروں میں گھومنے سے آدمی پر کیف و سرمستی کی انوکھی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے وہ بے اختیار ہو کر سوچنے لگتا ہے کہ مادیت بھری اس بھاگتی دوڑتی زندگی سے ہمیشہ کے لیے دامن چھڑا کہ اس سحر انگیز اور رومانوی فضا میں پڑا رہے۔ جہاں سکون ہے طمانیت ہے آشتی ہے اور چاندنی کھلی ہے۔ جہاں وقت ٹھہرا ٹھہرا سا ہے اور آدمی بے ساختہ چاہنے لگتا ہے کہ وہ اس وقت کو مٹھی میں قید

www.pkdigest.com

کرلے، ان سہانی گھڑیوں کو اسی ساعت پر روک لیکن وقت کب رکتا ہے کسی کے چاہتے پر بھی کب ٹھہرتا ہے۔

"حور کیا سوچ رہی ہو کیا چاہتی ہو تم؟" مصطفیٰ نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر ہلکا سا دباؤ ڈالا تھا۔

اس کے چھونے سے ایک سرد سی لہر بدن میں دوڑ گئی۔ بالکل سرد ہوا کے جھونکے کی طرح جس کے چھونے سے بدن میں پھریری سی پھر جاتی ہے۔

"تم جانتے ہو تمہیں سوچتی ہوں اور تمہیں ہی چاہتی ہوں تمام تر شدتوں اور پوری ایمانداری کے ساتھ۔" اس کے پلکوں پر آنسو اٹک گئے جیسے ایک طشتری میں موتی بکھرے ہوں۔

"رو کیوں رہی ہو پگلی میں آ گیا ہوں نہ اب تم خوش ہو جاؤ، پلیز جانم اب تم مت رونا۔ میں ہوں نہ تمہیں کوئی ٹینشن نہیں ہونی چاہیے۔ اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ خدا ہمارے ساتھ ہے ہم ایک ہیں اور ایک ہی رہیں گے۔" اس نے حور کی پلکوں اٹکے موتی اپنی پوروں پر چن لیے۔

"اب مت رونا پلیز جانم جب تم روتی ہو نا تو میرے دل کو کچھ ہوتا ہے۔ اپنا نہیں تو میرا ہی کچھ خیال کرلو۔" جب وہ بہت پیار سے جانم پکارتا تھا تو حور کے لبوں پر دھیمی دھیمی مسکراہٹ پھیل جاتی تھی۔ وہ بے اختیار مسکرا دیتی تھی اور اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

"یوں ہی ہنستی رہا کرو۔ ہنستی ہوئی اچھی لگتی ہو۔"

"رولاتے بھی تو تم ہی ہو نا مجھے۔"

"اور یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ ہنسی کا سبب بھی تو میں ہی بنتا ہوں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" وہ دونوں ایک ساتھ مسکرانے لگے تھے۔

دونوں کی ہنسی کی نقرئی گھنٹیاں فضا میں رقص کرنے لگی تھیں۔

آس کا پنچھی آسمان کی بلندیوں تک چھونے کی آرزو میں ہوا میں محو رقص تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ اس کے سامنے بیٹی ہاتھوں کی انگلیوں کو مروڑے جا رہی تھی اور بہت دنوں بعد اس کے دل میں انجانی سی خوشی تھی۔

حور کو اپنے دل پر کوئی اختیار نہیں تھا۔ وہ بے خودی اسے دیکھے جا رہی تھی۔

اگر نظر کرم ہو تو میرا اک کام کر دنیا
تمہارا دل جو ہے جاناں
وہ میرے نام کر دنیا
ضرورت گر پڑی مجھ کو
تو میں کچھ اور مانگوں گی
تم ناراض مت ہونا بالکل بھی نہ گھبرانا
تم ناراض مت ہونا تمہارا ساتھ مانگوں گی
اگر ناراض کر دو گے میں تم سے روٹھ جاؤں گی
میں احساس دل کی ہوں میرا دل ٹوٹ جائے گا۔
بہت رونا بھی آئے گا
میں تم سے دور جاؤں گی
بلانا بھی گر چاہو
کبھی واپس نہ آؤں گی
اگر نظر کرم ہو تو میرا اک کام کر دنیا
تمہارا دل جو ہے جاناں ہمارے نام کر دنیا

"اوہ میرے فراق میں شاعری بھی کرنے لگی ہو اور یہ دل تو کب کا تمہارے نام کر دیا ہے اور کیا چاہتی ہو اب؟" وہ اسی خاموشی سے آنسو بہاتی رہی۔

"جانم..... مصطفیٰ اٹھ کر اس کے سامنے دوزانو بیٹھ گیا۔

"خدا کے لیے یہاں سے اٹھ جائیں"

"پہلے تم رونا بند کرو۔ تم جانتی ہو۔ میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔"

"اس وقت مجھے کچھ نہ کہو تم جن باتوں کو سمجھتے نہیں جانتے نہیں۔"

"میں سب سمجھتا ہوں جانتا ہوں۔" مصطفیٰ نے اپنی انگلیوں کی پوروں پر اس کے آنسو جن لینے کی خواہش کی۔

"مصطفیٰ خدا کے لیے مجھ پر رحم کیجیے۔"

"پہلے تم اپنی آنکھیں صاف کرو ورنہ میں....."

اس نے ہاتھ پشت سے آنکھیں رگڑیں اور مسکرا دی۔ تو وہ اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا۔

"میری موجودگی میں کوئی تمہیں کچھ کہے یا تم روؤ مجھ سے یہ سب نہیں دیکھا جاتا۔"

"میں کب چاہتی ہوں۔ جان بھو بوجھ کر نہیں کرتی خود بخود ہو جاتا ہے سب کچھ ایسا۔" وہ ہاتھ کی لکیروں کو بہت غور سے دیکھنے لگی۔

"تمہاری قسمت بہت اچھی ہے۔" مصطفیٰ نے کہا۔ "پھر کیا کھوج رہی ہو ان لکیروں میں۔"

"تمہارا ساتھ۔"

"یہ زندگی تمہارے نام لکھ دی ہے اور کیا چاہیے؟"

"مگر تائی جان۔"

"میں ہوں نا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم فکر نہ کرو۔ امی جان مان جائیں گی۔ دادی اماں ہیں نہ ہمارے ساتھ۔"

"ایک مجبور و لاچار عورت ہمارے لیے کیا کر سکتی ہیں اور تائی جان نے کبھی ان کو ہمارے ہاں نہیں آنے دیا۔ کیا وہ ہماری کچھ نہیں لگتیں ہم ان کا خون نہیں ہیں۔ ان کے بیٹے کی اولاد نہیں ہیں۔ جائیداد سے برطرف کرا سکتی ہیں ہمیں تائی جان مگر رشتہ تو ختم نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ ہماری رگوں میں بھی اسی خاندان کا خون گردش کر رہا ہے جو تم لوگوں کی۔ پھر ہمارے ساتھ ہی کیوں ایسا سلوک روا رکھا جا رہا ہے۔ شاید اس لیے کہ پاپا نے اپنی پسند سے شادی کر لی تھی۔ پسند کی شادی کرنا گناہ ہے کیا؟ کیا مذہب قانون ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتا؟ کسی کی پسند کرنا اس سے محبت کرنا جرم ہے کیا؟" وہ بولی تو اس کی آواز میں نوح چیخ رہے تھے۔

"ایسا کچھ نہیں ہے بس اپنی اپنی سوچ ہے اور سوچیں بدلنے میں ٹائم تو لگتا ہے میں کہہ رہا ہوں نہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم فکر نہ کرو۔ میں ہوں نا جانم۔" اس نے حور کو خود سے قریب کر کے کہا تھا۔

"میں آتا ہوں نا کبھی کسی حال میں چھوڑا ہے تم کو۔ دادی جان بہت پریشان رہتی ہیں اور بہت دعائیں بھی کرتی ہیں تم لوگوں کے لیے وہ آنا چاہتی ہیں مگر میں خود ہی نہیں لاتا ان کو کیونکہ وہ یہاں آنے کے بعد تم لوگوں کے لیے اور پریشان رہیں گی۔ مگر اس بار میں ان کو لے کر آؤں گا۔ کتنی دیر سے رو رہی ہو اب تو مسکرا دو۔ ترس گیا ہوں تمہاری ہنسی سننے کو۔"

"ہنسی مسکراہٹ سب جیسے کسی نے چھین لی ہیں۔ میں کیا کروں مصطفیٰ۔"

"تم کچھ بھی نہ کرو۔ صرف مسکرا دو۔ میری ساری ٹھکاوٹ دور ہو جائے گی اب تو مسکرا دو۔"

"تم..... تم بہت....."

"کمینہ ہوں۔ یہی کہو گی نا؟ اس کی آنکھوں شرارت ناچ رہی تھی۔

"نہیں۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔"

"پھر..... ارشاد فرماؤ.....؟"

"تم انتہائی درجے کے بدتمیز ہو۔"

"ابھی تو کوئی بدتمیزی نہیں کی ہے تم سے وہ شرارت سے بنا۔"

☆.....☆.....☆

اس کی آنکھ کھلی تو اس نے محسوس کیا پرندے ہوا میں ادھر سے ادھر اڑ رہے ہیں۔ ان کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ وہ آنکھیں مسلتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

برآمدے کے در سے لگے پنجرے میں طوطا بھی ٹین ٹین کرنے لگا تھا۔

www.pkdigest.com

"یہ تم دونوں پھر صبح ہی صبح شروع ہوگئے ہو دن تو چڑھنے دیتے پھر لڑائی کا آغاز کرتے لڑے بنا چین تم دونوں کو بھی نہیں آتا۔ جلدی منہ ہاتھ دھو کر آؤ میں ناشتہ بناتی ہوں۔"

"میں کب لڑتا ہوں آپ کی بیٹی ہی......۔"

اس نے سعادت مندی سے سر جھکا کر کہا۔

"ہاں مجھے پاگل کتے نے کاٹا ہے نا کہ میں وقت بے وقت شروع ہوجاتی ہوں اور تم تو جیسے بہت......۔"

"چچی جان اب دیکھ لیں میں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا اور حور نے پھر سے محاذ جنگ چھیڑ لیا ہے۔"

اس نے چچی جان کو اس کی شکایت لگائی تھی۔

"حور کر آجاؤ بیٹا۔ ممان ہے اور گھر آئے ممان سے لڑائی اچھی بات نہیں۔ جلدی آؤ دونوں میں ناشتہ بنا رہی ہوں۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے اپنے لاڈلے کو کروائیں۔ اس کی طرف سے رخ پھیر کر اندر کی جانب چلدی تھی۔

"صبح صبح ناراض نہیں ہوتے تم بھی جلد آجاؤ۔" وہ ان دونوں کو تاکید کرتی ہوئی باورچی خانے کی طرف چلی آئی تھیں۔

اس نے حور کو منانے کی کوشش نہیں کی تھی کیونکہ وہ ابھی لڑائی کے موڈ میں تھی۔

"ساگ، مکھن اور مکئی کی روٹی" مزہ آگیا۔

اس نے ہاتھوں کو آپس میں اگڑتے ہوئے کہا۔

"خاص طور سے اپنے بیٹے کے لیے بنایا ہے میں نے۔" انہوں پیار سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ چچی جان خوش کردیا آپ نے میں یوں ہی تو آپ کے گن نہیں گاتا۔ آپ ہیں ہی اس قابل۔" اس نے تعریف کرنے میں بالکل بھی بخل سے کام نہیں لیا تھا۔ وہ واقعی ہی اس قابل تھیں کوئی ایک بار ان سے مل لیتا تو پھر ان کا گرویدہ ہوجاتا تھا۔

"وہ حور نہیں آئی ابھی تک۔" اس نے کافی انتظار کے بعد کہا تھا۔

"آجاتی ہے ابھی ناراض جو ہے تم سے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

اور اسی پل وہ باورچی خانے میں داخل ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔ شاید روتے رہنے کی وجہ سے۔

وہ اس کی طرف رخ پھیر کر بیٹھ گئی تھی اور چولہے میں پڑی راکھ تنکے سے کریدنے لگی تھی اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

"آؤ ناشتہ کرلو حور۔" اس نے بہت پیار سے حور کو پکارا۔

"مگر وہ بدستور اپنے کھیل میں مشغول رہی۔ یکسر نظر انداز کیے ہوئے تھی اسے ناراضگی مجھ سے ہے اللہ کے رزق سے تو نہیں۔" اس نے روٹیوں کی چنگیر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا اور اس کے سامنے ہوکر بیٹھ گیا۔ مگر یہ کیا وہ تو رو رہی تھی۔

"تم رو رہی ہو؟ میں تو مذاق کررہا تھا تم خواہ مخواہ ناراض ہوجاتی ہو۔ پلیز ناراض نہ ہوا کرو۔ پگلی یوں بھی روتے ہیں بھلا معاف کردو پلیز۔" وہ اس کو منا رہا تھا۔ اسے منانا کب آتا تھا۔ حور نے ہی سکھایا تھا منانا بھی۔

"تم جانتی ہو مجھے منانا نہیں آتا۔ پھر بھی ناراض ہوجاتی ہو۔"

"سب کچھ آتا ہے تمہیں مگر منانا نہیں، اور کبھی تمہیں منانا آئے گا بھی نہیں۔

رندھی ہوئی آواز میں شکوہ خود بخود لبوں پر چلا آیا تھا۔

حور نے سر مزید جھکا لیا تھا اور آنکھوں سے آنسو لڑیوں کی صورت ٹوٹ ٹوٹ کر گرم راکھ میں گر رہے تھے۔

اس کی چھوٹی سی ناک رو رو کر سرخ ہوگئی تھی۔

بہت مصروف لمحوں میں

کبھی اک پل ک سوچو تو
کوئی کتنا اکیلا ہے
کسی کی زندگی تم ہو
کسی کی بندگی تم ہو
کسی کو تیری خواہش ہے
کبھی اک پل کو سوچو تو
تمہاری بے وفائی نے
تمہاری لاپرواہی نے
تمہاری بے نیازی نے
کسی کو مار ڈالا ہے
کوئی زندہ تو ہے لیکن
فقط وہ سانس لیتا ہے
ذرا اک پل کو سوچو
کوئی کتنا اکیلا ہے
کسی کی زندگی صرف تم ہو
کسی کی زندگی صرف تم ہو

"جب جانتے ہو کہ میرے بنا نہیں رہ سکتے پھر کیوں ستاتے ہو۔" اس نے مخمور نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اب نہیں ستاؤں گا۔ میری توبہ اس بار معاف کردو۔" اس نے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے۔ تو وہ ان کو کھولتے ہوئے ہنس پڑی۔

دیکھا ہنستی ہوئی کتنی اچھی لگ رہی ہو۔ یوں ہی ہنستی مسکراتی رہا کرو۔

"میں تم بن کچھ نہیں جانم کچھ بھی نہیں۔ بس تم یوں ہی ناراض ہوجاتی ہو۔ اپنے سونو سے ناراض نہ ہوا کرو پلیز۔"

اور اب وہ دونوں ایسے ناشتہ کرنے لگے تھے۔ جیسا کچھ ہوا ہی نہیں وہ ہمیشہ یوں ہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر روٹھ جایا کرتی تھی اور خواہش کرتی تھی کہ وہ اسے منائے۔ مگر اسے منانا آتا ہی نہیں تھا۔ تو کیسے مناتا اسے۔

ان کا پیار انتہا کی حدوں کو چھو گیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے میں سانس لیتے تھے۔ ایک دوسرے کے دل میں سمائے ہوئے تھے۔ مصطفیٰ کے پیار نے اسے بہت کمزور اور بزدل بنا دیا تھا۔ کہ ذرا سی بات پر رونے بیٹھ جایا کرتی تھی۔ وہ پتھر جیسی لڑکی مٹی کی طرح لمحے میں ڈھیر ہوجایا کرتی تھی۔

☆......☆......☆

"تو پھر کیا سوچا ہے تم نے؟" اس نے سر اٹھا کر اس کے چہرے پر کچھ کھوجنے کی کوشش کی تھی مگر اس کا چہرہ بے تاثر ہی رہا۔ لبوں کی تراش میں ہلکی سی جنبش ہوئی اور پھر بند کلی کی طرح ایک دوسرے میں ہوگئے۔

"مصطفیٰ عرفان احمد کیوں مجھے ذلیل کرنے پر تلے ہو۔ کیوں تائی جان کی نظروں میں گرا دینا چاہتے ہو، ان کے نزدیک تو پہلے ہی ہماری کوئی عزت نہیں ہے۔ کم از کم اتنا مان تو رہنے دو میرا میری خواہش رضا کے بغیر کچھ نہیں کروگے تم۔ زندگی کے راستے میں اتنی دشواریاں کھڑی نہ کرو کہ چلنے کی کوشش میں پاؤں لہولہان ہوجائیں۔"

"تمہاری زندگی کی دشواریوں کی تو ہی چننا چاہتا ہوں۔ تمہیں گرنے سے پہلے اٹھانا چاہتا ہوں، تمہیں اپنی سائبانی میں ہی تو لینا چاہتا ہوں، تمہارے آنچل تمہاری عزت ہی تو میری زندگی ہے۔ میں تمہیں رسوا کرسکتا ہوں بھلا۔ اتنا فضول کیوں سوچا۔ میں تمہیں وہ مقام دینا چاہتا ہوں جو چچی جان کو نہیں مل سکا۔ زندگی کی اس سفر میں مجھے اپنے حصے کا دیا ہی نہیں جلانا بلکہ تمہاری ہتھیلی کا چراغ بھی تند و تیز ہواؤں ہواؤں سے بچانا ہے۔ میری محبتیں صرف تمہارے لیے ہیں کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ کوئی اسمیں حصہ دار بنے۔"

"یہ زندگی کا سفر لاحاصل ہے پھر تم کیوں لاحاصل سفر کا حصہ بننا چاہتے ہو۔" اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں اور لہجہ ٹوٹ رہا تھا۔ اس نے کپکپاتے کو سختی سے دانتوں تلے داب لیا تھا۔

"میں تمہیں کسی بھی صورت میں گنوانا نہیں چاہتا چاہے کچھ بھی ہوجائے۔ تم میری زندگی کا حاصل

www.pkdigest.com

ہو۔ بس تم میرا ساتھ دو پلیز۔"

"میں اس سفر میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا مصطفیٰ عرفان محبتیں ہمیشہ اعزاز کے ساتھ ملتی ہی اچھی لگتی ہیں خیرات یا بھیک میں نہیں اگر تائی جان رضامند نہیں تو تم کوئی بھی ایسا قدم نہیں اٹھا سکتے اور میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گی اور آئندہ مجھ سے یہ توقع مت رکھنا۔"

"ہم صرف نکاح کریں گے رخصتی ان کی مرضی سے ہی طے پائے گی۔" اس نے حور کو سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ کچھ سننے کو تیار ہی نہیں تھی۔

نکاح ہی کر لیا تو پھر باقی رہ کیا جائے گا۔ اگر وہ رضامند نہیں تو تم انہیں راضی کرنے کی کوشش کرو یا پھر یہ خیال دل سے نکال دو کہ ہم کبھی ایک ہو سکتے ہیں۔" رو دی تھی اور پھر تھوڑے وقفے بعد بولی تھی۔

"میں نہیں چاہتی جو ہاتھ ہمارے لیے دعا کرتے ہیں وہ بددعا کرنے لگیں۔ مجھے بددعاؤں سے بہت ڈر لگتا ہے میں دعاؤں میں رہنا چاہتی ہوں محرومیوں کا سودا نہیں کرنا چاہتی۔ ماں کی ناراضگی تائی جان کی بددعائیں محبتوں سے محرومیاں مجھ سے جینے کا حوصلہ چھین لیں گی اور آگے کا مستقبل کیا ہوگا.....؟ محبت کے بغیر جی سکتی ہوں۔ ٹوٹے دل کی چیاں چن سکتی ہوں، بکھرے وجود کو سمیٹ سکتی ہوں۔ لیکن محرومیوں کے ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتی۔" یہ کہتے وہ بہت دکھی ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کی گہرائی میں بڑی مدھم سی اداسی تھی اور جدائی کا کرب ہلکورے لے رہا تھا۔

"او کے رو مت وہ ہی ہوگا جو تم کہو گی۔ تمہاری مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوگا۔ تم جانتی ہو میں اتنا سنگدل نہیں کہ اپنی جانم کو یوں رونے بلکنے کے لیے تنہا چھوڑ دوں۔ ہم ایک تھے ایک میں اور ایک ہی رہیں گے۔ اب خاموش ہو جاؤ پلیز۔" وہ حور کے آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولا۔

"اب تو مسکرا دو پلیز۔"

وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرا دی تھی۔ وہ اس کی بات کیسے ٹال سکتی تھی بھلا۔ وہ ہی تو تھا اس کی محبتوں کا پاسبان اس کی چاہتوں کی نگہبانی تو وہ چاہتی، اس کی پناہوں میں ہی تو اس کا گھر اس کی جنت تھی۔

وہ اس کے شانے پر سر رکھ کر پلکیں موندگی تھی۔ اس کی بانہوں کے حصار میں خود کو بہت محفوظ محسوس کر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

کھلے صحن میں مدہوش کر دینے والی شوخ و چنچل سی رات، سرِ شام ہی اتر آئی تھی۔ سرمست ہوا میں بھی پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ کھلے آسمان تلے، کھلے، دالان میں، کھلی فضا میں رچی مہک نتھنوں کے ذریعے سانسوں میں اتر رہی تھی۔ بر آمدے کے ستون سے لپٹی گلوبیل عجیب بہار دکھا رہی تھی اور سامنے دیوار پر پھیلی گلاب کی لڑیوں کی بیل اور پھول انتہائی خوبصورت اور انتہائی دلکش منظر پیش کر رہے تھے۔ مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو مدہوش کیے جا رہی تھی۔

سیاہ آسمان پر چمکتا چاند ان چاروں نفوس کے چہروں اور دالان کی خوبصورتی میں چار چاند لگا رہا تھا اور اس حسین امتزاج پر شرما بھی گیا تھا۔

مصطفیٰ کے لبوں پر ایک محبت سے بھرپور شریر سی مسکراہٹ ابھری تھی۔ آنگن میں مسکراتا چاند آسمان کے چاند سے کہیں زیادہ دلکش معلوم ہو رہا تھا۔ تبھی تو وہ حور کو دل دے بیٹھا تھا۔

محبتوں سے چور لہجے میں جب وہ اسے پکارتا تھا تو اس کی سانسیں رکنے لگتی تھیں۔ اس پل اس ساعت میں واقعی ہی ایسا محسوس ہوتا تھا دنیا پر اس کی ایک جنت تعمیر ہو گئی ہے اور دونوں اس جنت کے مالک ہوں۔ یہ منظر اتنا دل افروز ہوتا تھا کہ وہ سب کچھ بھول جاتی تھی۔ ایسی ہی کسی سوچ پر وہ اب بھی مسکرا رہی تھی۔

"کسی یاد پر مسکرا رہی ہو، کچھ ہم سے بھی شیئر کرو۔ ہم بھی تو سنیں ہماری جانم کے لبوں پر کس

سوچ نے شرمیلی و دلکش سی مسکراہٹ بکھیر دی ہے۔" وہ اس کے قریب آ کر دھیرے سے بولا تھا۔

"میں سوچ رہی ہوں ایک چاند آسمان پر مسکرا رہا ہے اور دوسرا چاند دل کی سرزمین پر۔ دل میں میٹھی میٹھی چٹکیاں بھرتا ہوا گدگدا رہا ہے اور جذبوں میں ہلچل مچاتا ہوا گداز پیدا کر رہا ہے۔" ایک بار پھر اس کے لبوں پر ایک بے اختیار ہی پیار بھری شریر سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"یاد ہے سونو اسی ہی ایک حسین و دلکش رات میں چاند اور بادلوں کی آنکھ مچولی دیکھنے میں محو تھی اور تم نے۔"

"نہیں مجھے یاد نہیں تم بتاؤ۔" اس نے بہت پیار سے اس کی زلف کو اپنی انگلی پر لپیٹتے ہوئے کہا۔

مگر وہ اس وقت اس یاد میں اتنی محو تھی کہ اس شریر مسکراہٹ بھی نہ دیکھ سکی تھی کہ اس کی آنکھیں شرارت کے موڈ میں ہیں۔ اسے سب یاد ہے مگر وہ اس کی زبانی سننا چاہتا ہے یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اپنے پیار کی کوئی بات بھول جائے ناممکن وہ سب کچھ بھول سکتا تھا مگر حور سے متعلق کوئی یاد کبھی نہیں فراموش کر سکتا تھا۔

سیاہ تاروں بھرے آنچل پر دمکتے مسکراتے تارے بہت بھلے معلوم دکھائی دے رہے تھے۔ چاند کبھی بادلوں کی اوٹ میں چھپ جاتا اور کبھی بادلوں کی اوٹ میں چھپ کر مسکرانے لگتا۔ چاند اور بادلوں کی اوٹ کی آنکھ مچولی کا کھیل جاری تھا۔ وہ اس شرارت پر مسکراتے ہوئے اس کھیل کو دیکھنے میں اتنی محو تھی اسے احساس نہ ہوا فضا میں خنکی بڑھتی جا رہی ہے۔ جب سرد ہوا کا جھونکا چہرے سے ٹکرایا تو وجود کے اندر ایک سرد سی لہر دوڑ گئی۔ اس نے دونوں بازوؤں کو سینے کے گرد لپٹ لیا۔ اسے غیر معمولی احساس ہوا کسی نے بہت دھیرے سے اس کی شانوں پر گرم شال ڈال دی تھی۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا تھا تو مصطفیٰ کے اس کے بہت قریب کھڑا تھا۔

"یاد ہے اس وقت میں نے کیا کہا تھا۔" میں نے کہا تھا۔

"میں جانتا تھا کہ آج تم ساری رات یہیں کھڑے گزار دو گی مگر اندر نہیں جاؤ گی کیونکہ چاندنی راتوں سے تو عشق ہے تم کو اسی لیے لاؤنج میں تمہیں نا پا کر باہر آیا تھا۔" اور اسی وقت مما کمرے سے باہر نکلی تھیں اور ان پر وہ آشکار ہو گیا تھا جو وہ جانتی تو تھیں مگر شک میں تھیں۔ اس روز یقین کی مہر ان کے شک پر ثبت ہو گئی تھی۔

"تمہیں سب یاد ہے۔" اس نے غصے سے گھورا تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے مجھے یاد نہ ہو۔" وہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔

"تم انتہا درجے کے چالاک انسان ہو۔"

"جیسا بھی ہوں تمہارا ہی ہوں۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔" وہ شریر اندر میں سے اس کی طرف بڑھا تھا۔

"ابھی پتہ چل جاتا ہے سچ اور جھوٹ کا۔" وہ اس کی طرف بڑھا تھا مگر اس سے پہلے وہ اس کی گرفت سے نکل گئی تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی اندر کی طرف بڑھی اور وہ چچی جان کے برابر والی چارپائی پر آ کر لیٹ گیا تھا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی مگر دل میں عجیب سی ہلچل مچی ہوئی تھی اور لبوں پر بڑی شریر سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی تھی۔ بہت ہی دل فریب مسکراہٹ۔

☆.....☆.....☆

"آپ لوگوں کو آدھی رات کو بھی چین نہیں ہے۔" آمنہ نے مصطفیٰ کو ہلکی سی سرزنش کی تھی۔ وہ اس سے بہت پیار کرتی تھی اور یہ بھی اسے اپنی بہنوں کی طرح چاہتا تھا اس کا خیال رکھتا تھا۔ حور کے حوالے سے آمنہ اسے اور بھی پیاری ہو گئی تھی۔

"بس ایک بلی آ گئی تھی اس نے بہت پریشان کیا۔" مصطفیٰ نے آنکھ دبا کر حور کو دیکھا تھا۔

www.pkdigest.com

"ایسے موقوں پر رونا پر آہی جاتا ہے اور پھر ابو بہت یاد آتے ہیں۔ اگر وہ ہوتے تو ہم بھی....."

"تم لوگ آج بھی خاندان سے جڑے ہو۔" اسی خاندان کا خون ہو جو میری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ بس ذرا بدگمانیاں، غلط فہمیاں ہیں۔ جلد ہی وہ بھی دور ہو جائیں گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر ہم سب ایک ساتھ گے ہنستی مسکراتی زندگی گزاریں گے سب غم بھول جائیں گے خوشیوں کی سوغات ہمارا سواگت کرنے کی فکر کیوں کرتی ہو۔ جلدی غم کے بادل چھٹنے والے ہیں۔" اس نے آمنہ کو اپنے ساتھ لگا کر پیار کرتے ہوئے تسلی دی تھی۔ ورنہ ایسی کوئی امید اسے نظر نہیں آرہی تھی۔ لیکن وہ ناامید نہیں تھا۔ ایک دن وہ ہی ہونا تھا جو وہ سوچ رہا تھا۔ اسے اپنے خدا پورا یقین تھا۔

"ارے چچی جان یہ پاگل سی آمنہ بظاہر لاپرواہ نظر آنے والی کتنی گہری باتیں کرتی ہے۔ نجانے کیا کچھ سوچتی رہتی ہے۔ اپنے ننھے سے دماغ پر بوجھ ڈال کر پریشان ہوتی رہتی ہے۔ سوچنا چھوڑ دو میری جان سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس نے آمنہ کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے ہنس کر کہا تھا۔

"چچی جان مجھے دادی جان نے بھیجا ہے خاص طور سے آپ سے کو لینے کیا اب بھی آپ جانے سے انکار کر دیں گی؟"

"ارے میری جان مجھے تو تمہارے ساتھ جانے پر بھی کوئی اعتراض نہیں تھا اب تو امی جان کا حکم ہے بھلا کیسے حکم عدولی کر سکتی ہوں۔" انہوں نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھ کر کہا تھا۔ وہ تیاری کے خیال سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ کیونکہ کچھ دیر میں ہی انہیں نکلنا تھا۔

☆.....☆.....☆

"جب وہ لوگ وہاں پہنچے تو شادی کا سا سماں تھا۔ گھر کے بڑے سے لان میں تیاری ہو رہی تھیں۔ گھر کو لائٹس اور پھولوں سے ڈیکوریٹ کیا جا رہا تھا۔ نامکمل تیاریاں بھی بہت خوبصورت دکھائی دے رہی تھیں۔

جب وہ لوگ پہنچے تھے کس نے خوشی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ عام سے انداز میں مل کر سب اپنے اپنے کاموں اور ایک دوسرے کے ساتھ خوش گپیوں میں معروف ہو گئے تھے۔

"ہاں اس گھر میں صرف ایک فرد تھا جس نے پرزور استقبال کیا تھا ان لوگوں کا اور وہ وجود تھا بوڑھی اور مجبور دادی جان کا۔ وہ اپنی پوتیوں کو لو گلے لگا کر رو پڑی تھیں۔ ان کے وجود سے انہیں اپنے محروم بیٹے کی خوشبو آرہی تھی۔ بہو عذرا کو تو گلے لگا کر تڑپ ہی گئی تھیں۔ اگر مصطفیٰ آکر ان کو الگ نہ کرتا تو شاید کتنی دیر یہ مشغلہ جاری رہتا۔

عذرا نے ساس کو لٹایا اور ان کے ٹانگیں دبانے لگیں۔ جبکہ وہ دونوں ان کے اردگرد بیٹھی تھیں۔ ان کے جھریوں والے چہرے پر روشنی سی چمکنے لگی تھی۔ وہ بار بار ان دونوں کے ہاتھوں کو چوم رہی تھیں۔

مصطفیٰ کے کہنے پر ملازمہ لوازمات سے بھری ٹرالی ٹیکر اندر داخل ہوئی تھی۔ وہ ابھی چائے بنا کر دے ہی رہا تھا کہ اس کو کسی نے آواز دی تھی۔ وہ اس کی ساتھ باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

وہ سفید شفون کے سوٹ میں آسمان سے اتری کوئی حور لگ رہی تھی۔ وہ ان سب کے درمیان سب سے الگ تھلگ نظر آرہی تھی۔

مہمان تقریباً آچکے تھے وہ بھی دادی جان کے کہنے تیار ہو کر باہر لان میں چلی آئی تھیں۔ کیونکہ دادی جان ان کے ہمراہ ہی باہر آئی تھیں۔ وہ ان سے لوگوں کے درمیان ایزی فیل نہیں کر رہی تھیں۔ کیونکہ ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ کسی نے ایک نظر بھی ان پر ڈالنا گوارا نہیں کی تھی۔ دادی جان ان کی کیفیت سمجھ گئی تھیں مگر مجبور تھیں کیا کر سکتی تھیں۔

فنکشن شروع ہو چکا تھا جب مصطفیٰ کی ایک جھلک نظر آئی تھی۔ وہ ابھی تک اسی حلیے میں پھر رہا

تھا۔

"اوہ آج تو بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔ بالکل آسمان سے اتری حور کی طرح۔" اس نے حور کو گہری نگاہوں میں سموتے ہوئے کہا۔

"اور میں نظر ہی نہیں آئی آپ کو؟" آمنہ نے منہ بسور کر کہا تھا۔

"ارے تم تو ہماری جان ہو گڑیا۔ ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔" وہ بمشکل پانچ منٹ بھی ان کے پاس کھڑا نہیں ہوا تھا کہ تائی جان کی نظر اس پر پڑی تھی اور دور سے ہی اسے پکارا تھا۔ وہ انہیں ابھی آتا ہوں کہہ کر گیا تھا اور پھر تائی جان نے اس کو اتنا مصروف رکھا کہ وہ بمشکل تیار ہو کر آیا تھا۔

وہ سیاہ ڈنر سوٹ میں بہت ہی خوبصورت دکھائی رہے رہا تھا۔ نکھرا نکھرا چہرہ تازہ شیو اور آفٹر شیو لوشن اور کو اس کی مہک حور کے وجود پر چھا سی گئی تھی۔ وہ اس کے قریب آکر کھڑا ہوا اور کب احسن نے موبائل میں ان کی تصویر قید کر لی۔ وہ بے خبر رہی۔ وہ حیران ضروری ہوئی تھی کہ وہ اس کے قریب یوں کیوں آکر کھڑا ہو گیا۔

فنکشن تو بہت دیر تک جاری رہنا تھا۔ عذرا بیگم زوہا کو گفٹ دے کر اسٹیج سے اتر آئی تھی اور تمنا بیگم نے انہیں آتا دیکھ کر رخ پھر لیا تھا اور مصطفیٰ نے اس بات کا بہت اچھی طرح جائزہ لیا تھا۔

پھر وہ تینوں دادی جان کے ساتھ ان کے کمرے میں آگئی تھیں اور کھانا بھی وہیں کھایا تھا۔ وہ باتیں کرتی رہیں۔ اور نجانے کب نیند کی وادیوں میں کھو گئی تھیں۔ جب ان کی آنکھ کھلی تو تمام گھر خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا کیونکہ وہ صبح گئے کہیں سوئے تھے۔ عذرا بیگم نے ساس جانے کی اجازت طلب کی تو ان کی بوڑھی آنکھیں برس پڑی تھیں۔

"مجھے معاف کر دینا بچوں میں تم لوگوں کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکی۔ ہاں مگر وہاں سے آنے کی تیاری کرو۔ میں عرفان سے بات کروں گی کہ افتخار کا پورشن تم لوگوں کو واپس کر دے تم اپنے پورشن میں آکر رہو تمہارا گھر ہے اسے سنبھالو۔ اب میں اپنے بچوں سے بالکل دور نہیں رہ سکتی کیونکہ حور تو بالکل ہی افتخار کا عکس ہے۔ وہ ہی آنکھیں وہ ہی چہرہ اور چلنے کا طریقہ بھی وہ ہی۔ بس اب میں دور نہیں رہ سکتی اپنے جگر کے ٹکڑوں سے۔" انہوں نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

"جیسے آپکا حکم۔" عذرا بیگم نے سعادت مندی سے سر جھکا دیا تھا۔

اور بوڑھی جان میں جیسے زندگی دوڑنے لگی تھی۔ پھر سے جی اٹھی تھیں۔

☆.....☆.....☆

وہ اپنے گھر آکر بہت خوش و مطمئن تھیں مگر گاؤں چھوڑ کر آتے ہوئے بھی بہت غمزدہ اور اداس تھیں۔ کتنا عرصہ وہاں گزارا تھا۔ مگر اب ایکبار پھر سفر کرنا پڑ گیا تھا۔ لیکن اب کا سفر اپنے اصلی گھر کا تھا۔ جس میں ان کے باپ کی خوشبو رچی بسی تھی۔ ان کا بچپن گزرا تھا۔

اب مصطفیٰ کا آدھا وقت ان کی طرف گزرا تا تھا۔ وہ بہت خوش تھا کہ اس کے دل کا چین اب اس کی نظروں کے حصار میں رہتا ہے۔ اس کی زندگی اس کے قریب رہ کر سانس لے رہی ہے۔

اور یہ ہی بات تمنا بیگم کو آگ لگانے کے لئے کافی تھی۔ وہ کبھی ان اس گھر میں انہیں نہ آنے دیتیں۔ مگر اس بار عرفان احمد نے بھی ماں کی لاج رکھ لی تھی۔ بیگم کی بات اگنور کر دی تھی۔ اس وقت سے ہی وہ اندر ہی پلان بنا رہی تھیں مگر کوئی سرا ہاتھ نہیں آرہا تھا۔ لیکن ایک دن ان کو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع دے دیا تھا۔

"چاہے کچھ بھی ہو مجھے شادی حور سے ہی کرنا ہے۔ ورنہ کبھی بھی کسی بھی نہیں کروں گا۔ بس اسی سے شادی کرنی ہے مجھے چاہے کچھ بھی ہو۔" وہ اپنی ضد پر اڑ گیا تھا اور یہ بھی بھول گیا تھا کہ مدمقابل ماں ہے۔

www.pkdigest.com

"میں بھی دیکھتی ہوں تم کیسے اس دو ٹکے کی چھوکری کو میری بہو بناتے ہو۔ اس کی ماں بھی سب کی مرضی کے بغیر آئی تھی وہ ہی بیٹی کر رہی ہے مگر میں اس کی بیٹی کو اس گھر میں نہیں آنے دوں گی چاہے کچھ بھی ہو۔ وہ میرے ہوتے ہوئے اس گھر میں نہیں آسکتی۔"

"صرف اور صرف حور ہی آپ کی بہو بنے گی یہ تو طے ہے۔" مصطفیٰ پھر بولا

"کبھی نہیں کبھی نہیں وہ چلائی تھیں۔"

"دادی جان میں کہہ رہا ہوں حور ہی آپ کے پوتے کی دلہن بنے گی۔" وہ دادی کے قدموں میں بیٹھ کر بہت لاچار و بے بس سے انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ آپ کے پوتے کی زندگی ہے۔ وہ ہی میری ساتھی ہے، شریک سفر وہ ہی بنے گی۔ جو میرے اندر سانس لیتی ہے۔

"میری مرضی کے بغیر وہ اس گھر میں قدم بھی نہیں رکھ سکتی۔" تمنا بیگم چلائی تھی۔

"میں کہہ رہا ہوں نہ وہ اس گھر میں آئے گی، اس گھر کی بہو وہ ہی بنے گی وہ میری بیوی بنے گی۔" پھر وہ دادی جان کے قدموں سے اٹھا تھا اور غصے میں گھر سے نکل گیا تھا۔ اگلا قدم عذرا بیگم کے گھر کی طرف تھا۔ وہ سیدھا حور کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ چچی جان اور آمنہ کہیں نظر نہیں آرہی تھیں۔

"حور۔" وہ یکدم ہی چلایا تھا۔

"وہ کچن سے نکل کر اس کے سامنے آئی تھی۔ بیسن سے اس کے ہاتھ بھرے ہوئے تھے۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی پکڑی تھی اور گیٹ کی طرف بڑھا تھا۔

"کہاں کہاں لے جا رہے ہو۔" وہ روہانسی ہوگئی تھی۔

"تم میرے ساتھ چلو۔" اس نے ڈپٹ کر کہا تھا۔

"کہاں لے جا رہے ہو اسے؟" پیچھے سے چچی جان کی آواز بھری تھی۔

"کچھ بھی آتا ہوں آپ فکر نہ کریں۔" اس نے پہلے کہ وہ اس کو جا کر پکڑتیں وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اسے اندر دھکیل تھا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی ہوا کے دوش پر اڑا لے گیا۔

"تم کہاں لے جا رہے ہو مجھے؟" وہ رو دی تھی۔

"کہا نہیں جاؤں تمہیں۔ چپ کر کے بیٹھی رہو۔" اور پھر وہ سب کچھ ہو گیا جو وہ نہیں چاہتی تھی۔ اس ستمگر نے سارا جملہ حقوق اپنے نام لکھوا لیے تھے۔ اس ساری کاروائی میں صرف ایک گھنٹہ لگا تھا۔

"یہ، یہ کیا کر دیا مصطفیٰ تم نے کیا کر دیا۔" وہ تڑپ رہی تھی۔

"مجھے سب کی نظروں میں گرا دیا۔ کیا کہیں گے لوگ میرے بارے میں، کیا کہیں گے، کیا سوچیں گے یہ تم نے کیا کر دیا۔" اسٹیرنگ پر رکھے اس کے ہاتھوں پر مکے مارتے ہوئے اس نے ساری تلخی اگل دی تھی۔ مگر وہ ہر احساس سے عاری، بے حس بنا بیٹھا تھا۔ اسے گھر کے گیٹ کے سامنے اتار کر خود گاڑی بھگا لے گیا تھا۔

وہ سیدھی اندر کی طرف بھاگی تھی اور دروازہ بند کر کے بکھر گئی تھی۔ ایک عزت نفس ہی تو تھی اس کے پاس وہ بھی نہیں رہی تھی۔

عذرا بیگم اور آمنہ نے سنا تو ہکا بکا سی کھڑی رہ گئی تھیں۔ رات گے وہ گھر آیا تھا اور اب دادی جان کے قدموں میں بیٹھا اپنے جرم کا اعتراف کر رہا تھا۔

"یہ کیا کر دیا تم نے، اس کی زندگی کے دروازے اس پر تنگ کر دیئے۔ وہ تو پہلے ہی بہت دشوار ترین زندگی گزار رہی ہیں اور تم نے نکاح کر کے زندگی کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ اب کیا ہوگا۔"

"میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بس مجھ سے غصے میں ہو گیا سب۔"

"صرف نکاح کیا ہے اور کچھ نہیں ہوا۔" اس نے سر جھکا لیا تھا ندامت نے اسے آگھیرا تھا۔ وہ اپنی نظروں میں گر گیا تھا۔

اور اب اسے احساس ہوا تھا کہ حور سے کیسے کیسے سوال نہیں کیے جائیں گے۔ کون کون یقین کرے گا اس کی بات کا۔ وہ ان کی گود میں سر رکھ رو پڑا تھا۔ جو ہوتا تھا وہ ہو چکا تھا اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

"مجھے دنیا کی پرواہ نہیں ہے میں جانتا ہوں وہ کیسی ہے۔"

"آپ سب کو بتا دینا۔" وہ ان کی گود سے سر اٹھا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں آکر بند ہو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

دونوں گھروں میں زندلہ سا آگیا تھا۔ تمنا بیگم کا بس نہیں چل رہا تھا۔ کہ وہ حور کا گلہ دبا دیں۔ وہ مصطفیٰ سے بھی ناراض تھیں۔ اس سے بول چال بند تھی اور اپنے کمرے میں گوشہ نشین تھیں۔

ادھر حور نے رو رو کر برا حال کر رکھا تھا اپنا عذرا بیگم اور آمنہ نے بہت منت سماجت کی تھی اس کی مگر اس نے ایک لقمہ نہ توڑا تھا۔ مصطفیٰ تو اس گھر کا راستہ ہی بھول گیا تھا۔ وہ نظریں ملانے کے قابل نہیں رہا تھا کسی سے بھی۔

آج کتنے دنوں بعد دادی جان نے آنے کا حوصلہ کیا تھا اس طرف وہ مصطفیٰ کو ساتھ لے کر آئی تھیں۔ عذرا بیگم ساس کے سامنے کیا بول سکتی تھیں۔ بس رو دی تھیں۔

"تم فکر نہ کرو بہو حور کو وہ مقام ملے گا اس گھر میں جو تمہیں نہیں مل سکا۔ بچہ ہے نادانی کر بیٹھا اس نادانی کو سنبھالنا جانتا ہے اچھی طرح یہ سب کچھ تمنا کی وجہ سے ہی ہوا ہے۔ اگر وہ مان جاتی اس کو طیش نہ دلاتی تو کبھی یہ قدم نہ اٹھاتا۔ ہم سب جانتے ہیں کچھ بھی تو غلط نہیں ہوا۔ میں نے سب پوچھا ہے اس سے بس اب میں حور کی رخصت کروانے کے ارادے سے آئی ہوں۔ تمہاری اجازت ہو تو....."

آپ کے ہوتے ہوئے میری اجازت کی ضرورت ہے آپ کو آپ کی پوتی ہے جب چاہیں اپنے گھر لے جائیں اپنی امانت کو۔"

"مجھے تم سے یہی امید تھی بہو کاش تمنا بھی میری بات سمجھنے کی کوشش کرے مگر وہ تو خود کو بجانے کیا سمجھتی ہے کہ کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتی۔"

"آمنہ نے سب بتایا تھا مجھے مگر مجھ میں حوصلہ نہیں تھا حور کا سامنا کرنے کا۔ مصطفیٰ تم جاؤ حور کے پاس بعد میں جاؤں گی میں اس پاس۔" وہ سر جھکائے بیٹھا تھا اور پھر جیسے ہی انہوں نے اجازت دی وہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حور کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔

وہ ہلکی سی دستک دے کر اندر داخل ہوا تھا۔ وہ دوپٹے سے بے نیاز لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔ چند دنوں میں ہی اس کا چہرہ مرجھا گیا تھا۔ سرسوں کے پھول کی طرح زرد ہو رہا تھا۔ سیاہ سادہ سوٹ اور اس پر بنے زرد سرسوں کے پھول وہ اسی زرد پھول کا ایک حصہ دکھائی دے رہی تھی۔

"حور۔" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔

وہ اس کو اپنے کمرے میں اور اپنے قریب بیٹھتا دیکھ کر اٹھ بیٹھی تھی۔ دوپٹے کی تلاش میں اس نے نظریں ادھر ادھر دوڑائیں تھیں۔ دوپٹہ صوفے پر پڑا اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ اس نے خود میں سمٹتے ہوئے گھٹنوں کے گرد بازو حمائل کر لیے تھے۔ مصطفیٰ کے لبوں پر بے اختیار ہی شریر سی مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ اس نے صوفے سے اس کا دوپٹہ اٹھا کر اس کے شانوں پر ڈال دیا تھا اور اس کے بالوں کو ابھی اس کی انگلیاں چھو ہی ہوئی تھیں کہ وہ ایک جھٹکے سے پیچھے کی طرف ہوئی تھی۔

"حور مجھے معاف کر دو پلیز، مجھے معاف کر دو، یہ سب تمہاری محبت میں ہوا ہے۔ کوئی تمہیں مجھ سے دور کرے میں یہ برداشت نہیں کر سکا اور پھر وہ سب ہو گیا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ اب مان جاؤ پلیز۔ تم جانتی ہو کہ مجھے منانا نہیں آتا۔" اس نے حور کے شانے پر اپنا بھاری مضبوط ہاتھ رکھ دیا۔ جو کو یوں لگا جیسے کرنٹ کی ایک لہر اس کے بدن میں روڑ

www.pkdigest.com

کر گئی ہو۔

"مت چھوؤ مجھے۔" وہ عزائی تھی۔

"حور پلیز میں کہہ رہا ہوں نا یہ سب۔"

"نہیں چاہیے مجھے ایسی محبت، سب جھوٹ ہے دھوکہ ہے دھوکہ دیا ہے تم نے مجھے۔" وہ بلک پڑی تھی۔

"میں نے تمہیں دھوکہ نہیں دیا کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ اپنی زندگی بنایا ہے تمہیں ہاں بس انداز ذرا غلط "ہیرو" والا اپنا لیا تھا مگر میں مجبور ہو گیا تھا۔ بہت مجبور ہو گیا تھا تمہاری محبت مجھے دن بدن کمزور کر رہی تھی۔" اس نے حور کو خود سے قریب کر کے اپنے جرم کا اعتراف کیا تھا اور وہ اس کے سینے سے لگ کر بلک پڑی تھی۔ جس شدت سے اسے نفرت محسوس ہو رہی تھی اسی کی پناہوں میں پناہ بھی لینا چاہتی تھی۔ مگر یہ نہیں تھا کہ وہ اس بات کو بھول گی تھی۔ ہاں مگر دل کا غبار دھل گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

رضامند تو کوئی بھی نہیں تھا مگر قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ اب عرفان احمد ماں کی بات کوئی بات نہیں ٹالتے تھے۔ انہوں نے تمنا بیگم کی ایک نہ سنی اور حور کو فیملی کے چند لوگوں کے ہمراہ اسے رخصت کرا لائے تھے۔ بیٹوں نے پاپا کا ساتھ دے دیا تھا چاہیے بے دلی سے ہی لیکن تمنا بیگم کمرہ نشین ہو گئی تھیں اس بار عرفان نے بھی بیگم کی پرواہ نہیں کی تھی۔ مرحوم بھائی کی نشانی وہ اپنے گھر لے آئے تھے۔ انہوں نے حور کو سینے سے لگایا تو وہ بلک پڑی۔ کیونکہ اسے ان کے وجود سے اپنے ابو کی مہک آ رہی تھی۔

زوہاں اس کو مصطفیٰ کے کمرے میں چھوڑ گئی تھی اور پھر آ کر اس کی خیر خبر نہیں لی تھی۔ وہ بیٹھی رو رہی تھی۔ اپنی بے عزتی پر اپنی عزت نفس کے کچلے جانے پر نجانے وہ کب تک روتی رہتی اس کے چھوٹے چچا کی بیٹی عائشہ اس کی کمرے میں ہلکی سی دستک کے ساتھ داخل ہوئی تھی۔

"حور آپی پلیز روئیں مت۔ آپ تو بہت خوش قسمت ہیں کہ مصطفیٰ بھائی جیسا انسان آپ کا ہمسفر ہے۔ وہ بہت چاہتے ہیں آپ کو اگر وہ یہ قدم نہ اٹھاتے تو تائی جان کبھی آپ کو اس گھر کی بہو نہ بناتیں۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس آپ مصطفیٰ بھائی کا ساتھ دیجئے گا۔ اب رونا بس کریں اور خوش دلی سے ان کا انتظار کریں وہ آپ کو کتنا چاہتے ہیں آج اندازہ ہو جائے گا بس آپ ان کا ساتھ دیجئے گا۔ یہ کھانا رکھا ہے مصطفیٰ بھائی بھی آنے والے ہیں کھا لیجئے گا۔ امی بھیجا ہے۔" وہ جانے کو مڑی تھی کہ کچھ یاد آنے پر پھر اس کی طرف پلٹی تھی۔

"جلدی جلدی میں، احسن اور میں اتنا ہی کر سکے ہیں کمرہ کی سجاوٹ۔ اس کو ہی غنیمت سمجھتے ہوئے گزارہ کر لیجئے گا۔" وہ شرارت سے اسے دیکھتی ہوئی دروازے سے باہر نکل گئی تھی۔ وہ شرارت سے اسے دیکھتی ہوئی دروازے سے باہر نکل گئی تھی۔

اس کے جانے چند لمحوں بعد ہی مصطفیٰ کمرے میں داخل ہوا تھا۔ حور نے اسے دیکھ کر رخ پھیر لیا تھا۔

"حور اس نے شدتوں سے لہجے میں پکارا تھا۔

مگر وہ اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی۔ وہ اس کی طرف بڑھا تھا۔ وہ کھسک کر پیچھے ہو گئی تھی۔

"میرے قریب مت آنا ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ میری مرضی کے بغیر تم مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔ آئی ہیٹ یو، آئی ہیٹ لو۔" وہ آہستہ مگر پوری طاقت سے چلائی تھی۔ اس کی نفرت کا اظہار ایک ایک انداز سے ہو رہا تھا۔ عائشہ اسے کیا سمجھا کے گئی تھی وہ سب بھول گئی تھی۔ اسے اپنے سامنے دیکھ کر نفرت عود کر آئی تھی۔

اور مصطفیٰ اسی رویے سلوک کی توقع رکھتا تھا اس سے کیونکہ وہ جانتا تھا ایسا ہوگا۔ اس کے ساتھ اس نے بھی اس کے جذبوں کی تھیں پنچائی تھی۔

"میں تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا تمہاری مرضی کے بغیر لیکن پلیز روؤ تو مت۔" وہ گھٹنوں میں سر رکھ رونے لگی تھی۔

"یہ تمہارا گفٹ ہے، دل چاہے تو پہن لینا تمہاری امانت ہے۔ اگر اجازت دیتی تو خود اپنے ہاتھوں سے تمہارے گلے میں پہناتا مگر اب حالات۔" وہ اس کے قریب ایک میرون کلر کی مخملی ڈبیا رکھ کر صوفے کی طرف بڑھ گیا اور جوتے اتارے بغیر صوفے پر دراز ہو گیا تھا۔

سونے سے پہلے لائٹ آف کر دینا۔ بے فکر ہو کہ سو جاؤ میں تمہارے قریب بھی نہیں آؤں گا اور اٹھ جاؤ کب تک ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی رہو گی۔" وہ اسے دیکھنے بنا آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ گیا تھا۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ آج کے حوالے اس نے کتنے خواب دیکھے تھے۔ کتنے سہانے سپنے بنے تھے مگر سب ادھورے رہ گئے تھے۔

حور نے ایک نظر چپ چاپ لیٹے مصطفیٰ پر ڈالی تھی، اس پل اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ مگر اگلے ہی پل وہ رخ پھیر کر اپنے احساسات کو دبا گئی تھی۔ وہ دھیرے اٹھی تھی اور کپڑے بدل کر کے کروٹ کے پل آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر سسک پڑی تھی۔ تکیہ اس کے آنسوؤں سے بھیگتا جا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

ان کی صبح بہت عام سے انداز میں ہوئی تھی۔ روتے روتے نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی اب آنکھ کھلی دیکھا۔ مصطفیٰ اپنے کپڑے پریس کر رہا تھا۔ اسی مصروف سے انداز میں گردن موڑ کر اس نے حور کو دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور آنکھیں روتے رہنے کی وجہ سے سوجھ گئی تھیں۔ وہ اس حلیے میں بھی بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"اٹھ گئی ہو، اٹھو منہ ہاتھ بھی دھو لو اب شاباش۔"

"مجھ سے بات نہ کرو تم یہی کم ہے کہ میں نے تمہیں رات بھر اپنے کمرے میں برداشت کیا ہے۔" وہ غصے سے پھٹ پڑی تھی۔

اس کے اپنا کمرہ کہنے پر مصطفیٰ کے لبوں کی تراش میں شریر سی مسکراہٹ ابھری تھی اور پھر وہ مسکراہٹ دبا گیا تھا۔

"اگر تم سے نہیں تو کیا دیواروں سے باتیں کروں۔"

"میری بلا سے کسی سے بھی کرو مگر مجھ سے نہیں۔"

"ٹھیک ہے پھر جلنا مت کہ میں لڑکیوں سے باتیں کرتا ہوں۔"

"جلتی ہے میری جوتی۔" خالصتاً بیویوں والے انداز میں کہا تھا۔

"کیوں مجھے صبح ہی صبح بے ایمانی پر اکسا رہی ہو۔" وہ اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا تھا۔

"میں کہہ رہی ہوں میرے قریب مت آنا۔" وہ عزائی تھی۔

"پھر کب قریب آنے دو گی.....؟" وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر رک کر پوچھ رہا تھا۔ اس کا لہجہ شکستہ اور ٹوٹا ہوا تھا۔

"بہت اچھے طریقے سے لائے ہو نہ مجھے کہ میں تمہیں....." آنسوؤں نے اس کی بات مکمل نہیں ہونے دی تھی۔

"روؤ مت پلیز میں تو مذاق کر رہا تھا اور رہا تمہیں لانے کا، تو میں جس طریقے سے بھی تمہیں لایا ہوں مگر تمہیں اس گھر میں وہ عزت، وہ مقام دلا کر رہوں گا جو میری بیوی، اس گھر کی بہو کا ہے۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔" وہ اسے حوصلہ دے کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ اپنے وعدے کا کچا نہیں ہے بس تھوڑا ٹائم تو لگے گا ہی۔ وہ ایکبار پھر گھٹنوں میں سر دے کر رو دی تھی۔

☆.....☆.....☆

"پھر بہت سارے دن یوں ہی گزر گئے۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے انجان بن گئے تھے۔ جیسے ان کا آپس میں کوئی رشتہ نہ ہو۔ ایک دوسرے کو یکسر نظر انداز کیے ہوئے تھے۔ وہ دن رات کمرے میں قید رہتی۔ اسے کسی کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ کون کیا

www.pkdigest.com

کہتا ہے کیا نہیں۔ وہ اتنے دنوں سے اپنے گھر بھی نہیں گئی تھی۔ دادی جان مصطفیٰ سے اس کی خیر خبر پوچھ لیتی تھی مگر ابھی تک اس کے کمرے میں نہیں گئی تھیں نہ ہی اسے اپنے پاس بلایا تھا کیونکہ گھر کے حالات کافی خراب تھے۔ معمول پر آنے میں تھوڑا ٹائم تو لگنا ہی تھا۔

مصطفیٰ نے اپنی ٹرانسفر پنڈی کرالی تھی تاکہ اس سے روری شاید حور کے دل میں نرم جذبہ پیدا کردے۔ سوائے دادی جان کے کوئی نہیں جانتا تھا کہ ان کے حالات نارمل نہیں ہیں۔

جب مصطفیٰ نے اپنے جانے کا بتایا تو ایک لمحے کے لیے وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ دل میں ہلچل سی ہوئی تھی ایک وہ ہی تو اپنا تھا وہ بھی اسے چھوڑ کر جارہا ہے۔ مگر دوسرے لمحے وہ ہی ضدی لڑکی اس کے اندر عود کر آئی تھی۔ اس نے شانے اچکا کر بظاہر لاپرواہی کا مظاہرہ کیا تھا۔ لیکن اندر سے اس کے دل کو کچھ ہورہا تھا۔

"خوش ہوجاؤ اب کہ میں جارہا ہوں، میری صورت دیکھنے کو نہیں ملے گی تمہیں۔"

"اچھا تو تم چاہتی ہو کہ میں نہ جاؤں۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے حور کے شانوں کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ وہ خوش فہمی میں گھرا اس سے پوچھ رہا تھا۔ وہ اس کے اتنے قریب کھڑا تھا کہ اس اپنے اندر اترتی محسوس ہورہی تھیں اور اس کے بدن سے اٹھی خوشبو اس کے حواس معطل کررہی تھی۔

"جانم بتاؤ تم کیا چاہتی ہو کہ میں نہ جاؤں؟" میں نہیں جاؤں گا مگر تم اپنا فیصلہ بتاؤ۔"

"ہر فیصلہ تمہارا اپنا ہے۔" وہ اس کے ہاتھوں کو شانوں سے ہٹاتے ہوئے بولی۔

"اوکے میں چلا جاؤں گا۔ تم یہی چاہتی ہو۔ مگر پھر تم....." مصطفیٰ نے اس کے کندھوں سے ہاتھ اٹھالیے تھے اور بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے بیگ اٹھا کر کندھے پر ڈال لیا تھا۔

"میں جارہا ہوں، اپنا بہت خیال رکھنا اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا۔" وہ اسے دیکھے بنا کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

حور کی آنکھیں برس پڑی تھیں۔ وہ کب چاہتی تھی کہ وہ اس سے دور جائے۔ بس ایک جھوٹی انا درمیان میں کھڑی ہوئی تھی جسے وہ توڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اگر وہ اسے دکھ دیتی تھی تو خود بھی اتنی ہی دکھی رہتی تھی۔

وہ چلا گیا تھا۔ مگر کمرے میں اپنی خوشبو، اپنی موجودگی کا احساس چھوڑ گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی خالی کمرہ اسے کاٹ کھانے کو دوڑا تھا۔ وہ اس صوفے پر بیٹھ کر سسک پڑی تھی جس پر وہ سوتا تھا۔

"تم، تم کیوں چلے گئے مصطفیٰ میں نازک سی لڑکی بھلا کیا کرسکتی تھی۔ تم ایکبار سے میری جانب بڑھتے تو سہی۔ تم، تم ہی تو ہو صرف میرے اپنے بھلا تمہارے بغیر میں جی سکتی ہوں۔ رہ سکتی ہوں تم بن۔ تم ایکبار بڑھتے تو سہی میری طرف۔" وہ روتے ہوئے بولے جارہی تھی۔ ایک پل میں اس نے مصطفیٰ کی خوشبو کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا تھا۔

"تم نے اس کو اپنے قریب آنے دیا کیا۔ اس کی کوئی بات سنی۔ تم نے اس کو اتنی بری طرح ڈس ہارٹ کیا کہ وہ مڑ کر تمہاری طرف نہ دیکھے۔ وہ تمہاری وجہ سے صرف تمہارے رویے کی وجہ سے اپنی ٹرانسفر کرا کر چلا گیا ہے۔ اب تم رو، تڑپو کچھ بھی کرو وہ تو چلا گیا ہے نا۔" اپنے اندر سے نکلتی آوازوں کو اس نے دبانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اس جگہ پر لیٹ کر رو پڑی تھی جہاں مصطفیٰ سوتا تھا۔ اس کا تکیہ سینے سے لگا کر اس کی مہک اپنے اندر اتار رہی تھی۔ اگر وہ سنگدل اسے یوں تڑپتے دیکھ لیتا تو ایک تو ایک پل بھی ضائع کیے بنا اپنی بانہوں میں بھر لیتا۔

☆.....☆.....☆

ادھر مصطفیٰ کی بھی یہی حالت تھی۔ مگر وہ کیا کرسکتا تھا اس نے اپنی پوری کوشش کی تھی اسے منانے کی مگر وہ سنتی کب تھی اس کی بات اس نے خود کو آنے والے وقت کے سہارے چھوڑ دیا تھا۔ کہ وقت سے

بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں اور وقت نے تو ایک لمحے میں ہی فیصلہ کردیا تھا مگر جھوٹی انا آڑے آرہی تھی۔

اس کے جانے کے بعد حور نے کمرے کی قید سے رہائی حاصل کرلی تھی۔ وہ دادی جان اور تایا جان کے سب کام خود کرنے لگی تھی۔ جبکہ تائی جان اس کو دیکھتے ہی منہ پھیر لیا کرتی تھیں یا پھر اپنے کمرے میں گوشہ نشیں ہوجاتی تھیں۔

وہ اپنی تنہائی سے تنگ آگئی تھی۔ وہ کوئی جاب کرنا چاہتی تھی مگر تایا جان کے اجازت نہیں دی تھی۔ وہ چپ کرگئی تھی۔ اس شمگر نے جا کر ایک بار بھی اس سے بات کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ آج کل زوہا کی شادی کی تیاریاں ہورہی تھیں وہ ان کا ہاتھ بٹانا چاہتی تھی مگر کوئی اسے لفٹ ہی نہیں کراتا تھا۔

اس روز بھی اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں کہ احسن اس کے پاس چلا آیا تھا۔

"حور تم خود کو اس گھر میں تنہا مت سمجھنا۔ تمہارا ایک جوان بھائی اس گھر میں رہتا ہے اور مصطفیٰ کے تو میں کان کھینچوں گا۔ اس سے کوئی شکایت ہے تو مجھے بتاؤ۔"

چھوڑے چچا کے بیٹے احسن نے اسے وہ حق دیا تھا جو کہ ایک بہن کا ہوتا ہے۔ وہ صرف سر اثبات میں ہلا کر بھیگی آنکھوں سے مسکرادی تھی۔ عائشہ اور چھوٹی چچی اسے بھرپور کمپنی دینے کی کوشش کرتی تھیں۔

اس روز وہ دادی جان کی اجازت سے اپنے گھر آگئی تھی اور پھر کتنے دنوں تک اس نے جانے کا نام نہیں لیا تھا۔ یہاں آکر وہ سب بھول گئی تھی۔ دادی جان کے بلاوے پر وہ لوٹ آئی تھی اور تایا جان نے بھی اسے اپنے سینے سے لگا کر کہا تھا۔

"حور بیٹا آئندہ ہمیں یوں چھوڑ کر مت جانا۔ تمہاری عادت ہوگئی ہے ہمیں اور لاچار کرکے رکھ دیا ہے تم نے ہمیں عادتیں بگاڑ دی ہیں ہماری۔ اور اس نالائق کے بھی کان کھینچے پڑیں گے جب سے گیا ہے ایک بار بھی ادھر کا رخ نہیں کیا۔ جیسے رستہ ہی بھول گیا ہے۔" حور خاموشی سے مسکراتی رہی تھی۔ کیا کہہ سکتی تھی۔

"حور بیٹا مجھے معاف کردینا بس تمہاری تائی جان کی باتوں میں آکر زیادتی کر بیٹھا اور اپنے فرض سے غفلت اختیار کی مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ سب ٹھیک ہوجائے گا تم فکر نہ کرو۔"

"پلیز تایا جان ایسے نہ کہیے۔ بس جو گزر گیا سو گزر گیا۔ اب دہرانے سے زخم ہرے ہوں گے اور سوائے تکلیف کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

"جیتی رہو بیٹا۔ مجھے تم سے یہ ہی امید تھی۔ کوئی بات ہے نہ تم میں کہ مصطفیٰ نے تمہارا انتخاب کیا ہے۔ تم خاص بہت ہی خاص ہو۔" انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے دعا دی تھی اور اس کی خوبیوں کو سراہا بھی تھا۔ وہ ان کے کمرے سے نکلی تو عائشہ اسے ہی بلانے آرہی تھی کیونکہ مصطفیٰ کا فون تھا۔ اگر وہ اکیلی ہوتی تو کبھی نہ سنتی ہال میں سب کی موجودگی اور دادی جان کا حکم وہ کیسے ٹال سکتی تھی۔ اس نے ان کے ہاتھ سے ریسو لے لیا تھا مگر بولنے کی سکت نہ تھی۔ اس نے بہت مری مری آواز میں سلام کیا تھا اور ادھر وہ جیسے اس کی آواز سنتے ہی جی اٹھا تھا۔

"میرے ہجر میں آواز بھی گھٹ گئی ہے۔ اگر دوری نہیں سہی جاتی تو مجھے کہہ دو میں آجاؤں گا۔ تم ایکبار کہو تو سہی۔ میں نہ آؤں تو پھر کہنا میری یاد تو ستائی ہوگی اور تم مجھے یاد کرکے روتی بھی بہت ہوگی۔ دیکھو میرے آنے تک رو رو کر اپنا حال نہ خراب کرلینا۔" وہ چھوٹتے ہی نان اسٹاپ شروع ہوگیا تھا اور اب رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

"جانم بتاؤ یاد آتا ہوں تمہیں؟" وہ ابھی تک شرارت کے موڈ میں تھا۔

اس کی آواز سنتے ہی حور کے تو حواس معطل ہوگئے تھے۔ وہ بولتی بھی تو کیا۔ اس نے خاموش سے ریسور کریڈل پر رکھ دیا تھا اور سب کو چھوڑ کر اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ پھر اس کی آنکھوں سے جو برسات شروع ہوئی تھی کا نام نہیں لے رہی تھی۔

www.pkdigest.com

شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ مگر وہ سنگدل آنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ وہ بھی تھکنے لگی تھی۔ اس کے شانے پر سر رکھ کر اپنے دکھ بھول جانا چاہتی تھی۔ گہری پرسکون نیند لینا چاہتی تھی۔ اس کی بانہوں پہ سر رکھ کر سونا چاہتی تھی۔ آج اس ستمگر کی یاد اتنی شدت سے آئی تھی کہ وہ رو پڑی تھی۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی مگر اس کے پاس سیل نہیں تھا وہ کیا کرتی اور پھر اس کے ذہن میں احسن کا خیال آیا تھا۔ وہ آنکھیں پونچھتی ہوئی اس کے پاس آئی تھی۔ وہ کہیں جانے کی تیاری میں کھڑا تھا۔

''کہیں جا رہے ہو۔'' اس نے جھجک کر پوچھا۔

''ہاں لیکن تم کہو کیا بات ہے کوئی کام ہے کیا؟''

''وہ آپ کا سیل......''

''یہ لو۔'' اس نے نمبر ڈائل کر کے اسے تھما دیا تھا۔ ''بیل جا رہی ہے بات کر لو۔''

''تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں مصطفیٰ سے۔''

وہ سر جھکا گئی تھی۔

''بھائی ہوں تمہارا سب جانتا ہوں۔'' وہ دھیرے سے مسکرایا تھا۔ ''میں یہ بھی جانتا تھا۔''

''کہ تمہیں اس کا نمبر بھی معلوم نہیں ہوگا۔ کہو ایسا ہی ہے نا؟''

''جی۔'' اس نے شرمندگی سے کہا تھا اور پھر اگلے پل وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ کیونکہ جو حور کو پتہ تھا وہ اس نے جان بوجھ کر تبدیل کر لیا تھا کہ دیکھتے حور کیسے اس تک پہنچتی ہے۔ اس نے پھر سے ڈائل کر کے سیل کان سے لگا لیا تھا مگر بولنے کا یارا نہ تھا اس میں وہ ''ہیلو ہیلو'' کرتا رہا۔ اس سے اور تو کچھ نہ بن پڑا۔ بس اس کی آواز سن کر رو دی تھی۔ وہ پوچھتا رہا کیا ہوا، کیا ہوا رو کیوں رہی ہو۔ وہ کوئی جواب دیئے بنا بس روتی رہی اور پھر کال منقطع کر دی تھی۔

اور اگلے پل وہ روتے ہوئے اپنی نظم اسے Send کر رہی تھی۔

بس تم لوٹ آونا
بس تم لوٹ آونا
تمہیں فقط اتنا کہنا ہے
تمہیں اپنا بنایا ہے
تمہیں دل میں چھپایا ہے
تمہیں سینے سے لگانا ہے
محبت تم سے ہے کتنی
یہ تم کو بتانا ہے
تمہیں فقط اتنا کہنا ہے
کہ تم لوٹ آنا

☆......☆......☆

وہ کمرے سے باہر نکلی تو گھر میں بہت خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سب کہیں گئے ہوئے تھے۔ پھر اسے یاد آیا انہوں نے آج زوہا کے کزن کی شادی میں جانا تھا۔ وہاں چلے گئے ہیں۔ وہ دادی کے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی کہ تائی جان سر دونوں ہاتھوں میں پکڑے سیڑھیوں کی طرف آ رہی تھیں اور اگلے پل ڈگمگا گئی تھیں۔ ان کا پاؤں لڑکھڑایا تھا اور وہ لڑھکتی ہوئی نیچے آ رہی تھیں۔

''تائی جان۔'' وہ چیختی ہوئی ان کی طرف بھاگی تھی مگر اس سے پہلے وہ اس کے قدموں میں آ گری تھی۔ وہ ان کے تھام کر بیٹھ گئی تھی۔ ان کے سر پر چوٹ آئی تھی اور خون بہہ رہا تھا۔ اس نے ملازم کو آواز دے کر ڈاکٹر کو بلانے کا کہا تھا اور ان کو جیسے تیسے لاؤنج میں لے آئی تھی۔ وہ بے ہوش چکی تھیں اور خون بند ہی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ خون روکنے کی اپنی سی کوشش کر رہی تھی کہ اتنے میں ملازم ڈاکٹر کے ہمراہ گھر میں داخل ہوا تھا۔

''ان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا اور اگر وہ گھر نہ ہوتی تو شاید۔'' ڈاکٹر میڈیسن دے کر ہدایت کرتا ہوا چلا گیا تھا اور وہ اس وقت تک ان کے پاس بیٹھی رہی تھی جب تک وہ ہوش میں نہیں آ گئی تھیں۔

اگلے دن تمنا بیگم سب کے درمیان بیٹھی مسکرا رہی تھیں اور تشکر بھری نظروں سے حور کو دیکھ رہی تھیں۔ اگر حور نہ ہو شاید وہ اس سے آگے سوچنے کی صلاحیت کہیں کھو جاتی تھی۔

''میں حور کی شکر گزار ہوں جس کی وجہ سے مجھے نئی زندگی ملی۔ ورنہ آج میں زندہ نہ ہوتی۔'' انہوں نے حور کے اپنے سینے سے لگا کر اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

''اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دو، میں نے تمہیں بہت ستایا ہے اور تمہاری ماں کو بھی میں اس قابل تو نہیں مگر۔'' الفاظ حلق میں اٹک گئے تھے وہ رو دی تھیں۔

''عذرا بہن مجھے معاف کر دو میری وجہ سے تم سب لوگ خاندان سے کٹے رہے۔ لیکن اب مجھے احساس ہو گیا ہے۔''

''جب انسان کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو اس سے بڑھ کر کیا ہوگا۔ آپ سے کوئی گلہ نہیں ہمیں بس ہمارے مقدر ہی مشکلات لکھی تھیں پھر آپ سے کیا شکوہ۔'' عذرا بیگم نے بہت دھیرے سے انہیں معاف بھی کر دیا تھا اور احساس بھی نہیں ہونے دیا تھا۔

''اور حور بیٹا تم۔''

''آپ میری بڑی ہیں۔ آپ کو حق ہے۔ ایسی معاف کرنے اور ناراض ہونے والی کوئی بات نہیں۔'' وہ ان کے شانے سے لگ کر بیٹھ گئی تھی۔

''اور اس نالائق کو بھی کال کرو بلکہ مجھے نمبر ملا کر دو۔ جب سے گیا ہے ایک بار بھی مجھ سے بات نہیں کی۔ اسے کہو صبح یہاں ہر حال میں پہنچ جائے۔ مصطفیٰ کے آنے کے بعد ولیمے کی ڈیٹ بھی رکھتے ہیں۔'' انہوں نے حور کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

سب کی موجودگی ایسی باتیں ان کے منہ سے سن کر وہ شرما گئی تھی۔ وہ ان کے پاس اٹھتے ہوئے بولی تھی۔

''میں ابھی آئی۔'' اور ایک زوردار قہقہے نے اس کا پیچھا کیا تھا۔

اور ادھر دادی جان نے احسن کا رشتہ آمنہ سے طے کر دیا تھا۔ سب ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے۔

☆......☆......☆

بہار کی آمد آمد تھی۔ پیڑ پودوں پر پھوٹنے والی کونپلیں، شگوفے بہار کی آمد کی پتہ دے رہے تھے۔ چاروں اور سبزہ ہی سبزہ آنکھوں کو خیرہ کو دینے کو کافی تھا۔ خزاں رسیدہ موسم گزر گیا تھا اور بہار اپنے عروج پر تھی اور حور کا دامن پھولوں سے بھر گئی تھی۔ جیسے برسات ہو گئی ہو۔

دکھ کے دن گزر گئے تھے اور آنے والے دن بہت خوبصورت سہانا اور حسین تھے۔ بدگمانی اور غلط فہمی کے بادل چھٹتے ہی محبتیں نچھاور ہونے لگی تھیں وہ اپنی قسمت پر جتنا بھی ناز کرتی کم تھا۔

اور اس ستمگر کو شاید پہلے سے ہی سب حالات کی خبر ہو گئی تھی۔ وہ کچھ دیر بعد ہی گھر میں بیٹھا گپیں لگا رہا تھا۔

''میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کچھ نہ کچھ ہوا ضرور ہے۔ نیک بندے تم بھی گھر کی راہ لو اور میں نے اپنا بوریا بستر سمیٹا اور گھر کی راہ لی اور یہاں تو کایا ہی پلٹ گئی ہے۔''

''ہاں بس تم منظر سے کیا ہٹے سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔'' احسن نے بھی اس پر ضرب لگائی۔

ہمارے مطبوعات

قواعد اردو — مولوی عبدالحق
انتخاب کلام میر
ماں جی — قدرت اللہ شہاب
یا خدا
ٹام داج / رام داج — رئیس احمد جعفری
اسلام کے خانہ زمین یورپ میں — رئیس احمد جعفری
صحرا نوردی کا نیا خط — میرزا ادیب

لاہور اکیڈمی: ۲۰۵ سرکلر روڈ — لاہور

www.pkdigest.com

"اسی لیے میں نے آنے میں دیر نہیں کی جانتا تھا اگر ذرا سی دیر کی تو پھر بہت دیر ہو جائے گی اور حالات کب رخ پلٹیں میں لوٹ آیا۔" اس نے مسکرا کر حور کی طرف دیکھا تھا جو کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آ رہی تھی۔ مگر دوسرے ہی پل وہ پھر سے کمرے میں قید ہو گئی تھی۔

"مجھے معاف کر دیں حماجانی غلطی ہو گی مگر اب کیا ہو سکتا ہے لیکن اس بات سے آپ انکار نہ کریں کہ بہو بہت اچھی لا کر دی ہے آپ کو۔" یہ اس کے معافی مانگنے کا انداز تھا۔ وہ ان کے پیروں کو پکڑے بیٹھا تھا۔

"معافی مانگنی ہے تو حور سے مانگو مجھ سے نہیں۔ ظلم تم نے اس کے ساتھ کیا ہے۔" تمنا بیگم نے اس کے ہاتھوں سے پیروں کو آزاد کرتے ہوئے کہا تھا۔

"کہہ تو آپ ٹھیک رہی ہیں۔ لیکن کیا وہ مجھے معاف کر دے گی۔"

"ہاں میری بہو بہت نرم دل کی مالک ہے وہ تمہیں ضرور معاف کر دے گی۔ ویسے بھی جس سے محبت ہو اس سے ناراض نہیں رہا جا سکتا۔ وہ بھی تم سے بہت محبت کرتی ہے۔ اس کا چہرہ دیکھا ہے کتنا مرجھا گیا ہے۔"

آپ دعا کیجیے گا سب خیر خیریت سے ہو جائے۔" اس نے مسکراہٹ لبوں میں دباتے ہوئے کہا تھا اور سب کا قہقہہ جاندار تھا۔

"یار اگر تم بتا کر آتے تو کمرہ ہی سجا دیتے مگر تم بھی غلط وقت پر انٹر ہوتے ہو۔" احسن نے اسے کمرے کی طرف بڑھتے دیکھ کر کہا۔

"پہلے کونسا تم سجا دیا تھا جو کو اب رہ گیا ہے۔" مصطفیٰ نے بھی اسے گھور کر دیکھا تھا۔

"پہلے بھی تم نے بہت جلدی کی تھی اور آج بھی۔" احسن نے مصطفیٰ کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"یہ تو حالات پر منحصر ہے کہ کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔ احسن نے ایک اس کی کمر میں ایک دھموکا جڑا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ کمرے سے میں داخل ہوا تو حور بیڈ کے ایک کنارے ٹکی بیٹھی تھی۔ نظریں ہاتھوں کی پشت تھیں۔

"یاد کر کے بہت روتی رہی ہو جانم۔" وہ اس کے اوپر جھکتا ہوا بولا۔

"تمہیں کس نے کہا۔"

"پہلے بتاؤ کیا یہ سچ ہے۔"

"نہیں"

اس نے حور کو کندھوں سے پکڑ اٹھایا تھا اور اپنے لب اس کی پیشانی پر رکھ دیئے تھے۔

"یہ کوئی موقع نہیں ہے؟" وہ کسمائی تھی۔

"موقع تو خیر اس سے اچھا آ ہی نہیں سکتا۔" موقع سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش مت کرو۔"

"میری شرافت کی تم گواہ ہو کہ میں جائز موقع بھی چھوڑ دیتا ہوں۔"

"دیکھ لیں گے۔"

"کب.....؟"

"جب موقع آئے گا۔"

"ابھی کیوں نہ دیکھ لیں جانم، اس وقت تو شاید یاد نہ رہے۔" وہ مزید اس کے اوپر جھکا اور وہ پیچھے۔

"بہت برے ہو تم۔" وہ اس کے سینے سے لگتے ہوئے بولی۔

"اوں..... ہوں بہت اچھی ہو تم خود ہی چلی آئی میری بانہوں میں۔" مصطفیٰ نے اپنی مضبوط بانہوں کا حصار کھینچ دیا تھا۔ بہادیں لوٹ آئیں تھی۔

☆.....☆.....☆

رات کو آخر ڈھلنا تھا

رفعت شکور

www.pkdigest.com

''وہ کیسا ہے؟'' میں نے پوچھا تو وہ زور سے ہنس دی۔

''وہ..... وہ کیا تمھیں میری آنکھیں نہیں بتاتیں وہ کیسا ہے؟''

''ہاں بتاتی تو ہیں یہ گہری آنکھیں شاید اس کی وجہ سے گہری دکھائی دیتی ہیں۔'' میں نے تجزیہ کیا۔

''تمھیں پتہ ہے مون' میری زندگی میں ساری بہاریں اسی کے دم سے ہیں۔ اس کی باتیں' اس کی یادیں اور میرا سرمایہ ہیں۔ وہ اکثر مجھے اپنے پاس بلاتا ہے۔ مگر میں انکار کر دیتی ہوں۔'' اس کا چہرہ جگمگانے لگا۔

''کیوں.....؟'' بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔ وہ پھر زور سے ہنس دی۔

''پاگل میں کیسے جا سکتی ہوں اس کے پاس بھلا۔ جب تک وقت نہ آئے۔ یعنی بغیر شادی کے وہ تو دیوانہ ہے۔ نہیں جانتا ہمارے بیچ کیسی کیسی دیواریں حائل ہیں۔ اب دیکھو اس خط میں بھی اس نے میرے نہ جانے پر ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ آئندہ خط نہیں لکھے گا۔ مگر میں جانتی ہوں۔ وہ مجھ سے خفا ہو ہی نہیں سکتا۔ پتہ ہے مون جب ہم ایک ساتھ رہتے تھے ناں تو وہ میرا بہت خیال رکھتا تھا۔ میری چھوٹی سے چھوٹی خوشی میں شریک ہوتا تھا۔ کوئی موقع ہوتا عید' برتھ ڈے' کرسمس ڈے' ویلنٹائن ڈے وہ مجھے کارڈ اور پھول ضرور بھجواتا۔ چودہ فروری کو ہماری محبت کی سالگرہ بھی ہوتی ہے ناں۔ وہ اس دن کو تو کبھی بھولتا ہی نہیں۔ جہاں کہیں ہو ضرور آتا ہے۔ اس بار میں یہاں ہوں۔ پتہ نہیں آتا ہے یا نہیں۔ اسے لڑکیوں کا جاب کرنا سخت ناپسند ہے۔ مجھ سے بہت لڑا تھا وہ۔ اب دیکھو اس خط میں بھی اس کا یہی اصرار ہے کہ میں جاب چھوڑ دوں۔ پاگل ہے نہیں سمجھتا کہ اس کے بغیر مجھ سے وقت کاٹنا مشکل ہو گیا ہے۔ جی چاہتا ہے اڑ کر اس کے پاس چلی جاؤں مگر مجبوری ہے۔''

اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور مجھے ہمیشہ کی طرح اس پر بے پناہ رشک آیا۔

''تم ایسے واپس کیوں نہیں بلا لیتیں۔'' میں نے مشورہ دیا۔

''کیسے بلا لوں' بھیجا تو میں نے خود ہی ہے ناں۔ اگر کہوں کہ واپس آ جاؤ تو وہ مجھے بزدل کہے گا' سمجھے گا اور پتہ ہے مون اسے بزدل لوگ بالکل پسند نہیں ہیں۔''

''محبت میں بزدلی نہیں دیکھی جاتی۔ یہ تو محبت کی تڑپ ہے کہ تم اس کے بنا اور وہ تمھارے بنا نہیں رہ سکتے' پھر اعتراف میں عذر کیسا۔''

میں نے کمزور سی دلیل دی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ بعض اوقات اعتراف۔ یہ بھی دامن میں کچھ نہیں ڈالتا۔ تشنگی بڑھتی جاتی ہے۔ اور سمندر اپنا آپ بخش کر بھی ایک قطرہ پیاس رکھتا ہے۔ وہ آخری قطرہ جو پیاس کی تسکین ہوتا ہے۔

''اچھا لکھوں گی اسے۔'' وہ آسانی سے مان گئی۔ حسب معمول میں جانتی تھی کہ وہ اب کیا اسے بھی نہیں لکھے گی کہ وہ آ جائے اور اسے اپنی پناہوں میں سمیٹ کر لے جائے۔ خیر' یہ تو میری آبزرویشن تھی۔ کیا خبر لکھ ہی ڈالے۔ کھانے کی بیل ہو رہی تھی۔ ہم دونوں اٹھ کر ڈائننگ ہال کی طرف آ گئے۔ راستے میں بھی وہ چہکتی رہی۔ روم نمبر سات کی شائنہ نے تو اسے دیکھتے ہی کہہ دیا کہ آج پیا کا خط آیا ہے۔ اور وہ حسب عادت کھلکھلا کر ہنس دی۔

''تمھیں کیسے پتہ چلا؟'' شولڈر کٹ بالوں کو ایک ادا سے جھٹکتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''بی بی تمھارے چہرے پر شفق کے ساتھ رنگ اور فلک شیر کا ایک رنگ۔ چیخ چیخ کر اعلان کر رہے ہیں کہ آج آدھی ملاقات ہوئی ہے۔''

شائنہ نے اس کے گلابی گال کو ہولے سے چھوتے ہوئے کہا تو وہ شرما گئی۔

''کیا ایسا ہے؟'' شائنہ کے جانے کے بعد اس نے میری طرف دیکھا اور میں نے سر ہلا کر شائنہ کے ریمارکس کی تصدیق کی۔ اگلے دو دن بھی وہ اسی خوشی کا شکار رہی۔

پتہ نہیں فلک شیر اسے کیا باتیں لکھ کر بھیجتا تھا جو وہ دنوں مسروری پھرا کرتی تھی۔ ایک وہ علی نواز تھا مجال ہے جو کبھی بھولے سے بھی دل خوش کرنے والی بات لکھی ہو۔ اول تو اسے اتنی فرصت ہی نہ ملتی تھی کہ خط لکھ کر خیریت پوچھ لے۔ یا فون ہی کر ڈالے اور جو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں کبھی فون کر ہی ڈالتی تو سلام دعا کے بعد ہی تکلیف ہونا شروع ہو جاتی تھی۔

''اماں گھور رہی ہیں۔ ابا کی ضروری کال آئی ہے۔'' یا پھر خود اسے کہیں جانا ہوتا اور ایسے میں بندے کو سوائے غصہ کے اور کیا آ سکتا ہے۔ سو جھلا کر اس عہد کے ساتھ کہ آئندہ اس بدمزاج بندے کو قطعاً فون نہیں کرنا۔ فون بند کر دیتی۔ یہ اور بات کہ چند دن گزرنے کے بعد سارا غصہ اڑ چھو ہو جاتا اور اس میں یقیناً زیادہ ہاتھ ایمن شیرازی کا ہوتا۔ وہ جیسے ہی فلک شیر کی باتیں شروع کرتی میرا جی بھی علی نواز سے ملنے کو اور اس کی باتیں سننے کو چاہنے لگتا اور جب ہر موقعے پر اس کو خوبصورت کارڈز ملتے تو تب تو شدت سے یہ خواہش ابھرتی کہ علی نواز بھی کبھی یوں یاد کرے اور مجھے کارڈ بھیجے۔ مگر اس کے پاس ایسی خرافات کے لیے پیسے اور وقت دونوں نہیں ہوتے تھے۔

''مون میں ذرا بازار جا رہی ہوں۔ فلک کے لیے کچھ چیزیں خریدنا ہیں۔ تم نے کچھ منگوانا ہے علی کے لیے؟'' ایمن کی آواز مجھے خیالات کی دنیا سے باہر کھینچ لائی۔

''نہیں۔'' میں نے بے دلی سے جواب دیا۔ ایک بدذوق بندے کو ایسے تحائف کی کیا قدر پچھلے دنوں بھی ایمان کی دیکھا دیکھی میں نے علی کے لیے شاپنگ کی' اور بڑی چاہ سے خوبصورت پیکنگ کروا کر علی کو بھجوایا۔ تو جواباً اس نے یہ لمبا چوڑا نصیحت نامہ لکھ بھیجا۔

''فضول خرچی کی کیا ضرورت تھی۔ یہی پیسے بچا کر رکھو کام آئیں گے۔'' اور میں اس جواب پر دو گھنٹے روتی رہی تھی۔ ہے ہی ناقدرا۔

ایمن بازار جا چکی تھی۔ میں نے اٹھ کر کمرے کی حالت درست کی۔ اور کل پہننے کے لیے کپڑے انتخاب کرنے لگی کہ اس کی غیر موجودگی میں بوریت سے بچنے کا یہی ایک طریقہ تھا۔ فیروزی سوٹ نکال کر ایمن نے اسٹینڈ پر رکھا اور پھر ایمان کی الماری کی طرف آ گئی۔ سوچا لگے ہاتھوں اس کے کپڑے بھی پریس کر ڈالوں۔ الماری میں زیادہ تر بلیک کلر کے کپڑے تھے۔ بقول اس کے بلیک کلر فلک شیر کو بہت پسند ہے اور اس کا کہنا ہے کہ بلیک شیڈ ایمن شیرازی پر خوب سجتا ہے اور اس میں کوئی شک بھی نہیں تھا۔ اس پر بلیک کلر واقعی بہت جچا کرتا تھا۔ گولڈن کام والا سوٹ نکال کر میں اسٹینڈ کی طرف آئی' اسی وقت دروازہ بجا۔

''اتنی جلدی واپسی؟'' میں نے سوچتے ہوئے دروازہ کھولا۔

''مس ایمن شرازی؟'' سامنے موجود شخصیت نے پوچھا۔

''وہ تو نہیں ہیں اپنی میسج؟'' میں نے اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اور جواب حسب توقع تھا۔ اس نے ہاتھوں میں پکڑا گفٹ پیک میری طرف بڑھایا۔

''کیا یہ ان کو پہنچا دیں گی پلیز۔''

''آف کورس۔'' میں نے گفٹ تھاما۔ رسید پر سائن کیے اور دروازہ بند کر کے اندر آ گئی۔ آج

www.pkdigest.com

ایمان کی سالگرہ تھی۔ اور فلک شیر نے یہ گفٹ اتنی دور سے بھجوایا تھا اور وہی ایک ملال میرے اندر جاگا۔ علی نواز ایسا کیوں نہیں ہے مگر یہ کہ میرے ملال کرنے یا نہ کرنے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑنا تھا۔ اس لیے آرام سے کپڑے پریس کرنے لگی۔

ایمن شیرازی کافی دیر بعد آئی۔ بے حد تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔

''لگتا ہے بہت زیادہ شاپنگ کی ہے۔'' میں نے الیکٹرک کیتلی سے چائے انڈیل کر مگ اس کی طرف بڑھایا۔ جسے اس نے فوراً تھام کر گھونٹ بھرلیا۔

''ہاں مون ورائٹی اس قدر ہے کہ کچھ پتہ نہیں چلتا کیا خریدیں۔ مجھے چار شرٹس پسند آئیں کوئی بھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ اس لیے چاروں پیک کروالیں۔ پھر پرفیومز' ٹائی پنز' سب کچھ پسند کرتے کرتے میں تھک گئی۔ بہرحال ادھر سے پسندیدگی کی سند آتے ہی ساری محنت وصول ہو جائے گی۔'' اس کے لہجے میں مان ہی مان تھا۔

''ہاں ایمن تمھارا برتھ ڈے گفٹ آیا ہے۔'' مجھے یاد آیا۔

''اچھا۔'' وہ چونکی۔

''مجھے تو یاد ہی نہ رہا کہ آج میرا برتھ ڈے ہے۔'' اس نے بے تابی سے ریپر پھاڑا۔ جھلمل کرتی سیاہ وسنہری چوڑیاں بیڈ پر بکھر گئیں۔

''اوہ کیوٹ۔'' اس نے بے ساختہ ہی چوڑیوں کو اٹھا کر چوم ڈالا۔ اس لمحے وہ دنیا کی حسین ترین لڑکی محسوس ہوئی مجھے کیسے تھے یہ دو دیوانے ایک دوسرے کا اتنا خیال رکھنے والے۔ اتنا چاہنے والے اور تب میں نے دل ہی دل میں ان کے جلد مل جانے کی دعا مانگ ڈالی اور مجھے یقین تھا کہ یہ دعا بارگاہ ایزدی میں مقبول ہوگئی ہوگی کہ ان کے درمیان تو کوئی بھی مجبوری حائل نہ تھی۔ ایمان چوڑیاں کو دوبارہ اسی طرح پیک کرنے لگی۔

''پہنو گی نہیں؟'' میں نے پوچھا اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''ابھی نہیں جب فلک شیر آئے گا تب پہنوں گی۔ وہ میرے ہاتھوں میں انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوگا۔''

ویمن ہاسٹل میں میرے قیام کو دو سال کا عرصہ ہونے والا تھا۔ اس ہاسٹل میں کم وبیش تیس لڑکیاں رہتی تھیں۔ سب کی سب جاب کرتی تھیں۔ کوئی سکول میں' کوئی آفس میں۔ مسز ناصر اس ہاسٹل کی نگران تھیں بہت اچھی اور شفیق خاتون تھیں۔ شوہر کا انتقال ایک عرصہ ہوا ہو چکا تھا۔ اولاد بھی نہیں۔ اس لیے یہاں قیام پذیر تھیں تمام لڑکیوں سے بہت اچھا برتاؤ کرتی تھیں۔ لڑکیاں بھی ان کی گرویدہ تھیں۔ اگرچہ یہاں سب پر میں نے یہ ظاہر کیا تھا کہ مجھے جاب کی ضرورت نہیں محض شوق ہے مگر حقیقت یہ تھی کہ ضرورت ہی مجھے گھر سے باہر اور پھر اس شہر تک کھینچ لائی تھی۔

علی نواز میری خالہ کا بیٹا تھا۔ اور بچپن کا منگیتر بھی۔ مگر خالہ بھی دنیا والوں کی طرح ہم سے بھاری جہیز کی طلبگار تھیں۔ جو کہ میرے بوڑھے باپ کے ہاتھ فراہم کرنے سے قاصر تھے۔ اس لیے مجھے اپنا جہیز اکٹھا کرنے کے لیے گھر سے باہر قدم نکالنا پڑے تھے۔ اور شاید اس لیے بھی کہ میں علی نواز کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔

ایمن شیرازی چھ ماہ قبل یہاں آئی تھی۔ پہلے پہل تو وہ اپنے آپ میں مگن رہتی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ وہ اپنے خول سے نکلنے لگی۔ میری طرف نگاہ کی' قابل توجہ جانا اور دوستی کی ابتدا کر دی۔ اس کی باتوں کا محور اس کا منگیتر فلک شیر تھا۔

www.pkdigest.com

جو کہ کہیں گیا ہوا تھا روزگار کی خاطر۔ شاید باہر کے کسی ملک' اس نے کبھی نہ بتایا تھا کہ وہ کہاں ہوتا ہے۔ ہاں ہفتے میں دو بار اس کا خط ضرور آتا تھا۔ جسے پا کر وہ اڑی اڑی پھرتی۔ ایمن شیرازی بہت خوبصورت تھی اور اسی کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ فلک شیر بھی انتہا کا خوبصورت ہے۔ ایمن اور فلک شیر کی جوڑی کو میں زبردست قرار دے چکی تھی۔

وہ ڈھیر سارے نیو ایئر کارڈ بیڈ پر پھیلائے بیٹھی تھی۔ جب میں اندر داخل ہوئی تو اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا اور کہنے لگی۔

''دیکھو مون فلک نے کتنے ڈھیر سارے نیو ایئر کارڈز بھجوائیں ہیں اور ایک سے ایک خوبصورت۔'' خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

''اچھا۔'' میں اس کے قریب گئی۔ واقعی کارڈز بے حد خوبصورت تھے۔

''مون وہ میرا کس قدر خیال رکھتا ہے۔'' اس کا لہجہ خوابناک ہو گیا۔

''خوش قسمت ہو ناں تم۔'' میں نے اس کے دلکش سراپے پر نظر ڈالی۔

''ہاں شاید بہت زیادہ مون مجھے کبھی نہیں لگا کہ وہ مجھ سے جدا ہے۔ ہر پل وہ سانسوں سے زیادہ قریب محسوس ہوتا ہے اور کبھی کبھی تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے وہ میرے ساتھ چل رہا ہے۔ عموماً جب میں بازار جاؤں تو مجھے کبھی احساس نہیں ہوا کہ میں تنہا ہوں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے مون۔'' وہ جذب کی کیفیت میں تھی۔

''یہ محبتوں کی انتہا ہے ایمی ڈیئر۔'' میں نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھے۔

''محبتوں کی نہیں عشق کی انتہا' تمھیں پتہ ہے مون محبت کی انتہا عشق ہے اور عشق کی انتہا دیوانگی' موت۔'' وہ بے خودی ہو گئی تھی۔

''کیسی باتیں کر رہی ہو ایمی۔'' میرے دل میں کچھ ہونے لگا۔

ایمی اور موت ارے جس کے پاس ایک شخص کی بے انتہا محبتیں ہوں اس کا جی کیوں چاہنے لگا مرنے کو۔

''یہ بھی تو موت ہوتی ہے ناں سویٹ مون کسی کے لیے اپنا آپ بیچ دینا۔ فنا کر دینا' اپنا آپ بھلا کر صرف اس ایک شخص کی خاطر جینا' تمھیں پتہ ہے مون کسی کی خاطر اپنا آپ بھلا دینا کتنا مشکل ہوتا ہے؟ وہ دونوں ہتھیلیوں میں چہرہ ٹکائے پوچھ رہی تھی۔

''سب کچھ مشکل ہوتا ہے ایمی ڈیئر جینا بھی اور مرنا بھی حتیٰ کہ سانس لینا بھی۔''

میں اٹھ کر اپنے بیڈ پر آ گئی۔ آج کام بہت زیادہ تھا۔ مہینے کے آخری دن تھے۔ بل نفع نقصان سارے مسائل سے نبٹ کر آنے کے بعد اتنی ہمت نہیں تھی کہ مزید دل جلا دینے والی باتیں سنوں۔ جتنی سن لیں کافی تھیں۔ ایمن نے کارڈ سمیٹے اور الماری میں رکھنے لگی۔

''تھک گئی ہو چائے بناؤں؟'' اس نے اپنے کام سے فارغ ہو کر پوچھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تم بتاؤ علی کا کارڈ آیا؟'' پلٹ کر وہ وہیں کھڑی پوچھنے لگی۔

''آ جائے گا ابھی تو نیا سال شروع ہونے میں کافی دن ہیں۔'' میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس سوال پر میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگا تھا۔

''فلک نے لکھا ہے کہ وہ چودہ فروری کو ضرور آئے گا چاہے جیسے بھی آنا پڑے۔''

وہ پھر سے فلک کی مدح سرائی میں مگن ہو گئی اور غیر ارادی طور پر میں بھی اس کے انتظار میں شریک ہو گئی۔ اس کی باتیں سن سن کر تو میں حقیقتاً فلک شیر کو دیکھنے کے لیے بے تاب ہو گئی تھی۔

اگلے دن اتوار تھا اور اتوار کو میں کافی دیر سے اٹھا کرتی تھی۔ معمول کے دنوں میں تو صبح سویرے جاگنا تیاری ناشتہ پھر بس' ویگن کے انتظار میں اسٹاپ پر سوکھنا۔ ایسے میں سارے چونچلے کہیں پیچھے رہ جاتے تھے۔ ہاں اتوار کا آدھا دن سو کر گزرتا تھا اور باقی کا آدھا دن ہفتے بھر کے کام نپٹانے میں صرف ہوتا تھا۔ اس وقت بھی میں کسلمندی سے بستر میں پڑی تھی کہ ایمی نے آ کر رضائی کھینچ لی۔

''باہر تمھارے علی نواز صاحب آئے بیٹھے ہیں۔ اور تم یہاں اینٹھ رہی ہو۔''

''ہیں علی نواز؟'' مجھے یقین ہی نہ آیا۔

''ہاں بھئی ہم خود دیکھ کر بلکہ مل کر آ رہے ہیں۔'' اس نے مجھے یقین دلایا۔ میں اٹھ کر باہر آ گئی۔ وہ لان میں ٹہل رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ ادھر آیا۔

''کیسی ہو؟'' سرسری سا انداز۔ میں اندر ہی اندر بجھ کر رہ گئی۔ ذرا سا اتاولا ہو جانے میں تو کوئی حرج نہیں۔

''تم نے جواب نہیں دیا کیا میرا آنا ناگوار گزرا ہے؟'' مجھے خاموش پا کر اس نے پوچھا۔

''نہیں تو۔'' میں نے جلدی سے جواب دیا۔

''ہیلو بیٹا۔'' اسی دم مسز ناصر آ گئیں۔

''ہیلو میڈم یہ میرے فیانسی ہیں علی نواز اور علی نواز یہ ہیں مسز ناصر اس ہاسٹل کی انچارج۔'' میں نے تعارف کروایا۔ دونوں طرف رسمی کلمات کا تبادلہ ہوا اور میڈم علی نواز کو اندر بٹھانے کا کہہ کر آگے بڑھ گئیں۔ میں اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

''کتنی لڑکیاں رہتی ہیں یہاں؟'' علی نواز نے ادھر ادھر نگاہ دوڑا کر پوچھا۔

''بیس ایکس۔'' میں نے مختصراً جواب دیا۔

''ہوں۔'' اس نے پرخیال انداز میں سر ہلا دیا۔

ایمن چائے بنا کر لے آئی۔ میں نے کہا۔

''تم علی بھائی کے ساتھ باتیں کر لو۔'' وہ مسکراتی ہوئی چائے سرو کرنے لگی۔ تعارف ان کا پہلے ہو چکا تھا۔ چائے پینے تک ہمارے درمیان خاموشی رہی پتہ نہیں علی نواز آج ادھر کا رستہ بھول کر کیسے آ نکلا تھا۔

''میں ایک ضروری بات کرنے آیا ہوں۔'' ایمن برتن لے کر چلی گئی تو وہ گویا ہوا۔

''کہو۔'' وہی سننے کے لیے تو میں بے چین تھی۔

''اماں اب جلد میری شادی کرنا چاہتی ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ اگر تم لوگ ہماری ڈیمانڈ پوری نہیں کر سکتے تو ہم کہیں اور......''

''علی نواز۔'' میں مارے صدمے کے گنگ رہ گئی۔

''میں تو ایسا کچھ نہیں چاہتا مونا۔ مگر اماں کو کون سمجھائے تمھیں پتہ ہے میں ان سے ٹکر نہیں لے سکتا۔ اس لیے اگر کچھ کر سکتی ہو تو جلدی کر لو۔''

وہ کہہ کر چلا گیا اور مجھے لگا جیسے میں ایک اور بھنور میں پھنس گئی ہوں۔ علی نواز میرا خواب تھا بچپن کا خواب اور اس کے لیے مجھے کڑی قیمت چکانا پڑی تھی۔ اپنی طبیعت کے یکسر خلاف جاب کی۔ خالہ کی ڈیمانڈز پوری کرنے کے لیے کیلکولیٹ کرتے کرتے میری انگلیاں شل ہونے کو تھیں اور وہ اب بھی ویسی ہی لالچی تھیں۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی میں نے سب کچھ اماں پر چھوڑ دیا اور انھوں نے میرے بیاہ کی

www.pkdigest.com

تاریخ دے ڈالی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان کی طرف سے اس قدر کمینے پن کے مظاہرے پر میں سب کچھ دفع کرتی۔ مگر اتنا کچھ صرف اسی ایک شخص کی خاطر کرنے کے بعد تو میں واقعی اسے کھونا نہیں چاہتی تھی۔ ایمن میری شادی کی خبر پا کر بہت خوش ہوئی۔ میرے لیے ڈھیروں شاپنگ کی اور اسٹیشن تک خود مجھے چھوڑنے آئی۔

''میں تمھاری شادی پر ضرور آتی مون مگر اسی روز فلک نے ملنے آنا ہے چودہ فروری کو۔'' وہ معذرت کر رہی تھی۔

''مجھے تمھارے نہ آنے کا دکھ تو ہوگا۔ مگر فلک شیر کی وجہ سے تمھیں معاف کیا۔'' میں نے اس کے گال چھوئے گاڑی نے وسل دی اور وہ مجھے خدا حافظ کہتی چلی گئی۔

ایک نئے سفر کا آغاز ہونے والا تھا۔ پتہ نہیں انجام کیا ہونا تھا۔ میں نے کھڑکی سے سر لگایا اور بھاگتے نظاروں کو دیکھنے میں محو ہوگئی۔

میں نے آفس سے ایک ماہ کی چھٹی لے لی تھی۔ اور اس ایک ماہ میں علی نواز نے خود سے متعلق میری تمام شکایات دور کر دی تھیں۔ اس نے پل پل اپنی محبتوں کا یقین دلایا تھا اور جو کوئی وسوسہ اس کے بارے میں دل میں تھا بھی تو اب اس کی شدتوں کے آگے ماند نظر آتا۔ ایک ماہ بعد جب میں واپس ہاسٹل پہنچی تو سب کچھ ویسا ہی تھا۔ مگر مجھے پھیکا پھیکا لگ رہا تھا۔ میں نے جاب جاری رکھنے کے متعلق علی نواز سے رائے لی تھی۔ اس نے اس معاملے کو مکمل طور پر مجھ پر چھوڑ دیا تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ دو تین ماہ بعد چھوڑ دوں گی۔

مسز ناصر نے شام کو سب لڑکیوں کے ساتھ مل کر میرے اعزاز میں دعوت دی اور دعاؤں کے ساتھ ڈھیوں تحائف بھی دیئے اور تب اچانک ہی مجھے یاد آیا کہ ایمن شیرازی موجود نہیں ہے۔ میں نے شائستہ سے پوچھا۔ اس لاعلمی کا اظہار کیا۔

مسز ناصر نے بتایا کہ وہ تو تیرہ تاریخ سے گھر گئی ہوئی ہے ابھی تک نہیں لوٹی۔

''یعنی میرے جانے کے تین دن بعد سے۔'' میں نے دل ہی دل میں حساب لگایا۔ ایک دم ہی اس سے ملنے کو جی چاہنے لگا۔ کچھ یہ جاننے کے لیے کہ فلک شیر آیا یا نہیں اور کچھ یہ بتانے کے لیے کہ علی نواز نے کیسے محبتیں نچھاور کی مجھ پر۔ مگر اب تو یہ اس کی آمد کے بعد ہی ممکن ہو سکتا تھا۔

اگلے دو دن میں نے اس کا بے حد انتظار کیا اور جب وہ نہ آئی تو میں گھبرا گئی۔ کہیں بیمار نہ ہوگئی ہو۔ یا پھر یہ بھی ہو سکتا تھا کہ فلک شیر اسے ساتھ لے گیا ہو۔ پھر مسز ناصر سے اس کا فون نمبر لے کر میں نے فون کھڑکا ڈالا۔ دوسری جانب ایمن کی امی تھیں۔ اپنا تعارف کرانے کے بعد میں نے ایمن کے بارے میں پوچھا' تو انھوں نے بتایا کہ وہ ہسپتال میں ہے۔

''کیوں؟'' گویا میرا خدشہ درست تھا۔

''ان دنوں وہ ایسے ہی بیمار ہو جاتی ہے بیٹا۔'' ان کی آواز میں دکھ ہی دکھ تھا۔

''ان دنوں کیا مطلب؟'' میں الجھ کر رہ گئی۔

''ہاں بیٹا انہی دنوں تو فلک شیر کا انتقال ہوا تھا۔''

''فلک شیر کا انتقال؟''

میں چیخ ہی تو پڑی۔ کیسی غیر متوقع خبر تھی۔ یہ میرے لیے۔

''فلک شیر سے ایمن کا نکاح بہت پہلے ہوگیا تھا۔'' انھوں نے بتانا شروع کیا۔ شاید وہ دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی اور منتظر تھیں کہ کوئی سننے کے لیے ملے۔

''نکاح؟ مگر ایمی نے تو کبھی ذکر نہیں کیا۔'' خود میرے حواس بھی قابو میں نہیں تھے اور نہ تو اس نے کچھ بھی بتایا تھا۔

''وہ کب بتاتی ہے کسی کو۔ تم آجاؤ ناں کچھ دیر کے لیے' ایمی کو بھی دیکھ لینا۔'' ان کے لہجے میں التجا تھی اور میں نے جانے کا ارادہ کر لیا۔

مسز ناصر کو بتا کر میں باہر چلی آئی کیسی عجیب بات تھی کہ میں اس کے بارے میں کچھ نہ جانتی تھی حتیٰ کہ یہ بھی کہ وہ اسی شہر میں رہتی ہے۔ ہسپتال آنے تک میں انہی سوچوں میں غلطاں رہی۔ وارڈ کے باہر ہی ایک خاتون کھڑی تھیں جو مجھے دیکھ کر آگے بڑھیں اور پوچھنے لگیں کہ میں ہی موناہوں۔ میرے اثبات میں جواب دینے پر وہ مجھے ساتھ لیے اندر آگئیں۔

''میں ایمن کی ماں ہوں۔'' اندر پہنچ کر انھوں نے اپنا تعارف کرایا۔

''میں پہچان گئی تھی ایمن کہاں ہے؟'' خالی بیڈ پا کر میں نے پوچھا۔ اسی دم باتھ روم کا دروازہ کھلا اور اندر سے ایمن وارد ہوئی۔

''ارے تم۔'' مجھے دیکھتے ہی وہ چلائی۔

''ہاں دیکھ لو تم نے تو خبر نہیں دی۔ ہم خود ہی ڈھونڈتے چلے آئے۔'' میں نے آگے بڑھ کر اسے تھاما اور بیڈ پر لے آئی۔

''دیکھو اتنے چاہنے والے ہوں تو خوامخواہ ہی بیمار بن کر پڑے رہنے کو جی چاہنے لگتا ہے۔''

وہ ویسی ہی خوشدلی سے بول رہی تھی۔ میں نے آنٹی کے کہے الفاظ کا ہلکا سا شائبہ بھی اس کے چہرے پر نہیں دیکھا۔

''تو کیا آنٹی مگر انھیں کیا ضرورت پڑی ہے۔'' میں سوچ میں گم تھی کہ ایمن نے شانہ زور سے ہلایا۔

''علی نواز یاد آرہا ہے ہاں بھئی اب تو وہی یاد آئیں گے۔ کیسی رہی شادی؟'' وہ ایک ہی سانس میں اتنے سوالات پوچھ گئی۔

''تمھارے سامنے ہوں۔'' آنٹی کا خیال کر کے میں تھوڑا سا جھجک گئی۔

''ہاں بڑی نکھری نکھری لگ رہی ہو۔ لگتا ہے علی نواز نے ساری محبتیں دے دی ہیں۔'' اس نے پھر چھیڑا۔

''اس کو چھوڑو تم بڑی کمزور ہو رہی ہو' کیا ہوا تھا؟'' میں اصل موضوع کی طرف آئی۔

''کچھ نہیں ہوا تھا ہلکی سی ٹینشن ہوگئی تھی' اصل میں فلک شیر ناراض ہوگیا تھا' میں نے بڑی کوشش کی منانے کی۔ نہیں مانا۔ نتیجتاً نروس بریک ڈاؤن ہوگیا۔ پھر ساری ناراضگیاں بھول بھال مجھے ہسپتال لے کر آیا۔ اب رات دن میری پٹی سے لگا بیٹھا رہتا ہے میں بھی خوب تنگ کر رہی ہوں اسے۔'' وہ آنکھیں بند کیے کہہ رہی تھی۔

میری عقل ماؤف ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے الجھ کر آنٹی کی طرف دیکھا۔ وہ آنسو پونچھتی باہر جا رہی تھیں۔

''کیا ایمن لاعلم ہے فلک شیر کے بارے میں یا پھر۔ اوہ میرے خدا۔'' ذہن میں عجیب سے گرداب پڑنے لگے تھے۔

''یہ سب کیا ہے۔ ایمن کی باتیں سن کر تو لگتا ہے وہ ایں کے آس پاس موجود رہا ہے' جبکہ آنٹی بتا رہی تھیں کہ اس کا۔'' آگے میں کچھ نہ سوچ سکی۔

''اچھا ایمن میں چلوں۔'' میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

www.pkdigest.com

''پھر آؤں گی؟'' اس کے یوں پوچھنے پر میں حیرت میں مبتلا ہوگئی۔

''کیا تمہارا ارادہ مستقل یہیں رہنے کا ہے؟''

''نہیں تو۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''یوں ہی رسماً پوچھ لیا۔ ورنہ میں تو ٹھیک ہوں۔ بالکل بس وہ فلک شیر توبہ کرے پھر میں آ جاؤں گی۔''

''اللہ کرے۔'' میں کہتی باہر آئی۔ دروازے میں ہی آنٹی مل گئیں۔

''آنٹی یہ سب کیا ہے؟'' میں نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔ میرے ذہن میں عجیب قسم کی کھچڑی پک رہی تھی۔ اور میں نہیں چاہتی تھی کہ تمام رات اسی بے چینی میں کاٹ دوں۔ آنٹی میرے ہاتھ تھامے دھیرے دھیرے چلتی ہوئی بار لان میں آ گئیں۔ ان کی چال میں شکستگی نمایاں تھی۔ اولاد کا دکھ بہت بڑا ہوتا ہے۔ اچھے خاصے بندے کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا ہے۔ میرے سامنے بیٹھتے ہوئے کچھ دیر گویا الفاظ ڈھونڈھے پھر کہنے لگیں۔

''ایمن اور فلک شیر بچپن سے ایک ساتھ رہے اور ان کے ساتھ ساتھ ان کی محبت بھی پروان چڑھتی رہی۔ وہ ایک دوسرے کو اتنا چاہتے تھے کہ کبھی کبھی تو ہم ڈر جایا کرتے تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ اور اس ''کہ'' کے خوف سے ہم نے یعنی میں نے اور ان کے پاپا نے ان کا نکاح کر دیا۔ اپنی دانست میں ان کے دور ہونے کے سب چانسز ختم کر دیئے۔ مگر قسمت کو کچھ اور منظور تھا۔ فلک شیر ان دنوں جاب کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ جب وہ غلط لوگوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس نے ایمان کو جلد از جلد پانے کی کوشش میں اپنے ہاتھ پاؤں حتیٰ کہ سانسیں بھی گروی رکھ دیں اس نے اپنی جاب کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتایا تھا۔ مگر ایک روز ایمن کو پتہ چل گیا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے اسے دہشت گردی پھیلاتے دیکھا تھا۔

فلک شیر کو جب ایمن کی آگاہی کا علم ہوا تو اس نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ ایمان سے معافیاں مانگیں مگر پتہ نہیں ایمن کیوں اتنی سنگدل بن گئی کہ فلک کی ایک نہ سنی اور اسے گھر سے نکل جانے کا کہہ دیا۔ میں نے ایمان کے پاپا نے بہت سمجھایا ایمن کو' مگر اس کی ایک ہی رٹ تھی کہ فلک شیر اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دے۔ ورنہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے اسے مار ڈالے گی۔

اور پھر فلک شیر نے اس کی بات مان لی۔ وہ اپنے آپ کو قانون کی تحویل میں دینے پر تیار ہوگیا۔ مگر اس سے پہلے ہی نامعلوم گولی اسے چاٹ گئی۔ وہ چودہ فروری کا دن تھا۔ اس دن کے بعد سے ہم نے ایمن کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھے۔ ہم جو سمجھتے تھے کہ فلک شیر کی موت اسے پاگل کر دے گی کچھ بھی نہ ہوا' وہ پہلے سے زیادہ مطمئن تھی۔ یوں جیسے فلک شیر مرا نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ ہو۔

وہ اب بھی اپنے تمام کام یہ کہہ کر کرتی ہے کہ فلک شیر نے کہا ہے۔ ہم نے بہت علاج کروایا' مگر سب ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ صدمے کا اثر ہے رفتہ رفتہ زائل ہو جائے گا۔ گر وہ ٹھیک نہیں ہو رہی۔ میں جانتی ہوں وہ اندر ہی اندر گھل رہی ہے' ختم ہو رہی ہے۔ میری مدد کرو پلیز۔ فلک شیر کے بعد ایمن کی موت میں برداشت نہیں کر سکوں گی۔ اسے سمجھاؤ کہ فلک شیر اب نہیں رہا۔''

وہ رو رہی تھیں اور میں بھی ان کے اس دکھ میں شریک تھی۔ ایمن کتنی گہری تھی اس کا اندازہ مجھے اب ہو رہا تھا۔ مجھے تو اس کی کسی بات پر شبہ نہیں ہوا تھا۔ کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ یا دل کو

بہلا رہی ہے اس کی باتوں میں ایک جیتا جاگتا اور بے پناہ محبتوں والا فلک شیر تھا اور شاید اس نے اپنے اندر اس کو مرنے نہیں دیا تھا۔

جب سے میں ہسپتال سے واپس آئی تھی ایمن شیرازی کے متعلق ہی سوچ رہی تھی اور فلک شیر کے متعلق بھی کہ دونوں کا ذکر ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم تھا۔ جیسے دن کے ساتھ رات' بہار کے ساتھ خزاں ایسے ہی ایمان کے ساتھ فلک شیر۔

''مگر وہ کارڈ اور گفٹس وہ کون بھیجتا تھا؟''

میرے ذہن میں ایک دم ہی بات آئی اور پھر جانے کیوں میں نے ایمن کی الماری کھنگال ڈالی تھی۔ تو غیر اخلاقی حرکت مگر میرے اندر جس تجسس کے ناگ نے پھن ابھارا تھا وہ مجھ چین سے بیٹھنے نہیں دے رہا تھا۔ ایک ایک کر کے میں نے سارے کارڈز خطوط کھول دیئے۔ سب کے سب سادہ تھے۔ خالی پیپرز' وہی خط تھے جنھیں ہاتھ میں لے کر ایمن شیرازی گھنٹوں فلک شیر کی ''دلکھی'' باتیں سنایا کرتی تھی۔ سارے راز کھل رہے تھے۔ لفافوں پر جو ایڈریس لکھا گیا تھا وہ بھی ایمن کی اپنی رائٹنگ میں تھا۔ مجھے ہر چیز گھومتی محسوس ہو رہی تھی۔ ایمن شیرازی نے خود کو بہلانے کے لیے یہ طریقہ نکالا تھا۔ کہ خود ہی فلک شیر کے نام سے اپنے آپ کو کارڈ اور خط بھیجتی تھی یہ محبت کا کون سا مقام تھا اور کون سی منزل۔ محبت' عشق' دیوانگی یا پھر موت۔

''بڑی مشکل سے جان چھڑا کر آئی ہوں۔'' میں آفس سے لوٹی تو ایمن شیرازی چہکتی ملی۔

''کس سے؟'' اسے دیکھ کر میں جانے کہاں کھونے لگی۔

''فلک شیر سے۔'' اس کا لہجہ محبتوں میں کندھا ہوا تھا۔

''فلک شیر سے؟'' مجھے شاک لگا۔

''ہاں وہ تو کہہ رہا تھا ابھی مت جاؤ۔ جب تک میں چھٹی پر ہوں یہیں رہو' مگر میں بھاگ آئی۔ مجھے اس کی دیوانگیوں سے خوف آنے لگا ہے مون۔ اور تمھیں پتہ ہے مون وہ کہتا ہے اگلی چودہ فروری کو وہ مجھے ساتھ لے جائے گا۔ مگر میں جانتی ہوں وہ مجھے لینے نہیں آئے گا۔ مجھے خود ہی جانا پڑے گا۔'' وہ اداس ہوگئی۔

''ایمی۔'' میرا جی چاہا میں اسے بتاؤں کہ اس سراب میں کچھ نہیں۔ فلک شیر کا قصہ ختم ہو چکا۔ مگر وہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''مون کبھی کبھی میں سوچتی ہوں اگر فلک شیر کو مجھ سے جدا کر دیا جائے تو میں مر جاؤں گی مگر ایسا ہو سکتا ہے بھلا۔ تم نے کبھی پھول سے خوشبو جدا دیکھی ہے۔ نہیں ناں۔ فلک شیر بھی مجھ سے جدا نہیں ہو سکتا۔ چاہے کچھ ہو جائے۔''

اور میں جس نے ابھی ابھی آنٹی سے کیا گیا عہد نبھانے کا ارادہ کیا تھا اسے توڑ رہی ہوں' ایمن کی آنکھوں کے جلتے دیپ بجھانے کی مجھ میں سکت نہیں۔ فلک شیر اس سے چھن گیا یہ مشیت ایزدی ہے مگر اسے جدا کرنے کا مجھے کوئی حق نہیں اگر ایمن شیرازی کے ساتھ وہ ہے تو ہمیں کیا' ہمیں نظر نہ آئے۔ ایمن کو تو نظر آتا ہے وہ تو اسے محسوس کرتی ہے اور اس محبت کے کھیل میں سارا کام ہی احساسات کا ہے۔ وہ ہنس رہی ہے۔ اور میں بھی پہلے کی طرح اس کے ساتھ شریک ہوگئی ہوں۔

☆☆☆☆

www.pkdigest.com

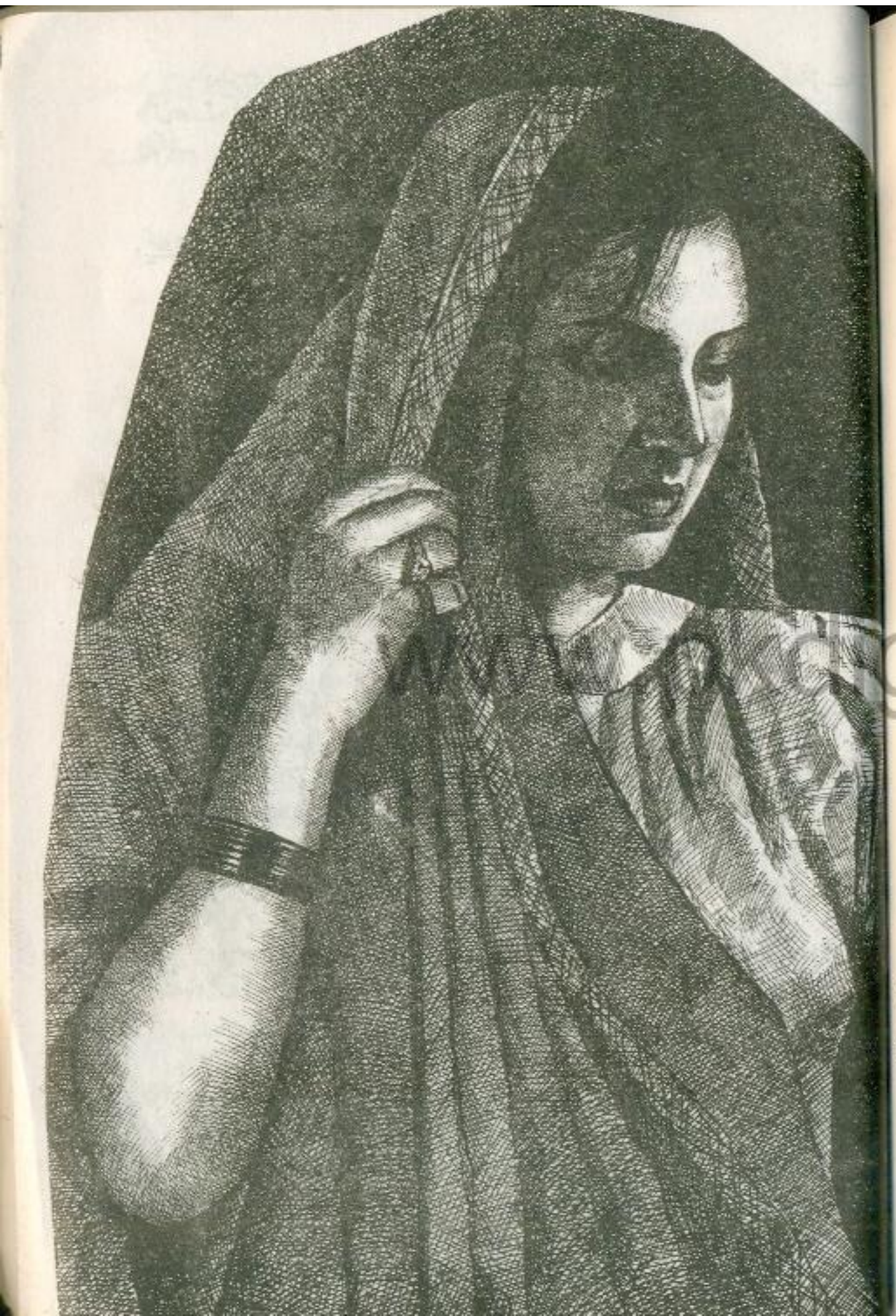

پیاسا دشت

فرحت شوکت

آٹھویں قسط کا خلاصہ

حافظ رائد حسن تنزیلہ آپی کی باتوں سے پریشان ہو جاتا ہے۔ ان کی بابا جان سے ملنے کی خواہش کو جان کر وہ محض خاموش ہو جاتا ہے۔ وہ بابا جان کو تنزیلہ آپی سے ملنے پر راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ ہرگز قائل نہیں ہوتے۔ ہاسپٹل پہنچنے پر اسے تنزیلہ آپی کی ڈیتھ کا علم ہوتا ہے جس کے باعث وہ اپنا ضبط کھو دیتا ہے اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑتا ہے۔

ادیبہ بابا کے ساتھ رائد کے گھر تعزیت کیلئے جاتی ہے۔ بابا رائد سے کافی حد تک متاثر نظر آتے ہیں۔ وہ اس وقت شدید الجھن میں پڑ جاتی ہے جب رائد اس سے کی گئی رقم کو لوٹانے کی بات کرتا ہے۔ سمیر پر کوئی فردِ جرم عائد نہ ہو سکا تھا لہٰذا اسے باعزت بری کر دیا گیا تھا۔ ماما کو کالج کی طرف سے مستعفی ہو جانے کا لیٹر موصول ہوا تھا۔ جو ان کے لیے کسی صدمے سے کم نہیں تھا۔ جبکہ دوسری طرف روشین کی معذوری اور پھر طلاق ہو جانے کے باعث ماما کی پریشانی مزید بڑھ جاتی ہے۔

digest.com

اب آپ آگے پڑھیے

نویں قسط

وہ تمام ضروری کاغذات میز کی دراز میں رکھ کر باہر نکلنے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا مگر اسی لمحے بابا جان کو دفتر سے اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ وہیں رک گیا۔ بابا جان اس کے سامنے رکھی کرسی پر براجمان ہو گئے وہ بھی اپنی جگہ پر دوبارہ بیٹھ گیا۔

"یہ تمہارا موبائل ہے؟"

وہ جو پیپر ویٹ کو ہاتھ میں پکڑے غور سے دیکھنے میں مصروف تھا بابا جان کے سوال پر چونک کر ان کی جانب دیکھنے لگا جن کی نظر ابھی تک میز پر رکھے موبائل پر مرکوز تھی۔

"جی ہاں۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

اس کے جواب پر انہوں نے تیز نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"میں نے تمہیں وضع کیا تھا ناں یہ خرافات رکھنے سے پھر بھی تم باز نہیں آئے۔"

"شاید آپ کو معلوم نہیں ہے بابا جان، کچھ دن پہلے امی کی طبیعت بے حد خراب ہو گئی تھی اور آئمہ گھر میں اکیلی تھی۔ وہ مجھے بلانا چاہتی تھی مگر کیسے؟ وہ تو اتفاق سے میں اسی وقت گھر پہنچ گیا۔ ورنہ..... بہرحال میں نے یہ فون اپنی ضرورت یا شوق کے تحت نہیں رکھا۔ میں امی کے سلسلے میں کسی قسم کا کوئی رسک نہیں لے سکتا..... اور ویسے بھی خرابی کسی چیز میں نہیں بلکہ اس کے استعمال میں ہوتی ہے۔" اس نے رسانیت سے کہا پھر چند لمحوں بعد دوبارہ گویا ہوا..... "کچھ عرصہ پہلے آپ نے شک کی بناء پر گھر کے فون کا کنکشن کٹوا دیا تھا جو میں نے دوبارہ بحال کرا لیا ہے کیونکہ یہ بہت ضروری تھا۔"

اس کی بات سن کر بابا جان خاموش ہو گئے۔ ان کی یہ خاموشی اسے بہت غیر معمولی لگ رہی تھی۔

"ہوں ٹھیک ہے۔" قدرے توقف کے بعد بابا جان نے بس اتنا ہی کہا پھر طویل خاموشی کے بعد دوبارہ گویا ہوئے۔

"میں افضل خان کو آئمہ کیلئے باقاعدہ طور پر ہاں کہہ چکا ہوں۔ تنزیلہ کی وجہ سے میں نے انہیں گھر رشتہ لے کر آنے سے منع کر دیا تھا۔ جبکہ وہ شادی بہت جلد کرنا چاہ رہے ہیں۔ تم تمام انتظامات مکمل کر لینا۔"

اتنا کہہ کر وہ دفتر سے باہر چلے گئے۔ جبکہ وہ تھوڑی دیر پہلے والی ان کی مستقل خاموشی کا مقصد سمجھ گیا تھا۔

وہ کیسے بابا جان کو بتائے کہ یہ رشتہ کسی طور آئمہ کیلئے مناسب نہیں ہے۔ تنزیلہ آپی کے بعد وہ آئمہ کے سلسلے میں مزید محتاط ہو گیا تھا۔ سب کچھ جانتے ہوئے وہ اسے کسی کھائی میں کیسے دھکیل سکتا تھا۔ جبکہ بابا جان اپنے فیصلے سے ایک انچ پرے نہیں ہٹیں گے۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔

پھر کیا کرے؟

سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہو رہا تھا۔ کوئی راستہ سمجھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ پریشان سا اٹھ کھڑا ہوا اور دفتر سے باہر نکل آیا۔

☆.....☆.....☆

وہ اس وقت انتہائی بوریت محسوس کر رہی تھی۔ اس نے میگزین ٹیبل پر رکھا اور خود ٹیرس پر آ کھڑی ہوئی۔ آج کافی دنوں بعد موسم خوشگوار ہو رہا تھا۔ اس نے ایک نظر آسمان پر دوڑائی جو گہرے بادلوں سے مکمل طور پر ڈھکا ہوا تھا۔ تیز چلتی ٹھنڈی ہوا بھی اس کے اندر تک پھیلی اداسی کو دور نہیں کر پا رہی تھی۔ یہ موسم تو اس کے وجود میں جان سی بھر دیتا تھا لیکن آپ کچھ عرصہ سے وہ خود کو اس موسم کے باعث خوش نہیں رکھ پاتی تھی۔ ایسا کیوں تھا؟ وہ بالکل بے خبر تھی۔ ہر وقت اپنے اندر اسے کسی کمی کا احساس شدت سے ہونے لگا تھا۔ وہ کون سی کمی تھی جو اس کو مکمل نہیں ہونے دیتی تھی۔ وہ سمجھ نہیں پاتی تھی۔ بلکہ وہ پہلے سے زیادہ الجھ کر رہ جاتی تھی۔ اس وقت بھی وہ اسی کیفیت سے گزر رہی تھی۔ جس کو وہ کوئی نام نہیں دے سکی تھی۔

وہ مزید اس الجھن سے بچنے کی خاطر روشین کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں وہ کسی بک کو اسٹڈی کرنے میں محو تھی۔

وہ دبے قدموں سے چلتی ہوئی اس کے پاس جا بیٹھی اور آہستگی سے اس کے گلے میں بازو حمائل کر دیئے۔

روشین جو بک پر یک ٹک نظریں جمائے بیٹھی تھی اسے اپنے قریب دیکھ کر چونک سی گئی۔

"تم کب آئیں؟" روشین نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"جب تم اپنے خیالوں میں گم تھی میں تب ہی وارد ہوئی تھی۔"

اس نے اپنے دل و دماغ پر چھائی یاسیت کو جھٹک کر لہجے کو خوشگوار بناتے ہوئے کہا۔

روشین دھیرے سے مسکرا دی پھر گویا ہوئی۔

"میں خیالوں میں گم نہیں تھی بلکہ بک پڑھنے میں مصروف تھی۔"

"جی نہیں بظاہر آپ کی یہ پیاری آنکھیں صفحوں میں کھوئی ہوئی تھیں یہ آپکی سوچیں آپس میں بری طرح الجھ رہی تھیں، جانتی ہیں آپ؟" اس نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے اتنے صحیح اندازے پر روشین محض مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔

"ایک بات پوچھوں روشین سچ سچ بتاؤ گی ناں؟"

چند لمحوں بعد اس نے پوچھا۔

"ہاں بولو۔" روشین نے کہا۔

"تم اتنی چپ چپ اور الگ تھلگ سی کیوں رہنے لگی ہو؟"

اس کے سوال پر روشین ایک لمحے کیلئے کچھ نہ بول سکی اور خاموش ہو گئی۔

"پتہ نہیں کیوں اویہ، مجھے لگتا ہے میں..... میں خود سے بھی دور ہوتی جا رہی ہوں۔ میں خود کو بہت کمزور سمجھنے لگی ہوں۔ میرا دل اکتا سا گیا ہے خود سے، اپنے وجود سے، وہ بڑے غور سے اس کے چہرے کے اترتے چڑھتے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ کتنے دنوں کے بعد وہ آج اس سے اپنی اندرونی کیفیات کا ذکر کر رہی تھی ورنہ وہ جب سے یہاں آئی تھی ایک غیر محسوس خول میں بند ہوتی جا رہی تھی اور اس خول کو وہ جتنا توڑنے کی کوشش کرتی وہ اس میں اتنی لڑتی جا رہی تھی۔ وہ جانتی تھی روشین آہستہ آہستہ خود کو اس اذیت کی باہر نکالنے کی سعی ضرور کرے گی اور آج اس نے پہلی کوشش کی تھی۔ وہ انتہائی محویت سے اس کی باتیں سننے لگی۔

"مجھے اپنا آپ بہت خالی خالی سا لگنے لگا ہے یوں لگتا ہے جیسے میرے اندر کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ روشین فروز کہیں کھو سی گئی ہے لیکن کہاں؟ یہ میں نہیں جانتی ایسا کیوں ہوتا ہے میرے ساتھ اویہ؟" روشین نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ وہ جو بڑے مصروف سے انداز میں اس کی باتیں سن رہی تھی، اس کے سوال کرنے پر گہرا سانس لے کر بولی۔

"تم کمزور نہیں ہو روشین بلکہ تم کبھی کمزور ہو ہی نہیں سکتیں۔ تمہارے ساتھ جو حادثہ ہوا ہے اس کے نتیجے میں پہنچنے والی اذیت کے باعث تمہیں اپنا آپ خالی خالی سا ضرور محسوس ہونے لگا ہے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تمہاری پہچان، تمہاری شخصیت اور تمہارا وجود کہیں مسخ ہو گیا ہے۔ ایسا کچھ نہیں ہوا روشین۔ اگر ایسا ہوتا تو سب سے پہلے تمہارے احساسات، تمہارے جذبات اور تمہارے اندر پلنے والی وہ محبت ختم ہوتی جو تمہیں زندگی کا احساس دلاتی ہے۔ جو تمہیں اس بات کا احساس دلاتی ہے کہ کوئی بھی وجود یونہی ختم نہیں ہو جاتا۔" اس نے محبت سے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کو میں لیے اور مسکرا کر مزید بولی۔ "تمہارے اندر محبت زندہ ہے روشین اور جب محبت زندہ ہوتی ہے ناں تو اپنے وجود کو یوں مرتے ہوئے نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

اس کا لفظ لفظ روشین اپنے اندر اترتا محسوس کر رہی تھی۔ وہ انتہائی حیرت سے اسے تکنے لگی جو محبت کو اتنی

www.pkdigest.com

گہرائی سے کیسے جانتی ہیں؟"

اس کے چہرے پر پھیلی حیرانگی دیکھ کر وہ ہلکا سا مسکرادی۔

"میں جانتی ہوں تم یہی سوچ رہی ہوناں کہ میں اتنی بڑی بڑی باتیں کیسے کر لیتی ہوں تو ڈیئر روشین محبت تو انسان کے خاص طور پر عورت کے خمیر میں گوندھی ہوتی ہے۔ بس وہی ادبی محبت میرے اندر بھی کہیں بستی ہے انڈراسٹینڈ۔" "اور کتنا خوش نصیب ہوگا ناں وہ شخص جسے تمہاری محبت ملے گی۔" روشین نے اس کی ناک کو ہلکا سا چھوتے ہوئے شگفتہ سے انداز میں کہا۔

"نہیں روشین خوش نصیب وہ نہیں میں ہوں گی جسے کسی بے پناہ محبت نصیب ہوگی۔ تمہیں پتہ ہے چاہے جانے کا احساس پر احساس پر کس قدر حاوی ہوتا ہے۔" اس نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"تم اتنی اچھی اچھی باتیں کیسے کر لیتی ہو ادیبہ؟" روشین کے یوں حسرت بھرے انداز میں کہنے پر اس نے فرضی کالر جھاڑتے ہوئے کہا۔

"یہی تو ادیبہ رضا کی اسپیشلٹی ہے جناب۔"

اس کی بات پر روشین نے تائیدی انداز میں سر ہلادیا۔

"روشین ایک بات پوچھوں۔"

کچھ دیر بعد اس نے باتوں کے دوران اچانک سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"ہوں پوچھو۔" روشین نے کہا۔

"تم زوہیب بھائی کا فون اٹینڈ کیوں نہیں کر رہیں؟"

اس کا سوال سن کر ایک لمحہ کیلئے روشین بالکل خاموش ہوگئی۔

"مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ تم دوسروں سے کتراتے کتراتے خود سے بھی نظریں چرانے لگی ہو؟"

اس کی اگلی بات سن کر بھی وہ بالکل چپ ہی رہی اور کچھ نہ بولی بس اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنسائے وہ کسی الجھن میں مبتلا دکھائی دے رہی تھی۔ اس سے مزید اس کی یہ چپ برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ کچھ دیر اس کے بولنے کا انتظار کرنے کے بعد دوبارہ گویا ہوئی۔

"بتاؤ ناں روشین کیا بات ہے۔ تم کیوں زوہیب بھائی کے ساتھ یہ سب کر رہی ہو۔ تم جانتی ہوناں وہ تمہیں کتنا چاہتے ہیں؟"

"پلیز ادیبہ، میں اس سلسلے میں تم سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتی۔" روشین نے قطعی انداز میں کہا۔

"تم آخر ایسا کیوں کر رہی ہو، حالانکہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ....."

"ادیبہ پلیز اسٹاپ اٹ میں جانتی ہوں تم کیا کہو گی۔ لیکن میں کچھ بھی سننا نہیں چاہتی۔ میں چاہے جانے کے قابل نہیں رہی ادیبہ لڑکی تو تو انڈراسٹینڈ۔"

اس نے دیکھا روشین کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔ اس کے چہرے سے جھلکتا دکھ اس کے اندرونی خلفشار کو عیاں کر رہا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو چپ ہوگئی۔

"خود کو کمتر مت سمجھو۔" اس نے نرمی سے کہا۔

"کمتر کیوں نہ سمجھوں جبکہ میرے اندر ڈھیر ساری خامیاں موجود ہیں، میں جانتی ہوں میں نامکمل ہوں پھر ایسے میں کوئی شخص مجھے چاہنے کا دعویٰ کرلے تو کیا میں خود سے نظریں چرانے لگ جاؤں، ہرگز نہیں ادیبہ۔ وہ بمشکل خود پر ضبط رکھے ہوئے تھی۔

"پلیز تم میرا ایک کام کردو ادیبہ۔" تھوڑی دیر بعد روشین نے آس بھری نظروں سے اس کی جانب دیکھ کر کہا۔ "تم ماما سے کہو میرے لیے پریشان مت ہوں۔ میں جانتی ہوں وہ میرے لیے کسی اچھے سے رشتے کی

تلاش میں ہیں جبکہ میں بار بار ٹھکرائے جانے کے عمل کو نہیں سہہ سکتی۔ میں ایسے ہی خوش ہوں، بلکہ بہت خوش ہوں۔ تم انہیں سمجھاؤ میں دوبارہ ایسی آزمائش میں پڑنا نہیں چاہتی۔"

بولتے بولتے روشین کا گلا رندھ گیا تھا۔

وہ محض اسے دیکھ کر رہ گئی۔ پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

"میں کہہ دوں گی ان سے لیکن روشین اگر ماما زوہیب بھائی کے پروپوزل کیلئے ہاں کہہ دیتی ہیں پھر شاید میں بھی تمہاری حمایت نہ لے سکوں۔ کیونکہ زوہیب بھائی سے زیادہ تمہیں دنیا میں کوئی نہیں چاہ سکتا۔" اس نے پوری سچائی سے کہا۔ "پاپا آجکل ماما کو کنوینس کر رہے ہیں لیکن ماما ہیں کہ ان پر کوئی بات اثر انداز ہی نہیں ہو رہی۔ مگر میرا دل کہتا ہے اس بار زوہیب بھائی خالی ہاتھ نہیں لوٹیں گے۔"

وہ اپنی بات مکمل کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چائے بنانے جا رہی ہوں، تم پیو گی؟"

جاتے جاتے اس نے پوچھا۔

روشین نے نفی میں سر ہلادیا تو وہ کچھ بھی کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گئی اور اپنے لیے چائے بنا کر دوبارہ اپنے کمرے کے ٹیرس پر آ کھڑی ہوئی۔ خیال آنے پر اس نے اپنا موبائل اٹھا کر دیکھا جس پر متعدد مسڈ کالز آئی ہوئی تھیں۔ نیا نمبر ہونے کی وجہ سے اس نے لاپرواہی سے موبائل دوبارہ ٹیبل پر رکھا اور واپس پلٹ ہی رہی تھی کہ موبائل ایک بار پھر بج اٹھا۔

وہ موبائل کی طرف متوجہ ہوگئی جس پر وہی نمبر جگمگا رہا تھا۔ اس نے فون کان سے لگالیا۔

"ہیلو....."

"السلام علیکم، کیسی ہیں آپ؟" وہی شناسا سا آواز جیسے سنے اسے اتنے دن ہوگئے تھے۔ لاشعوری طور پر وہ اس کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔ اور اب اس کی آواز سن کر وہ اندر ہی اندر مطمئن ہوگئی تھی مگر دوسرے ہی لمحے کچھ یاد آنے پر وہ خاموش ہوگئی۔

"آپ نے جواب نہیں دیا؟"

"ٹھیک ہوں"

اس کے پوچھنے پر وہ بدقت تمام اتنا ہی بول پائی۔

"پتہ نہیں کیوں مجھے لگ رہا ہے۔ آپ کو میری طرف سے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے؟" اس کا انداز سوالیہ تھا۔ وہ چونک سی گئی۔

"کیوں، مجھے آپ کی طرف سے غلط فہمی کیوں ہوگی بھلا؟" اس نے جواباً سوال کیا۔

"اس دن آپ کا رویہ کچھ عجیب سا تھا میرے ساتھ حالانکہ....."

"غلط فہمی آپ کو ہو رہی ہے، مجھے نہیں، میرا رویہ بالکل درست تھا۔" اس نے بات کاٹ کر کہا۔

"آپ کے نزدیک آپ کا رویہ درست تھا لیکن مجھے ایسا کیوں لگ رہا تھا کہ آپ۔ مجھ سے اجنبیوں کی طرح پیش آ رہی تھیں۔" اس نے جرح کی۔

"تو اس میں غلط کیا ہے آپ میرے لیے اجنبی ہیں اور میں آپ کے لئے۔" اس نے بڑے عام سے انداز میں کہا جبکہ دوسری طرف گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ اگلے کئی لمحوں تک اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی مگر بے سود۔ ایک پل کیلئے اسے لگا جیسے فون آف ہو چکا ہے۔ اس نے موبائل اسکرین دیکھی۔ کال ڈس کنیکٹ نہیں کی گئی تھی۔ اس نے دوبارہ فون کان سے لگالیا۔

"ہیلو....."

www.pkdigest.com

"میں آپ کے لیے اجنبی ہو سکتا ہوں لیکن آپ میرے لیے کبھی اجنبی ہو سکتیں۔"
اتنا کہہ کر دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔
نجانے کتنی دیر تک وہ ہاتھ میں پکڑے فون کو غائب دماغی سے تکتی رہی وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی دوبارہ ٹیرس پر آ کھڑی ہوئی اور بالکل سامنے لگے سفیدے کے درخت پر نظر جما دیں۔ پھر کچھ ہی دیر بعد اس نے اسی نمبر پر رنگ بیک کیا۔ جو دو تین بیل کے بعد اٹھا لیا گیا۔
"ہیلو....."
اُس کی بھاری آواز سن کر ایک لمحے کیلئے وہ خاموش ہو گئی پھر قدرے سنبھل کر بولی۔
"آپ نے ابھی کہا میں آپ کیلئے کبھی اجنبی نہیں ہو سکتی۔ لیکن میں آپ کی اس بات پر کیسے یقین کروں؟"
"کیا مطلب؟" اس نے پوچھا۔
"مطلب یہ کہ اگر میں آپ کے لئے اجنبی نہ ہوتی تو آپ کبھی رقم لوٹانے کی بات نہ کرتے۔" اتنے دنوں کا شکوہ زبان پر آ ہی گیا تھا۔
اسے لگا اس کی یہ بات سن کر وہ مسکرایا ہے۔ وہ اچھنبے کا شکار ہو گئی تھی۔
"شاید آپ جانتی نہیں مس اویہ رضا کمال صاحب کے پیسوں کا لین دین اجنبیوں کے درمیان ہرگز نہیں ہوتا یہ تو..... خیر چھوڑیئے اگر آپ کو میرا ایسا کرنا برا لگا ہے تو پلیز معذرت..... آئندہ خیال رکھوں گا۔"
اس کی بات سن کر وہ کچھ نہ بول سکا۔
"اب بھی کوئی بات بری لگی ہے آپ کو؟" اس کے پوچھنے پر وہ چونک سی گئی۔
"نن نہیں۔" اس نے آہستگی سے کہا پھر فون بند کر دیا۔
وہ بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی اور غیر ارادی طور پر اس کی باتوں اور لہجے کو سوچنے لگی۔
"آئندہ خیال رکھوں گا۔"
اس کے کہے گئے جملے کی بازگشت اسے بہت بھلی لگ رہی تھی۔ وہ بے اختیار مسکرا دی۔ نجانے کتنی دیر تک وہ اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی پھر کچھ یاد آنے پر فوراً کمرے سے باہر نکل گئی اور سمیر کے کمرے میں چلی آئی۔
پاپا اس کی پڑھائی میں بڑھتی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے اسے لاہور اسٹڈیز کے سلسلے میں بھیج رہے تھے۔ کل صبح اس کی فلائیٹ تھی اور ماما نے سمیر کی پیکنگ کرنے کی ذمہ داری اسے سونپی تھی جو وہ یکسر فراموش کر چکی تھی۔
وہ جلدی جلدی اس کی پیکنگ کرنے لگ گئی۔
"اویہ....."
تقریباً آدھے گھنٹے بعد جب وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی پاپا کے پکارنے پر لاؤنج میں چلی آئی جہاں ماما بھی صوفے پر بالکل خاموش بیٹھی تھیں۔
"جی پاپا۔"
وہ لاؤنج کے دروازے میں کھڑی رہی۔
"اویہ بیٹا تم ہی اپنی ماں کو سمجھاؤ کہ خواہ مخواہ کی ضد اور انا چھوڑ دیں۔ اسی ضد اور انا کی وجہ سے اس نے ایک بار روشین کی زندگی برباد کر دی ہے کام یہ دوبارہ کرنا چاہتی ہے۔"
پاپا دھیمے مگر سخت لہجے میں بول رہے تھے۔ وہ ماما اور پاپا کے درمیان ہونے والی گفتگو سمجھ چکی تھی اسی لیے ان کے پاس جا بیٹھی اور محبت سے گویا ہوئی۔
"پاپا صحیح کہہ رہے ہیں ماما۔ روشین زوہیب بھائی کے ساتھ بہت خوش رہے گی بڑی ماما اتنی محبت اور چاہت سے روشین کو مانگ رہی ہیں۔ ان کے خلوص کو مت ٹھکرائیں۔ جس کنڈیشن میں اس وقت روشین ہے

اس میں کوئی بھی اسے قبول کرنے کا ظرف نہیں رکھتا سوائے زوہیب بھائی کے۔"
ماما خلاف معمول خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھیں۔
"پلیز ماما آپ ایک بار سوچیے تو سہی کون روشین کو بیاہے گا؟"
یہ الفاظ کہتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ مزید کچھ نہ بول سکی اور چپ ہو گئی۔
ماما بالکل چپ تھیں۔ وہ بظاہر خود کو پرسکون ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن ان کے چہرے پر پھیلی لکیریں ہوئیں ان کے اندر کی الجھنوں کو نمایاں کر رہی تھیں۔ وہ شدید کشمکش و پیچ کا شکار ہو رہی تھیں۔
پاپا لاؤنج سے باہر جا چکے تھے جبکہ وہ بڑی امید سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اٹھیں اور اپنے کمرے کی طرف چل پڑیں۔ پتہ نہیں کیوں اسے لگ رہا تھا کہ ماما مان جائیں گی لیکن وہ زیادہ پرامید نہیں تھی کیونکہ ماما کے دل میں بڑی ماما کے خلاف جو غبار بھرا تھا وہ اتنی آسانی سے نکلنے والا نہیں تھا۔

☆☆

"اگلے جمعہ تک سارے انتظامات مکمل کر لینا۔ میں نے افضل خان کو شادی کی تاریخ دے دی ہے۔ شادی نہایت سادگی سے ہونی چاہیے۔"
ان کی بات سن کر وہ اپنی جگہ پر منجمد سا ہو گیا۔ کتنی ہی دیر تک وہ سر اٹھا کر بابا جان کو نہ دیکھ سکا۔
"افضل خان وقت کا بہت پابند ہے، خیال رکھنا۔"
"لیکن بابا جان ابھی تو آپی کا غم بھی ہلکا نہیں ہوا اور آپ آئمہ کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔"
اس نے تاسف سے ان کے مطمئن چہرے کو دیکھا۔
"اس میں حرج ہی کیا ہے، اس کا سوگ منانے کیلئے ساری زندگی پڑی ہے مناتے رہنا۔" انہوں نے انتہائی بے حسی سے کہا۔ وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔
"انتظامات مکمل ہو جائیں گے بابا جان مگر آپ آئمہ کی شادی کس سے کر رہے ہیں؟" اس نے اپنے لہجہ کو قدرے پرسکون رکھتے ہوئے سوالیہ انداز میں پوچھا۔
"تمہیں بتایا تو ہے افضل خان کے بیٹے جاوید سے۔" خلاف توقع بابا جان کا لہجہ نرم تھا۔
"لیکن بابا جان جہاں جہاں تک مجھے دکھائی دے رہا ہے آئمہ کی شادی جاوید سے ہرگز نہیں ہو گی۔"
اس نے پہلی بار بابا جان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مضبوط لہجے میں کہا پھر فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔
مسلسل سوچنے کے باعث اس کا ذہن بری طرح الجھ سا گیا تھا۔
وہ کیسے بابا جان کو یہ قدم اٹھانے سے روکے، اسے کوئی طریقہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔
وہ کس قدر مجبور و بے بس تھا کہ اپنے سامنے اپنی بہن کی زندگی برباد ہوتے دیکھنے جا رہا تھا۔
"نہیں"
اس نے سختی سے نفی میں گردن ہلائی۔
اسی ادھیڑ بن میں اگلے چار روز گزر چکے تھے۔ جب بابا جان انتہائی غیض و غضب کے عالم میں اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے اور خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا اخبار زور سے اس کے منہ پر دے مارا۔
"کیا ہے یہ سب؟"
بابا جان کے لہجے میں غراہٹ تھی۔
اس نے اطمینان سے اخبار اٹھایا اور پہلے صفحے پر موجود خبر کو پڑھنے لگا۔
"مولانا حسن عالم کی چھوٹی صاحبزادی کو نوید جمال کے ساتھ کل بروز جمعہ مبارک کو رشتہ ازدواج میں منسلک کیا جا رہا ہے۔" اس نے شہ سرخی پڑھی پھر

www.pkdigest.com

"یہ خبر تم نے پریس میں لگوائی ہے؟"
بابا جان کا غصے سے برا حال تھا۔ انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ اس سے کس لہجے میں بات کریں۔
"جی ہاں۔"
اس کے جواب پر بابا جان نے ایک زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر رسید کر دیا پھر دھاڑ کر بولے۔
"تمہاری اتنی جرأت کہ تم مجھے نیچا دکھاؤ، اپنے باپ کو ہیچ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آئی۔ ارے تم جیسی اولاد کو تو پیدا ہوتے ہی مر جانا چاہیے تھا جس نے باپ کی زندگی کو جہنم بنا ڈالا ہے۔ میری عزت، میری غیرت اور میرے نام کا بھی پاس نہیں رکھا تم نے۔ برسوں سے بنایا میرا نام اور عزت شہرت سب خاک میں ملانے پر تلے ہو تم۔ میں دیکھتا ہوں گل آئمہ کی شادی کس سے ہوتی ہے؟" بابا جان کے تیور انتہائی خطرناک دکھائی دے رہے تھے وہ مزید خاموش نہ رہ سکا اور قدرے تیز لہجے میں بولا۔ "آپ کو جو کرنا ہے کر لیجئے گا بابا جان، لیکن میں بھی اتنا کمزور نہیں ہوں۔ آپ ہی کا بیٹا ہوں، خون ہوں آپ کا۔ اپنے فیصلے سے ہرگز پیچھے نہیں ہٹوں گا۔"
"تم..... تم ہو کیا تمہاری اوقات کیا ہے میرے سامنے کہ تم مجھ سے بات کر سکو۔" بابا جان طیش کے عالم میں اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولے۔
"میری کوئی اوقات نہیں ہے اور نہ میں اپنی اوقات کو آپ جتنی اونچی بنانا چاہتا ہوں جس کے پیچھے سے مجھے رشتوں کی اہمیت نظر ہی نہ آ سکے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی مادہ پرستی میں گزار دی اور اب آپ چاہتے ہیں میں بھی آپ کے نقش قدم پر چلوں ہرگز نہیں بابا جان۔ میں اتنا اندھا نہیں ہوا کہ اپنی غرض کی خاطر اتنے خوبصورت رشتوں کی قربانی دے ڈالوں۔"
"بکواس بند کرواپنی۔" بابا جان دھاڑے۔
"میری باتیں بکواس لگتی ہیں آپ کو۔ لیکن آج میں آپ کے چیخنے کی پرواہ نہیں کروں گا بابا جان۔ ساری زندگی آپ کو صرف چیختے چلاتے ہی سنا ہے میں نے لوگوں کو میٹھی زبان کا درس دیتے ہیں اور خود آپ کی زبان اپنے گھر میں اس قدر کڑوی ہوتی ہے کہ زندگی سے دور ہو جانے کو دل کرتا ہے۔ باپ کو اعتماد ہونا چاہیے اپنی اولاد پر خصوصاً بیٹیوں پر مگر آپ نے ہمیشہ تنزیلہ آپی اور آئمہ کو شک کی نگاہ سے دیکھا۔ یہ خیال کیے بغیر کہ اس طرح ان کے ذہنوں پر کتنے غلط اثرات پڑیں گے اور میں؟ مجھے آپ نے قرآن تو حفظ کرایا ہے بابا جان لیکن میرے اندر دین کی وہ محبت نہیں ڈالی جس سے میں اپنے سینے میں موجود قرآن کے حروف کی پاسداری کر سکوں، نگہبانی کر سکوں۔ آپ نے مجھے حافظ بنایا تا کہ آپ اپنے حلقے میں فخر کے ساتھ کہہ سکیں کہ آپکا بیٹا حافظ ہے۔ آپ نے ہر چیز کو اپنی سمجھ اور غرض کے طور پر استعمال کیا ہے۔ لیکن میں ایسا نہیں کر سکا اور نہ کروں گا۔ میں جیسا بھی ہوں لیکن اللہ سے ڈرتا ہوں۔" میں کہتا ہوں اپنی بکواس بند کرو ورنہ میں....."
"کیا کر لیں گے آپ؟" وہ بے خوفی سے بولا۔ "گھر سے باہر نکال دیں گے مجھے یا میرے اس طرح سے بولنے کی سزا امی کو دیں گے طلاق کی دھمکی کی صورت میں؟"
"میں نے تمہارے جیسی نالائق اور خبیث اولاد کسی کی نہیں دیکھی۔" بابا جان اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے مزید گویا ہوئے۔ "اگر تم نے کل کچھ ایسا ویسا کرنے کی کوشش کی تو میں بہت برا حشر کروں گا تمہارا۔"
"جو کرنا چاہتے ہیں کر لیجئے گا بابا جان۔ لیکن کل وہی ہوگا جو اخبار میں لکھا ہے۔"
اس نے مستحکم لہجے میں کہا۔
"تم میرا نقصان کرنے پر تلے ہو، آخر چاہتے کیا ہو تم؟" بابا جان نے سخت نظروں سے اسے دیکھا۔
"آپ کو اپنے نقصان کی فکر ہے....." اپنی بیٹی کے نقصان کی فکر نہیں ہے آپ کو۔ جس کی پوری زندگی داؤ پر لگانے جا رہے ہیں آپ۔"

اس نے تاسف سے ان کی جانب دیکھا۔
"میں اسی کے فائدے کیلئے یہ سب کر رہا ہوں۔" بابا جان نے دھیمے مگر ٹھوس لہجے میں کہا۔
"کونسا فائدہ بابا جان، وہی جو آپ نے تنزیلہ آپی کے لئے سوچا تھا۔ فائدہ تو آپ کو ہوا تھا وہ تو خسارہ میں ہی رہی تھیں اپنی آخری سانس تک۔" اس کی آواز لرز اٹھی تھی۔
"میں تم سے کسی قسم کی بحث کرنا نہیں چاہتا۔" بابا جان نے خاصے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔
"بحث تو میں بھی کرنا نہیں چاہتا بابا جان لیکن یہ حقیقت مان لیجئے کہ آپی بالکل بے قصور تھیں اور یہ وقت آپ کو ثابت کر دے گا۔"
وہ اپنی بات ختم کر کے آگے کی طرف بڑھ رہا تھا جب بابا جان کی آواز پر پلٹ کر انہیں دیکھنے لگا۔
"اگر تم واقعی میرے بیٹے ہو تو کل وہی کرو گے جو میں چاہوں گا۔"
"بیٹا تو میں آپ ہی کا ہوں بابا جان۔ اس لیے کل میں وہی کروں گا جو مجھے مناسب لگے۔ اور ہاں کل پرنٹ میڈیا اور الیکٹرک میڈیا کے کچھ لوگوں کو بھی میں نے دعوت دی ہے اور آپ یقیناً ایسا بالکل نہیں چاہیں گے جس سے آپ کے حلقے میں آپ کے نام پر یا آپ کی شہرت پر کوئی حرف آئے۔ کل آئمہ کو اپنی دعاؤں میں ایک باپ ہونے کی حیثیت سے رخصت کرنے ضرور آئے گا۔"
وہ اتنا کہہ کر رُکا نہیں اور گھر سے باہر نکل گیا۔
وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا یہ قدم صحیح تھا یا غلط لیکن وہ مطمئن ضرور تھا۔

☆.....☆.....☆

پچھلے دنوں نازیہ کی شادی کے باعث گھر میں موجود اداسی قدرے کم ہو چکی تھی۔ ماما نے پس و پیش سے کام لیتے ہوئے شادی میں شرکت کی تھی لیکن بڑی ماما کیلئے یہ بھی بہت تھا ورنہ انہیں ڈر تھا کہ ماما ہرگز بڑی ماما کے گھر نہیں آئیں گی۔ پاپا بھی ماما کے اس اقدام سے خاصے مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔ یہ ماما کا اٹھایا قدم ہی تھا جس کی بناء پر بڑی ماما کچھ ہی دنوں بعد زوہیب بھائی کا رشتہ لے آئیں۔
"تم یقین کرو نائمہ میں روشین کو اپنی بیٹی بنا کر رکھوں گا۔ اسے میرے گھر کسی چیز کی تکلیف نہیں ہوگی اور سب سے بڑھ کر روشین تو میرے بیٹے کی پسند ہے اور اس کی پسند میرے لیے دنیا کی ہر شے سے زیادہ قیمتی ہے۔ تمہارے دل میں میرے لئے جتنی غلط فہمیاں ہیں، خدا کے واسطے اس سب کو نکال پھینکو۔" بڑی ماما اپنے مخصوص نرم نرم انداز میں بول رہی تھیں جبکہ ماما خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھیں۔
"میں نے کبھی تمہارے لیے غلط نہیں چاہا نائمہ۔ تم میری دور پرے کی کزن تھیں لیکن میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی بہنوں کی طرح چاہا تھا۔ اور اب بھی اتنی ہی محبت کرتی ہوں۔ جتنی محبت سے میں نے تمہیں رضا کی زندگی میں لانے کے جتن کیے تھے۔ اتنی ہی محبت میرے دل میں روشین کیلئے ہے۔ میں اسے اپنی بہو بنا کر اپنی خوش قسمتی سمجھوں گی۔ میرے خلوص پر شک مت کرنا نائمہ۔ اگر تم دل سے راضی ہو جاؤ تو مجھے اپنی بیٹی دے دینا۔"
اس دوران ماما بالکل خاموش ہی رہیں۔
بڑی ماما جا چکی تھیں جبکہ ماما گہری سوچوں میں غلطاں تھیں۔
وہ انہیں سوچتے دیکھ کر الٹے قدموں واپس مڑ گئی اور روشین کے پاس چلی آئی۔
"کیا سوچ رہی ہو؟"
وہ روشین کے بیڈ پر اس کے بالکل قریب بیٹھے ہوئے بولی۔
"کچھ نہیں۔" روشین نے نہایت آہستہ آواز میں کہا جسے وہ بمشکل سن پائی تھی۔
"لگتا ہے آج تو ہمارے گھر میں سوچنے کی مہم شروع ہو چکی ہے۔ جہاں جاؤ وہ بس سوچ ہی رہا ہے۔" اس

www.pkdigest.com

نے ہلکے پھلکے سے انداز میں کہا تو روشین محض مسکرا کر رہ گئی۔
"اور کون سوچ رہا ہے؟" چند لمحوں بعد روشین نے استفسار کیا۔
"ماما سوچ رہی ہیں تمہارے لیے آنے والے پروپوزل کے بارے میں۔"
اس نے مزے سے بتایا جسے سن کر روشین نے رخ دوسری طرف پھیر لیا تھا۔
"کیا ہوا؟" اس نے روشین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا جو انتہائی سنجیدہ دکھائی دے رہی تھی۔
"کچھ نہیں ادیبہ بس میں..... میں شادی کرنا نہیں چاہتی۔" روشین کا لہجہ خاصا بکھرا ہوا تھا۔
"کیوں؟" اس نے پوچھا۔
"وجہ تم جانتی ہو۔" روشین نے دکھ سے کہا۔
"تمہاری یہ وجہ کوئی معنی نہیں رکھتی۔" اس نے لاپرواہی سے کہا۔
"لیکن میرے لیے یہ وجہ بہت اہم ہے۔" روشین نے خاصا زور دے کر کہا۔
"تمہارے لیے ہوگی لیکن زوہیب بھائی کے لیے ہرگز نہیں ہے۔ جو محبت کرتے ہیں ناں روشین سچی
بت۔ انہیں جسم سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ انہیں بس اس شخص کی ذات سے غرض ہوتی ہے جس کو وہ چاہتے ہیں۔ اور
وہیب بھائی انہی میں سے ایک ہیں۔ اگر ان کی محبت وقتی ہوتی تو وہ اب تک شادی کر چکے ہوتے یا پلٹ کر تمہاری
رف بھی نہ دیکھتے۔"
اس کی بات سن کر روشین خاموش سی ہوگئی۔
"تم کوئی بات بھی دل میں غلط مت لاؤ پلیز۔ تم دیکھنا جو ہوگا بہت بہتر ہوگا۔" اس نے دلاسہ دیا۔
"چھوڑو یہ بتاؤ تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے؟"
کچھ دیر بعد روشین نے پوچھا۔
"بالکل ٹھیک بلکہ بہت مزا آ رہا ہے۔" اس نے خوشی سے بتایا۔
"اور وہ تم نے رائد کے متعلق بتایا تھا مجھے کیسا ہے وہ؟"
"پتہ نہیں ٹھیک ہی ہوگا۔"
اس نے بے اختیار سر جھکا کر جواب دیا تو روشین اس کی اس حرکت پر مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔
"کیوں تمہارا اس سے کوئی رابطہ نہیں ہوا؟"
روشین کے سوال پر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
"یہ ضروری تو نہیں ہے کہ وہی تمہیں فون کرے تم اسے کال کر لو۔"
روشین کی بات پر اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔
یہ خیال اسے کیوں نہیں آیا تھا؟ پچھلے چند دنوں سے اس نے اسے ایک بھی فون نہیں کیا تھا اور وہ غیر ارادی
پر اس کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔
تھوڑی دیر وہ روشین سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔
☆.....☆.....☆
"امی آپ خوش تو ہیں ناں؟"
اس نے ان کے نحیف ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر پوچھا تو انہوں نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔
"بہت خوش ہوں بیٹا، اللہ تمہیں اس کا اجر دے گا۔"
"میں کل آئمہ کی طرف گیا تھا بہت خوش ہے وہ نوید بہت خیال رکھتا ہے اس کا۔" اس نے بتایا۔
"تیرا شکر ہے مولا۔ کاش میری تنزیلہ بھی زندہ ہوتی اور بہت خوش رہ رہی ہوتی۔" امی کی آنکھوں سے

مسلسل آنسو رواں تھے۔ ان کی بات سن کر وہ گہرا سانس لے کر رہ گیا۔
"نوید کردار کا بہت اچھا ہے امی۔ بس آپ دعا کیجیے گا کہ وہ ہمیشہ خوش رہے۔"
"انشاءاللہ۔" امی نے بے اختیار کہا
"آپ دوائیں لے رہی ہیں ناں باقاعدگی سے۔" اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی دوائیوں کو دیکھتے ہوئے
پوچھا۔
"ہاں بیٹا لے رہی ہوں۔" انہوں نے جواب دیا۔
"بس اب تو ایک ہی ارمان ہے۔" انہوں نے محبت لٹاتی نظروں سے اس کے چہرے کو اپنے دونوں
ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ اس لمحے ان کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھی تھیں۔ وہ ایک لمحہ کو دیکھتا رہ گیا۔
"وہ کیا؟" اس نے انجانے میں پوچھا۔
"تمہاری شادی کا۔" امی نے فوراً کہا۔ جبکہ وہ محض مسکرا کر رہ گیا۔ "آپ بھی کس قسم کے ارمان رکھتی ہیں
امی۔" اس نے لطف اٹھایا۔
"کیوں کیا ہوا میرے ارمانوں کو۔ یہ تو ہر ماں کا ارمان ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچے کے بچوں کو کھلائے خیر یہ
بتاؤ اس دن جو لڑکی آئی تھی۔ کون تھی؟
ان کے اس طرح پوچھنے پر وہ کئی لمحوں تک کچھ بھی نہ بول سکا۔ پھر تھوڑی دیر بعد گویا ہوا۔
"ادیبہ تھی۔ آپ اس کو جانتی تھیں اور وہ میری یونیورسٹی میں بھی پڑھتی تھی۔" اس نے مختصراً بتایا۔
"بہت اچھی ہیں۔" امی نے زیر لب کہا جسے وہ بمشکل سن پایا تھا۔
"میں ذرا باہر تک جا رہا ہوں امی تھوڑی دیر تک آ جاؤں گا۔"
وہ مزید وہاں نہ بیٹھ سکا اور باہر نکل گیا۔
کتنے دن ہو گئے تھے وہ اسے فون ہی نہیں کر سکا تھا۔
"لیکن اس کا بھی تو فون نہیں آیا تھا۔"
اس کا مطلب ہے کہ وہ اکیلا ہی..... اس نے پتلون کی جیب سے موبائل نکالا اور اس کا نمبر پریس کرنے لگا
مگر پھر اچانک فون آف کر دیا اس نے ایسا کیوں کیا تھا؟ وہ نہیں جانتا تھا۔
وہ ہاتھ میں موبائل پکڑے ایک نقطے پر نظریں جمائے بیٹھا تھا جب اس کے موبائل کی بیپ بج اٹھی۔ اس
نے لمحہ ضائع کیے بغیر اسکرین دیکھا جس پر اس کا نمبر جگمگا رہا تھا۔
اس نے فوراً فون کان سے لگا لیا۔
"ہیلو۔"
"کیسے ہیں آپ؟"
اس کی مترنم آواز اسے اپنے اندر سرائیت ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔
"ٹھیک ہوں۔"
وہ اس کے بولنے کا انتظار کرنے لگا جبکہ دوسری طرف گہرا سناٹا تھا۔
"اتنے دنوں سے آپ نے فون نہیں کیا تو میں نے سوچا....."
"بہت اچھا سوچا آپ نے۔" اس کا لہجہ خاصا پرسکون تھا۔
"کیا مطلب؟"
"میرا مطلب ہے کہ مجھے لگا میں بھی اجنبی نہیں ہوں آپ کے لیے۔"
اس کی بات کے جواب میں خاموشی تھی۔

www.pkdigest.com

''آپ سے ایک بات پوچھوں ادیبہ؟'' اس نے قدرے دھیمے لہجے میں کہا۔
''جی پوچھیے''
''اگر میں آپ سے ملنے کی خواہش کروں تو آپ کو برا تو نہیں لگے گا۔''
''کیوں..... کیوں ملنا چاہتے ہیں آپ مجھ سے؟'' اس کا لہجہ انتہائی تیکھا تھا۔ وہ مزید کچھ نہ بول سکا۔
''آپ نے جواب نہیں دیا میری بات کا کیوں ملنا چاہتے ہیں۔ آپ مجھ سے؟''
اب کی بار بھی اس کے انداز میں کرختگی واضح تھی۔ اور وہ اب بھی کچھ نہ بول سکا تھا۔
''سوری، مجھے آپ سے ایسی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔''
اتنا کہہ کر اس نے فون آف کر دیا اور اس کے انداز کو سوچنے لگا۔
''کہیں سے بھی تو نہیں لگتا تھا کہ وہ.....''
موبائل کی بیپ دوبارہ بج اٹھنے سے وہ چونک سا گیا تھا۔
اس نے فون کان سے لگا لیا مگر کچھ نہ بولا۔
''ہیلو۔''
''جی بولیے سن رہا ہوں۔'' اس کے لہجے میں سنجیدگی در آئی تھی جس کو وہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی تھی۔
''آپ نے میرا فون کیوں بند کیا؟ اس نے بدستور اسی انداز میں پوچھا۔
جواباً وہ خاموش ہی رہا۔
''آپ بولتے کیوں نہیں، آپ نے میرا فون کیوں بند کیا؟''
''میں اس وقت تھوڑا بزی ہوں، آپ سے بعد میں بات کروں گا۔''
''کیا مطلب ہے آپ کا'' بعد میں بات کروں گا۔'' اگر آپ بات نہیں بھی کریں گے تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا سمجھے آپ اور میں.....'' وہ مزید اس کے منہ سے اپنے لیے کوئی بات برداشت نہیں کر سکتا تھا لہٰذا فون آف کر دیا۔
پتہ نہیں کیوں اسے لگ رہا تھا جیسے وہ خالی خالی سا ہو گیا ہے۔ کوئی احساس ہی نہیں تھا جو دل کو چھونے لگتا۔
اس کا لہجہ، اس کا انداز اسے الجھا گیا تھا۔
وہ ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

☆.....☆.....☆

ماما نے روشین کیلئے زوہیب بھائی کا رشتہ قبول کر لیا تھا۔ چند دن بعد منگنی طے ہونا قرار پائی تھی۔ ماما کی ہاں نے دونوں گھروں میں خوشیاں بکھیر دی تھیں۔ بڑی ماما اور زوہیب بھائی کی خوشی کا تو گویا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ جبکہ روشین ادیبہ کے قائل کرنے پر محض خاموش ہو گئی تھی مگر اسے یقین تھا وہ جلد ہی مطمئن بھی ہو جائیگی۔ سب خوش اور مسرور دکھائی دے رہے تھے وہ بھی پوری طرح خوش ہونا چاہ رہی تھی لیکن ہو نہیں پا رہی تھی۔ آنکھیں خود بخود بھیگنے لگتی تھیں۔ یکدم اس کا دل ہر شے سے اچاٹ سا ہونے لگتا تھا۔ نہ اسے موسم بھاتا تھا اور نہ رنگ و بو۔ دن میں نجانے کتنی مرتبہ وہ اپنا سیل چیک کرتی پھر یا سیت میں گھر کی سیل دور پھینک دیتی۔ دل کا بوجھ کسی طور ہلکا ہی نہیں ہو پا رہا تھا۔ بالآخر ضبط کا بندھن ٹوٹ ہی گیا تھا۔ اس نے کورو تین فون پر ہونیوالی اس سے آخری ملاقات لفظ بہ لفظ بتا دی۔
''بہر حال ادیبہ غلطی تمہاری ہے۔ اگر اس نے ایسا کچھ کہا تھا تو تم وجہ جاننے کی کوشش کرتیں۔ یوں ایک دم بھڑک جانا ٹھیک نہیں ہے۔ ہر شخص ایک جیسا نہیں ہوتا۔ ہو وہ تم سے کوئی ضروری بات کرنا چاہ رہا ہو۔'' روشین نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔
''میں جانتی ہوں میری غلطی تھی اسی لیے میں نے اس کو دوبارہ فون کیا تھا۔'' اس نے افسردگی سے کہا۔

''پھر؟'' روشین نے پوچھا۔
''وہ کچھ بول ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے میرا فون بند کر دیا تھا بس مجھے اسی بات پر غصہ آ گیا تھا۔'' اس نے پوری سچائی سے بتایا۔
''تمہیں اپنی غلطی کا احساس تھا تب بھی تم نے اس سے ایک بار بھی سوری نہیں کیا جبکہ اتنے دن گزر گئے ہیں۔'' روشین نے ڈپٹنے والے انداز میں کہا۔
''روشین بی بی آپ کو بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔'' ملازمہ نے آ کر اطلاع دی تو وہ وہیل چیئر گھسیٹتی باہر نکل گئی۔ تو وہ پژمردہ قدموں سے چلتی ہوئی ٹیرس پر آ کھڑی ہوئی۔ تب ہی بالکل بے اختیار اس کی انگلیاں موبائل پر اس کا نمبر ملانے لگیں۔
''ہیلو۔''
اس کی بھاری آواز اس کے دل کو زور سے دھڑکا گئی تھی۔ اگلے کی پل وہ کچھ بھی نہ بول سکی۔ اسے لگا وہ کچھ بول ہی نہیں پائے گی سو فون آف کر دیا اپنی اس کیفیت کو وہ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی جس کے باعث اسے رونا آ رہا تھا۔
وہ ہاتھ میں پکڑے سیل کو دھندلی آنکھوں سے تک رہی تھی جب اس کا فون آ گیا۔
اس نے فوراً کان سے لگا لیا مگر تا حال کچھ نہ بول سکا۔
''آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟''
اس کے لہجے سے چھلکتی بے چینی وہ بآسانی محسوس کر سکتی تھی۔ اسے لگا جیسے یکدم اسے قرار آ گیا ہے۔
''جی ہاں۔'' چند لمحوں بعد اس نے مختصراً جواب دیا۔
''خیریت ہے آپ نے فون کیا تھا؟'' اس نے استفسار کیا۔
''جی ہاں وہ میں نے آپ سے سوری کرنا تھا۔'' اس نے بمشکل کہا۔
''وہ کس لیے؟''
''میں نے اس دن آپ سے بہت رو ڈلی بی ہیو کیا تھا ناں اس لیے۔'' وہ ایک لمحہ کیلئے رکی پھر دوبارہ گویا ہوئی۔ ''ایکچوئلی میں..... بس پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔''
اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے؟
وہ خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔
''آپ سے ایک بات پوچھوں؟'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔
''جی پوچھیے۔''
''آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟'' اس نے جلدی سے بات مکمل کی۔
جواباً دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔
''آپ نے جواب نہیں دیا۔'' اس نے ایک بار پھر پوچھا۔
''کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔ اور ویسے بھی میں نے صرف آپ کو ملنے کا کہا تب آپ کا اتنا شدید ری ایکشن سامنے آیا اگر وہ بات کروں گا جو کہنا چاہتا تھا تو آپ شاید میری سانسیں ہی ختم کر دیں۔'' وہ اس کی کیفیت سے حظ اٹھا رہا تھا۔ جبکہ اس کی بات سن کر وہ بمشکل خود پر کنٹرول رکھ پائی تھی۔
''کیا مطلب ہے آپ کا؟ اس نے تنک کر پوچھا۔
جواب میں وہ بالکل خاموش تھا۔ وہ خود بھی چپ ہو گئی۔
دونوں طرف گہری خاموشی چھا گئی تھی۔
''ایک بات کہوں آپ سے برا تو نہیں مانیں گی۔''

www.pkdigest.com

اس کا لہجہ انتہائی سنجیدہ تھا۔
"کہیئے"
اگلے پل ایک بار پھر گہری خاموشی تھی۔
میں آپ کو پسند کرتا ہوں اور بہت چاہنے لگا ہوں آپ کو۔"
گھمبیر لہجے میں کہی گئی اس کی بات اس کا دل یکبارگی سے دھڑکا گئی تھی۔ نجانے کتنے پل یونہی سرک گئے تھے۔ وہ اس کی آواز اور لہجے کے اثر میں ایک لمحے کیلئے سب کچھ بھلا بیٹھی تھی حتی کہ اپنا آپ بھی۔ دوسرے ہی لمحے اس نے فون آف کر دیا اور اپنے وجود میں پھیلی کپکپاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کا پورا جسم تر ہو چکا تھا۔ اس نے پیشانی پر ابھرنے والی پسینے کی ننھی ننھی بوندوں کو ایک ہاتھ کی مدد سے صاف کیا پھر خود کو ریلیکس کرنے کی خاطر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ خود پر طاری ہو جانے والی یہ عجیب سی کیفیت اسے بہت بھلی لگ رہی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ جو اتنے دنوں سے بے قرار روح کی مانند ادھر سے ادھر بھٹک رہی تھی اسے اب قرار مل گیا تھا۔
وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اندر چلی آئی اور ڈیریلیٹ گئی۔
"رائد۔"
اس نے زیر لب اس کا نام دہرایا۔ پھر آنکھیں موند کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

☆.....☆.....☆

جب سے آئمہ کی شادی ہوئی تھی بابا جان اس سے ضرورتاً ہی کوئی بات کرتے وگرنہ زیادہ تر نظر انداز کر دیتے تھے۔ ان کا یہ رویہ اس کیلئے اجنبی نہیں تھا۔ اس لیے وہ ان کے رویے کو زیادہ محسوس نہیں کرتا تھا۔
افضل خان نے بابا جان سے ہر ہم کلامی ختم کر لیا تھا جبکہ بابا جان آج کل ان سے دوبارہ تعلقات بحال کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ مگر ابھی تک افضل خان کی جانب سے کوئی مثبت جواب موصول نہیں ہو پا رہا تھا۔ اور یہ بابا جان کی سب سے بڑی پریشانی تھی۔ دوسری بڑی پریشانی یہ تھی کہ بابا جان نیا مدرسہ بنانا چاہتے تھے جس کیلئے انہیں ایک کثیر رقم کی ضرورت تھی۔ افضل خان کے تعاون کے بغیر نیا مدرسہ بنانا بابا جان کے لیے محض ایک خواب ہی تھا جو اب پورا ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔
وہ معمول کے مطابق مدرسے آتا تھا اور جتنے کام بابا جان نے اس کے سپرد کیے ہوئے تھے وہ نمٹاتے ہوئے شام ہو جاتی تھی۔ بابا جان اس سے تقریباً لاتعلق ہو چکے تھے۔
وہ مدرسے کے کاموں سے فارغ ہو کر اس وقت پارک میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا جب اس نے حادیہ کو اپنی جانب بڑھتے دیکھا تو وہ بینچ پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"ہیلو رائد کیسے ہو؟" ماریہ نے مسکرا کر پوچھا۔
"میں بالکل ٹھیک ہوں تم سناؤ۔" اس نے جواب دیا۔
"تم تو اب گھر آنا ہی بھول گئے ہو رائد۔" ماریہ بینچ پر بیٹھے ہوئے شکایتی انداز میں بولی۔
"سوری ماریہ، بس مصروفیات ہی کچھ ایسی تھیں کہ آ نہیں سکا۔"
وہ بینچ کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔
"او کے لیکن خیریت تو ہے تم پارک میں؟" ماریہ نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ "کسی کا انتظار کر رہے ہو۔"
"ہاں۔" اس نے کہا۔
"کیا کر رہے ہو آج کل؟" ماریہ نے پوچھا۔
"بابا جان کے ساتھ ہوتا ہوں ان کے آفس میں۔" اس نے بتاتے ہوئے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر

دیکھا۔ وہ دُور دُور تک نہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔
"اسلام علیکم۔"
وہ ماریہ کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا جب اس نے اپنے بائیں جانب اس کی آواز سنی وہ فوراً اس کی جانب متوجہ ہو گیا اور سلام کا جواب دیتا اٹھ کھڑا ہوا تو ماریہ نے بھی اس کی تقلید کی۔
"ماریہ یہ ادیبہ ہیں اور ادیبہ یہ ماریہ ہیں میری کلاس فیلو اور فرینڈ۔" اس نے تعارف کرایا۔ جس پر ماریہ نے ہاتھ بڑھا کر اس سے مصافحہ کیا پھر اجازت طلب نظروں سے رائد کو دیکھنے لگی۔
"او کے رائد تمہارا انتظار بھی ختم ہوا میں اب چلتی ہوں۔"
ماریہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا جو خاموشی سے باری باری ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔
"او کے اللہ حافظ۔" رائد نے کہا پھر ماریہ کے جانے کے بعد وہ اس کی جانب متوجہ ہو گیا جو ابھی تک جوں کی توں کھڑی تھی۔
"بیٹھو۔" اس کے کہنے پر اس نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر خاموشی سے بینچ کے ایک سائیڈ پر بیٹھ گئی تو وہ بھی اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔
"میں کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہا تھا۔" مستقل خاموشی کے بعد اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔
اس کی بات پر اس نے ایک نظر اس کی جانب دیکھا۔
"میں بھی کافی دیر سے آپ کو ڈھونڈ رہی تھی۔" اس نے جتانے والے انداز میں کہا۔
"لیکن میں تو ایک گھنٹے سے یہیں تھا۔" اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"جی ہاں میری غلطی تھی۔ یہاں تقریباً تماکپلز ہیں اور میں سنگل پرسن کو تلاش کر رہی تھی۔"
اس کی بات سن کر وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔ جبکہ وہ خفگی بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
"سوری، ایکچوئلی اتنی دیر سے میں یہ جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ آپ کس بات پر مجھ سے ناراض ہیں۔ اب پتہ چل گیا ہے۔" اس نے ہلکے پھلکے سے انداز میں کہا۔ جواباً وہ بالکل خاموش تھی۔
"آپ ابھی تک ناراض ہیں مجھ سے؟" اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ اب بھی چپ تھی۔
"یہ محض اتفاق تھا ادیبہ میں....."
"میں نے آپ سے کچھ نہیں پوچھا۔" وہ تیزی سے اس کی بات کاٹ کر بولی۔
ایک لمحہ کیلئے وہ کچھ نہ بولا۔ پھر قدرے توقف کے بعد گویا ہوا۔
"آپ کو معلوم ہے آپ کا اس طرح بی ہیو کرنا مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔"
اس کی بات پر اس نے اس کی جانب دیکھا۔
"کیا مطلب؟" اس نے پوچھا۔
"کچھ باتوں کے مطلب نہیں ہوتے۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔
وہ مزید اس سے ناراض نہ رہ سکی اور خوشگوار لہجے میں باتیں کرنے لگ گئی۔

☆.....☆.....☆

محبت زادِ راہ میری

''جھوٹ بکواس فضولیات۔'' ام ہانی نے جھنجھلا کر ڈائجسٹ دور اچھالا اور پاس دھری پلیٹ میں سے سیب کی قاشیں اٹھا کر کھانے لگی۔

''خیریت تو ہے؟'' اس کی جھنجھلاہٹ پر ضحیٰ نے قدرے حیرت سے اسے دیکھا۔ جو ماتھے پر بل ڈالے فل اسپیڈ سے کھائے جا رہی تھی۔ ضحیٰ کے استفسار پر اس نے ایک عدد ''گھوری'' سے اسے نوازا اور تیزی سے پلیٹ خالی کرنے لگی۔ جیسے اس سے اہم کام اور کوئی نہ ہو۔

''یااللہ......! خیر...... کہیں میری بہن سٹھیا تو نہیں گئی۔'' ضحیٰ نے چشمہ اتار کے بغور اسے سرتاپا دیکھا اور یہی عمل چشمہ لگا کے بھی دہرایا۔ لیکن فرق ندارد۔

''تم خود ہی انصاف کرو ضحیٰ!'' بالآخر پلیٹ صاف ہوئی تو وہ کچھ بولنے کے قابل ہوئی۔ ضحیٰ اس کا فرمان شاہی سننے کے لئے فوراً سیدھی ہو کے بیٹھ گئی۔

''میں پڑھی لکھی بھی ہوں، سگھڑ بھی ہوں، شریف بھی ہوں زیادہ نہ سہی تھوڑی بہت خوبصورت بھی ہوں پھر مجھے ابھی تک کسی نے پسند کیوں نہیں کیا......؟'' وہ بڑی دلگرفتگی سے استفسار کر رہی تھی جبکہ ضحیٰ کی آنکھیں پھیل کے کانوں تک جا لگیں۔

''ہائے ہانی! تم کسی کو دل تو نہیں دے بیٹھیں۔'' ضحیٰ نے دہل کے پوچھا۔

''بھاڑ میں جاؤ تم۔'' ام ہانی نے خونخوار نظروں سے اسے گھورا۔

''میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ ان ڈائجسٹ کے اندر کس قدر جھوٹ لکھا ہوتا ہے۔ ہر افسانے کی ہیروئین کو ایک عدد ہیرو معجزاتی طور پر ٹکرا جاتا ہے۔

مکمل ناول

زیادہ تر وہ اس کا گمشدہ کزن ہی ہوتا ہے۔ ایک ہمارے کزن ہیں مجال ہے جو کبھی بہن کے علاوہ بھی کچھ سمجھا ہو۔ چار سال کالج میں بھی جھک ماری۔ آتے جاتے کسی لینڈ کروزر کے مالک نے لفٹ دینا تو دور کی بات نظر اٹھا کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی اور تو اور آس پڑوس میں بھی کوئی ڈھنگ کا لڑکا نہیں کہ قسمت آزما لینے میں کیا حرج ہے۔" ام ہانی نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

"بس میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ آئندہ سے کسی ڈائجسٹ کو ہاتھ ہی نہیں لگانا۔ ہر ناول ہی میرا منہ چڑا رہا ہوتا ہے۔" وہ کلس کے مزید گویا ہوئی تو ضحیٰ کا چھت پھاڑ قہقہہ گونجا۔

"نہ۔ نہ۔ دل چھوٹا نہیں کرتے بھئی ہر تحریر جھوٹی نہیں ہوتی۔ حقیقی زندگی میں ایسا ہوتا بھی ہے تو افسانوں میں اسکا رنگ نظر آتا ہے۔ تم دل چھوٹا نہ کرو۔ عنقریب تمہارا ہیرو بھی تمہیں افسانوی انداز میں ٹکرانے والا ہے۔ پھر تمہارا بھی چٹ منگنی اور پٹ بیاہ والا معاملہ ہو جائے گا۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں ہے۔" ضحیٰ کا انداز نہ صرف ناصحانہ تھا بلکہ تسلی آمیز بھی تھا۔

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ نکاح یار ہوتا
تھوڑی دیر اور جیتے یہی انتظار ہوتا

ام ہانی جلبلا کے "وصال" کی جگہ "نکاح" کا صیغہ استعمال کیا۔ ضحیٰ کی پھر ہنسی چھوٹ گئی۔

ملیں گی ہم کو بھی اپنے نصیب کی خوشیاں
بس انتظار یہ ہے کہ کب یہ کمال ہوتا ہے

ضحیٰ نے اس کے جلتے زخموں پر پھاہا رکھا۔

"آہ...... ہاہ...... سوائے انتظار کے اور ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔" ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے وہ صوفے پر ہی ٹانگیں پسارتے ہوئے لیٹ گئی۔

"تمہیں پتہ ہے امی جان کو تمہارا یہ صوفے پر یٹنا کس قدر ناپسند ہے۔ اس وقت اگر وہ آگئیں ناں تو بغیر ایک لمحے کی دیر کیے وہ تمہیں تمہارے ہیرو کے پاس پہنچا دیں گی۔" ضحیٰ نے اسے دھمکایا۔

"میرا ہیرو کیا عالم بالا میں رہتا ہے؟" اس نے ڈپٹ کر پوچھا۔

"ہیں؟" ضحیٰ نے حیرت سے آنکھیں پٹپٹا کر اسے دیکھا وہ اس کی بات بالکل بھی نہیں سمجھی تھی۔

"ظاہر ہے بھئی ایک سیکنڈ میں تو امی جان مجھے عالم بالا میں ہی پہنچا سکتی ہیں۔" ام ہانی نے اس کی حیرت کو کم کیا تو وہ پھر ہنس پڑی۔

"ٹھیک کہتی ہو۔" اسی وقت بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ "امی پڑوس میں گئی ہیں اور یقیناً اب واپس آگئی ہیں۔" ضحیٰ گیٹ کھولنے چل دی تو ام ہانی بھی تیر کی طرح سیدھی ہو کے بیٹھ گئی۔ کہ فی الحال اسے عالم بالا میں پہنچنے کی کوئی اتنی جلدی بھی نہ تھی۔

☆......☆......☆

"چلو جی ایک تیار ہے۔" ضحیٰ جب دوبارہ کچن میں داخل ہوئی تو ام ہانی نے پلٹ کے اسے دیکھا۔ جو اس وقت طلحہ کی فرمائش پر چکن رول بنا رہی تھی۔

"کیا ہوا حلل ستر......" طلحہ نے بھی اس کے ماتھے کی تیوریاں دیکھ کے استفسار کیا وہ برے برے منہ بناتی طلحہ کے مقابل ہی اسٹول کھینچ کے بیٹھ گئی۔

"کھاؤ۔" وہ جو بڑے مزے سے فرنچ فرائز کے پہاڑ پر ہاتھ صاف کر رہا تھا۔ اسے بھی پیشکش کی۔

"شکریہ۔" وہ دکھائی سے بولی۔

"تم کچھ بتاؤ گی بھی یا نہیں......" ام ہانی نے چکن رولز کو احتیاط سے کڑاہی سے ڈش میں منتقل کرتے ہوئے پوچھا۔

"زبیر بھائی مع تحریف کالونی لا رہے ہیں۔" اس نے بالآخر جلے کٹے لہجے میں بتا ہی دیا۔

فرنچ فرائز کھاتے ہوئے طلحہ کے بھی ابرو تن گئے۔ ام ہانی ایک پل کو ٹھٹکی پھر اگلے ہی لمحے دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

"آ رہے ہیں تو آنے دو تمہارے حصے

کیوں بارہ بج رہے ہیں۔" بظاہرہ بڑے تحمل سے انداز میں وہ ضحیٰ سے مخاطب ہوئی تھی۔

"تمہیں پتہ ہے ہانی! کل شیریں کے گھر ہم سب فرینڈز کی دعوت ہے۔ صرف ہمارے گروپ کی ہی دعوت کی ہے اس نے بلکہ ہم سب نے زبردستی اسے آمادہ کیا ہے۔ میں نے تو اس کے نکاح میں بھی شرکت نہیں کی تھی کہ عین اس کے نکاح والے دن بھی زبیر بھائی آدھمکے تھے۔ اب دعوت بھی میری وجہ سے رکھی گئی ہے اور میں پھر نہ شریک ہوئی تو کتنی سبکی ہوگی سب کے سامنے۔" وہ روہانسی ہو کے بولی۔

"تو تمہیں کون روک رہا ہے چلی جانا۔"

طلحہ نے کہا۔

"ہاں...... چلی جانا نے زبیر بھائی کا پتہ ہے نہ اعتراضات کی پٹاری کھول کے بیٹھ جائیں گے۔ امی جان کے ساتھ فضول کی بحث کریں گے۔ بے مقصد طویل لیکچر دیں گے۔ اتنا کچھ سننے اور سہنے کی ہمت نہیں ہے مجھ میں۔" اس نے جل کلس کے کہا۔

"وہ کون ہوتے ہیں ہمارے معاملات میں ٹانگ اڑانے والے اور ہم پر بے جا پابندیاں عائد کرنے والے جب اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا کر بیٹھ گئے ہیں تو پھر اب انہیں ہم سے کیا سروکار......؟ ہم نے بھی ان کے معاملات میں دخل اندازی کی ہے۔" طلحہ بھی غصے سے بولا۔ وہ تو پہلے ہی بھرا بیٹھا تھا۔

"چلو چھوڑو اس بحث کو ہر کوئی اپنے عمل کا خود جواب دہ ہے۔ وہ اگر برا کریں گے یا اچھا کریں گے تو خود ہی جزا و سزا کے مستحق ہوں گے ہم کون اپنا خون جلائیں۔" اس سے پہلے کا معاملہ طول پکڑتا ام ہانی نے اسے رفع دفع کرنا ہی مناسب سمجھا۔

"تم پتہ نہیں کس جہان میں رہتی ہو۔ آج کل لوگ ہاتھوں ہاتھ معاملہ چکاتے ہیں فوری بدلہ لیتے ہیں جزا و سزا کو کون دیکھتا ہے کسی میں اتنا صبر نہیں کہ قیامت تک کا انتظار کرے۔" ضحیٰ نے لگے ہاتھوں اس کے بھی لتے لے لیے۔

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابنِ انشاء

اردو کی آخری کتاب	155/-
خمارِ گندم	200/-
دنیا گول ہے	225/-
آوارہ گرد کی ڈائری	200/-
ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں	200/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	[illegible]00/-
نگری نگری پھرا مسافر	175/-
خط انشاجی کے	200/-
بستی کے اک کوچے میں	165/-
چاند نگر	165/-
دل وحشی	165/-
آپ سے کیا پردہ	250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو	200/-
انتخاب کلام میر	60/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر	160/-
طیف غزل	120/-
طیف اقبال	120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اُردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321690-7310797

"کسی میں نہیں ہے تو ہمیں کیا تم میں ہونا چاہیے۔ سب کے اعمال کو دلیل بنا کر ہم اپنی خلاصی نہیں کروا سکتے۔ خیر دشر اپنا اثر تو ضرور ظاہر کرتے ہیں جلد یا بدیر، اس کا فیصلہ ہمیں نہیں کرنا۔ چلو اٹھو اب لاؤنج میں چلو میں بھی وہیں آرہی ہوں امی جان کو بھی بلا لو۔" ام ہانی نے بحث کو سمیٹا رول وہ فرائی کر چکی تھی۔ برنر آف کر کے کڑاہی نیچے اتاری۔

"فریج میں سے کولڈ ڈرنک نکالو اور گلاس بھی لے جاؤ۔" وہ ضحیٰ سے مخاطب ہوئی۔ طلحہ اپنی فرنچ فرائز کی پلیٹ لے کر پہلے ہی نکل چکا تھا۔

اس نے چکن رول کو ترتیب سے ڈش میں رکھا طلحہ کے لئے کیچپ اور ضحیٰ کے لئے چلی ساس نکالا۔

"ہانی! میری دعوت کا کیا بنے گا۔" ضحیٰ کی جان ابھی تک دعوت میں اٹکی ہوئی تھی۔

"ڈونٹ وری تم ضرور جاؤ گی۔ زبیر بھائی کوئی سارا دن بیٹھے رہے گے۔ تم طلحہ کے ساتھ تھوڑا لیٹ چلی جانا میں سنبھال لوں گی اور ذرا ذرا سی بات پر واویلا نہیں مچاتے۔ خاص کر طلحہ کے سامنے جوان خون ہے جوش میں آتے دیر نہیں لگتی۔ زبیر بھائی جیسے بھی ہیں ہمارے بھائی ہیں۔ میں ہرگز نہیں چاہوں گی کہ دونوں بھائی یوں آمنے سامنے ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ مصلحت کا یہ پردہ درمیان میں لٹکا ہی رہے تو بہتر ہے۔ چلو اب جلدی ورنہ طلحہ شور مچا دے گا۔" اپنے مخصوص لب و لہجے میں بولتی وہ کہیں سے بھی اس سے دو سال بڑی نہیں لگ رہی تھی۔

ضحیٰ نے رشک سے اسے دیکھا۔ وہ صورت حال کو یوں ہی قابو میں کر لیا کرتی تھی جبکہ ضحیٰ تو چلانا شروع کر دیتی تھی۔ طلحہ اور ضحیٰ دونوں ایک ہی مزاج کے تھے۔ حالانکہ طلحہ ان دونوں سے بڑا تھا۔ لیکن جذباتی بہت تھا۔

"یقیناً اس کا مزاج بابا پر ہے وہ بھی اتنے ہی حلیم ہیں۔" ضحیٰ نے ہزاروں دفعہ کی سوچی ہوئی بات کو پھر دہرایا اور لاؤنج کی طرف چل پڑی۔ جہاں طلحہ واقعی شور مچا رہا تھا۔

"یہ بھی میری طرح بے صبرا ہے۔" ضحیٰ نے مسکراتے ہوئے سوچا اور امی جان کو بلانے چل پڑی۔

☆.....☆.....☆

خلاف توقع اس دفعہ زبیر بھائی خاصے لدے پھندے گھر آئے تھے۔ کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ ضحیٰ اور ام ہانی کے لئے کپڑے بھی تھے اور اس دفعہ تو امی جان اور بابا جان سے بڑے اخلاق سے پیش آرہے تھے۔

"ضرور ال میں کچھ کالا ہے۔" ضحیٰ نے آنکھیں سکیڑ کے اپنے لئے لائے گئے سوٹ کا جائزہ لیا۔ پھر ام ہانی سے مخاطب ہوئی۔

"تم کبھی زبیر بھائی کے خلوص کا اعتبار نہ کرنا۔" ام ہانی نے متاسف نظروں سے اسے دیکھا۔

"خلوص..... اور زبیر بھائی؟ توبہ کرو یار! میں نوشابہ بھابی کی رگ رگ بلکہ شہ رگ سے بھی واقف ہوں ان کا بس چلے ناں تو ہم سے زبیر بھائی کو دیکھنے کی بھی قیمت وصول کریں یہ جو آج ہزاروں خرچ ہوئے ہیں ناں۔ اس کی ایک ایک پائی کی قیمت وصول کریں گی وہ ہم سے لکھوا کے رکھ لو مجھ سے۔" اس نے پورے دعوے سے کہا۔

"تم تو بس ہر وقت فضول قسم کی غلط فہمیاں پالتی ہو۔" ام ہانی سے اسے ڈپٹا۔

"ضحیٰ! بھائی کو چائے بنا کے دو۔ کدھر رہ گئی ہو۔" باہر سے طاہرہ کی آواز آئی تو ضحیٰ ناک چڑھا کے بیڈ پر سے اٹھی۔

"ایک تو زبیر بھائی کو ہر آدھے گھنٹے بعد چائے کی طلب ہو جاتی ہے۔" وہ پاؤں گھسیٹتی ہوئی باہر نکل گئی۔ تو ام ہانی نے بھی سوٹ اٹھا کے الماری میں رکھے اور باہر لاؤنج میں آ گئی۔

"طلحہ کی جاب کا کیا بنا.....؟" زبیر بھائی امی جان سے پوچھ رہے تھے۔

"بس بیٹا! روز ہی کہیں نہ کہیں انٹرویو ہوتا ہے۔ آج بھی اس سلسلے میں ایک دوست کی طرف گیا ہے۔ جہاں ہر طرف سفارش اور رشوت کا غلغلہ ہو وہاں صاف اور کھرے آدمی کو کون دیکھتا ہے۔" طاہرہ نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"ٹیک بخت! رشوت اور سفارش اس مادی دنیا کے اصول ہیں۔ اللہ پاک کے ہاں یہ قاعدے نہیں چلتے۔ وہاں تو نیتوں کا اخلاص دیکھا جاتا ہے۔ زبیر آج اچھی پوسٹ پر ہے حالانکہ اس نے تو رشوت اور سفارش سے کام نہیں لیا۔ اللہ پاک طلحہ کی بھی ضرور سنے گا۔" بابا جان نے اپنے مخصوص حلیم شفیق لہجے میں کہا۔

"بھئی چائے تو اپنی ضحیٰ کے ہاتھوں کی پینے والی ہے تو نوشی سے بھی کہتا ہوں۔ ضحیٰ جیسی چائے کوئی نہیں بناتا۔" اسی وقت ضحیٰ چائے لے کر آ گئی تو زبیر بھائی نے فوراً موضوع تبدیل کر دیا۔ ضحیٰ نے بمشکل کھینچ تان کے ایک مسکراہٹ لبوں تک لائی۔

"میری ضحیٰ کے ہاتھ میں بڑا ذائقہ ہے یہ الگ بات ہے کہ کبھی بناتی نہیں۔" بابا جان نے مسکرا کر ضحیٰ کو دیکھا تو وہ ہنس پڑی۔

"میں اس لئے کچھ نہیں بناتی! بابا جان! کہیں ہانی کے نمبر نہ کم ہو جائیں۔ اس کی شادی ہونے کی دیر ہے پھر میرے ہاتھ ذائقے اور آپ سب کے حافظے۔" وہ سب ہی اس کی بات پر مسکرا دیئے۔

"ہانی تو میرا خیال ہے آج کل فارغ ہی ہے۔" زبیر بھائی نے چائے کا سپ لیتے ہوئے ام ہانی کو دیکھا۔

"جی بھائی! فی الحال تو فارغ ہوں سوچ رہی ہوں کوئی شارٹ ہینڈ کورس ہی کر لوں۔"

"تو اسلام آباد آ جاؤ ناں بلکے چلو میرے ساتھ ہی چلو تو کوکنگ کی کلاسز جوائن کر لینا چاہو تو کمپیوٹر کورس وغیرہ کر لینا بلکہ ہمارے ایریئے میں ہی بیسٹ ہینڈی کرافٹ اسکول ہے۔ اسے جوائن کر لینا۔" زبیر بھائی کی اتنی پرکشش آفر پہ ضحیٰ کو غش آنے لگے۔ ام ہانی کو بھی خاصی حیرت ہوئی تھی۔

"نہیں بھائی! میں یہیں سے ہی کوئی کورس کر لوں گی۔ امی بابا کے بغیر رہنا بڑا مشکل ہے۔" اس نے کتنے دلبرانہ جواب پر ضحیٰ نے اسے غائبانہ ایک تھپکی دی۔

"ہم کون سا کوئی غیر ہیں۔ تمہارے اپنے ہیں۔" زبیر بھائی نے خاصی لگاوٹ کا مظاہرہ کیا تھا۔

"نہیں بیٹا! ہانی کو عادت نہیں ہے کہیں رہنے کی۔" اس دفعہ طاہرہ بھی اس کی حمایت میں بولیں۔

"امی جان! آج کل تو لڑکیوں کو اپنا ماحول بدلنا چاہیے تاکہ ان میں اعتماد پیدا ہو آگے جا کے کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔" بڑے مدبرانہ انداز میں گویا ہوئے۔

"لیکن بھائی! آپ خود ہی تو کہتے ہیں کہ لڑکیوں کو کہیں آنا جانا نہیں چاہیے۔ بلکہ گھر میں ہی رہنا چاہیے نوشی کی طرح۔" ضحیٰ نے بہت معصومیت سے کہتے ہوئے لفظ نوشی پر خاصا زور دیا تھا۔

"آں..... ہاں..... وہ تو میں دوسروں کے گھر کی بات کرتا تھا۔ اپنے گھر کی تو نہیں۔" زبیر بھائی گڑبڑا گئے۔

"وہ امی جان! دراصل نوشی کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اب اس سے زیادہ چلا پھرا بھی نہیں جاتا میری وجہ سے نہ وہ یہاں آ سکتی ہے نہ اپنے میکے جا سکتی ہے۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ اگر کچھ دنوں کے لئے ہانی میرے ساتھ چلی جائے تو مجھے ذرا آسانی ہو جائے گی۔" زبیر بھائی نے فوراً اپنا مدعا بیان کر دیا مبادا بات کہیں زیادہ طول نہ پکڑ جائے اور صورت حال خود ان کے خلاف نہ ہو جائے۔

"تو بلی تھیلے سے باہر آ ہی گئی۔" ضحیٰ نے تنفر سے سوچا۔

"کام وام اتنا کوئی نہیں کام والی ماسی رکھی ہے وہی آ کے کر جاتی ہے۔ کپڑے وغیرہ لانڈری سے دھل کر آ جاتے ہیں۔ بس کھانا پکانا ہوگا۔ آپ کو تو پتہ ہے کہ میں بازاری کھانے نہیں کھاتا فوڈ پوائزن ہو جاتی ہے۔ خود نوشی سے بھی نہیں کھائے جاتے۔ پھر ہانی چاہے تو کوئی شارٹ ہینڈ کورس بھی کر لے۔ باقی اوقات میں فارغ ہی رہنا ہے۔" زبیر بھائی جلدی جلدی بول رہے تھے۔

"عافیہ بھی تو آج کل فارغ ہوتی ہے بھائی! اسے تو دیسے بھی اسلام آباد بہت پسند ہے۔ آپ اسے

بلالیں۔" ان کی خاموشی ہوتے ہی ضحیٰ جھٹ سے بولی۔ عافیہ نوشابہ کی بہن تھی۔

"عافیہ تو بہت کہتی ہے میں ہی نہیں مانتا مجھے اچھا نہیں لگتا کہ عافیہ مجھے کھانا وغیرہ دے۔ بعض اوقات نوشی ادھر ادھر بھی ہوتی ہے۔ بس وہ لاکھ بہنوں جیسی ہے بہن تو نہیں اسی لئے میں نے ہانی کا کہا ہے۔" اس وقت وہ ہر طرح اپنی بات منوالینا چاہتے تھے۔

"جانتی ہوں میں آپ کی اس نام نہاد شرم و شرافت کو۔ چند ماہ پہلے تو عافی بی بی پورا مہینہ گزار کے آئی ہیں اب کام کی باری ہے تو وہ بھی دامن بچائیں گی اور آپ بھی۔" امی بابا کا لحاظ نہ ہوتا تو وہ اس سوچ کو الفاظ کا روپ دے دیتی۔

"رہے گی تو عادت بھی ہو جائے گی اور وہ کون سا ساری عمر کے لئے جا رہی ہے۔ میں اسے ہرگز بور نہیں ہونے دوں گا یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔" انہوں نے پورے وثوق سے کہا طاہرہ نے سوالیہ نظروں سے شوہر کی طرف دیکھا جو اس ساری بحث میں خاموش بیٹھے تھے۔

"ام ہانی سے پوچھ لو اگر اسے مشکل نہیں ہوگی۔ وہ تو اپنے بھائی کی پرابلم سمجھتی ہے اور ویسے بھی ہانی مجھ سے بہت پیار کرتی ہے شروع سے ہی کبھی میری بات کا انکار نہیں کیا۔ تو اب کیوں کرے گی کیوں ہانی۔" وہ شہد ٹپکاتے لہجے میں ہانی سے مخاطب ہوئے۔

"جی۔۔۔۔۔ای۔۔۔۔۔ای۔" وہ مری مری آواز میں بولی اور ضحیٰ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کے منہ سے اس کی زبان کھینچ کے اپنی لگا دے اور زبیر بھائی کی ساری غلط فہمیاں پلس خوش فہمیاں نکال کے اس کے سامنے رکھ دے۔

"ایک تو ساری مروت اور سارے جہان کا لحاظ اللہ نے اس میں ہی رکھ دیا ہے۔" ضحیٰ نے دانت پیس کے اپنی بہن کو دیکھا پھر کینہ توز نظروں سے زبیر بھائی کو دیکھا جو اپنی فتح پر خاصے چہک رہے تھے۔

☆......☆......☆

"راستے میں تو کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔ خیریت سے پہنچ گئے۔" خلاف توقع نوشابہ بھابھی بڑے اچھے طریقے سے اس سے ملی تھیں۔ اپنے بے ڈھنگ ہوئے وجود کے ساتھ بمشکل اس سے گلے ملیں۔

"جی بھابی! مسئلہ نہیں ہوا۔" وہ آہستگی سے کہتی سامنے پڑی چیئر پر بیٹھ گئی۔ ایک تو وہ شادی کے بعد ویسے ہی پھیل گئی تھیں اور اب اس حالت میں تو اور بھی کارٹون لگ رہی تھیں لیکن زبیر بھائی کے لئے وہ دنیا کی پہلی عورت تھیں جو ماں بننے جا رہی تھیں۔ بمشکل اٹھ کے وہ ان کے لئے کولڈ ڈرنکس لے کر آئی تھیں۔

"آپ رہنے دیں بھابھی! میں خود ہی لے لیتی ہوں۔" انہیں یوں ہانپتا کانپتا دیکھ کر ام ہانی کو ان پر ترس آ گیا۔

"اب تو تم نے ہی کرنا ہے۔ اب آتے ہی ذرا دم تو لے لو۔" وہ اسے گلاس پکڑاتے ہوئے بولیں۔

پھر جب تک وہ کولڈ ڈرنک پیتی رہی وہ کرید کرید کر اس سے گھر والوں کا پوچھتی رہیں پھر کوئی بھی قابل گرفت خبر نہ پا کر مایوس سی ہو کر بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ ہانی گلاس کچن میں رکھ کے آئی کچن کو دیکھ اسے قے آنے لگی۔ ہر طرف بے ترتیبی اور گند پھیلا ہوا تھا۔

رات کا کھانا آج زبیر بھائی باہر سے ہی لے آئے تھے۔ وہ خود بھی اتنا تھکی ہوئی تھی۔ کہ کم از کم آج تو پکانے کی ہمت نہیں تھی۔ البتہ سرواس نے ہی کیا تھا۔ کہ بھابھی تو کولڈ ڈرنک پیش کر کے ہی اپنا فرض ادا کر چکی تھیں۔

زبیر بھائی کی پوسٹنگ شادی کے بعد اسلام آباد ہو گئی تھی بلکہ ہوئی بھی کہاں بھابھی کے اصرار پر زبردستی کروائی گئی تھی۔ امی بابا جو بڑے بیٹے کو پڑھا لکھا کے اچھی پوسٹ پہ فائز دیکھ کر خوش ہوتے تھے کہ اب ان کی ذمہ داری میں ان کا بیٹا حصہ دار بن گیا ہے۔ نوشین بھابھی کے تیور دیکھ کر ان کے سب ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔ زبیر بھائی وہی بولتے جو نوشی

کی زبان چاہتی وہی سنتے جو نوشی کے کان چاہتے اور وہی دیکھتے جو نوشی کی آنکھیں چاہتیں۔ ام ہانی اور ضحیٰ جو ہر وقت زبیر بھائی۔ زبیر بھائی کہتے نہیں تھکتی تھیں نوشی بھابھی کو بری طرح کھٹکتی تھیں اور پھر زبیر بھائی نے بھی ایسی آنکھیں پھیریں کہ ان دونوں کو فراموش ہی کر دیا۔

بالآخر نوشی بھابھی نے زبیر بھائی کو سب کے چنگل سے آزاد کروا ہی لیا اور اسلام آباد آ کر ہی دم لیا۔ یہاں اپنا گھر تو تھا نہیں ایک دوست کے توسط سے انہیں انیکسی مل گئی تھی وہ لوگ بھی اچھے تھے۔ یوں زبیر بھائی نوشی بھابھی کے ساتھ خوش و خرم یہاں رہ رہے تھے۔

☆......☆......☆

"لگتا ہے انیکسی میں کوئی جن آیا ہے آج کل۔" شام کی چائے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے زارون نے معنی خیز نظروں سے سویرا کو دیکھا تھا۔

"ہاں لگتا تو مجھے بھی ہے۔ جبھی انیکسی صاف ستھری سی چمکی سی لگ رہی ہے تو یہی لگتا ہے نوشی آپی نے کوئی جن قابو کیا ہوا ہے کیونکہ خود تو ان میں اتنے گن نہیں ہیں۔ جو حشر انہوں نے ہماری انیکسی کا کر رکھا تھا اسے دیکھ کر تو میرا اول اندازہ یہی تھا کہ حد نہیں۔" سویرا ساتھ ہنس کے بولی۔

"تو تمہاری کوکنگ سروس کس دن کام آئے گی۔ پتہ کرو کیا مسٹری ہے اس کے پیچھے۔" زارون کو خود خاصی حیرت ہو رہی تھی اسی لئے اسے اکسا رہا تھا۔

"گئی تھی میں کل نوشی آپی کی طرف بتا ہی تھیں ان کی نند آئی ہوئی ہے لاہور سے اب چند دن ادھر ہی رہے گی۔ ویسے میں تو ملی نہیں اس سے وہ اپنے بھائی کے ساتھ شاید کہیں گئی ہوئی تھی۔ میں نے مروتاً کہا تو تھا کہ لے کے آئیے گا ہماری طرف۔ ورنہ ان کی بہن عافیہ کا تجربہ اتنا خوشگوار تھا کہ میرا ہرگز دل نہیں چاہ رہا تھا انہیں ویلکم کرنے کو۔" سویرا نے بتایا تو زارون کے ابرو تن گئے۔

"چلو جی پہلے بہن تو اب نند اللہ میری توبہ! لگتا ہے اس دفعہ پھر کہیں بھاگنا پڑے گا۔" ان لڑکیوں کو اپنے گھر پتہ نہیں کیوں چین نہیں پڑتا۔ بھاگی آتی ہیں۔ وہ عافیہ بی بی تو جونک کی بھی کسی اونچی نسل سے تعلق رکھتی تھیں بمشکل جان چھڑائی تھی اس سے۔"

زارون کو عافیہ جتنی زہر لگتی تھی شاید ہی دنیا کی کوئی اور لڑکی لگتی ہو۔ یوں لگتا تھا وہ اپنی بہن کے گھر نہیں بلکہ ان کے گھر رہنے آئی ہے۔

زارون کے اردگرد منڈلانا اور اس سے فرینک ہونا تو وہ اپنا فرض عین سمجھتی تھی اور گھر میں تو یوں دندناتی پھرتی تھی جیسے اسی کی ملکیت ہو سویرا اور ماما تو پھر بھی مروت لحاظ برت لیتی تھیں جبکہ زارون کئی دفعہ اسے کھری کھری سنا چکا تھا لیکن وہ بھی اعلیٰ پایہ کی ڈھیٹ واقع ہوئی تھی۔ مجال ہے کبھی کان پر جوں تک بھی رینگی ہو۔ بمشکل اس سے پیچھا چھڑایا تھا کہ اب نند صاحبہ آن پہنچی تھیں۔

"زارون! تمہارا فون ہے۔" اندر سے ماما کی آواز آئی تو وہ کر اندر چلا گیا۔

سویرا بھی چائے کے برتن سمیٹتی اندر کی طرف بڑھ گئی۔ برتن کچن میں رکھ کے وہ لاؤنج میں آئی تو زارون فون رکھتے ہوئے ماما سے کہہ رہا تھا۔

"ماما! مہد کا فون تھا آج ایک ضروری میٹنگ ہے۔ میں گیارہ بارہ بجے تک واپس آؤں گا۔ شاید اس سے بھی لیٹ ہو جاؤں آپ لوگ ڈنر پہ میرا ویٹ مت کیجئے گا۔"

"ٹھیک ہے بیٹا! اللہ تمہیں اپنی حفاظت میں رکھے۔" ماما نے ہمیشہ کی طرح اسے دعا دی وہ جلدی سے تیار ہو کر کارنر سے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے انہیں اللہ حافظ کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔

"ڈنر میں کیا پکانا ہے آج۔" زارون کے جانے کے بعد ماما سویرا سے مخاطب ہوئیں۔

"دیکھ لیں جو مرضی بنا لیں میں تو سب کچھ کھا لیتی ہوں زارون ہی زیادہ نخرے کرتا ہے اور وہ آج ڈنر میں ہوگا نہیں۔" سویرا نے کندھے اچکا کر کہا۔

"میرا کئی دنوں سے بینگن کا بھرتہ کھانے کو دل چاہ رہا تھا۔ زارون کی وجہ سے نہیں بنا رہی تھی کہ نہ تو وہ خود کھائے گا اور نہ ہی مجھے کھانے دے گا۔"

"اب زارون کے نہ ہونے کی یہ مطلب نہیں کہ آپ مجھے پھیکے سیٹھے کھانے کھلانا شروع کر دیں۔ میں اتنی میں بدذوق نہیں ہوں۔" سویرا نے مصنوعی خفگی کا اظہار کیا تو وہ ہنس پڑیں۔

وہ ماں بیٹی اپنی باتوں میں مصروف تھیں جب لاؤنج کا دروازہ ہلکی سی آواز سے کھلا۔ دونوں فوراً اس طرف متوجہ ہوئیں۔ تو سامنے تئیس چوبیس سالہ ایک پرکشش سی لڑکی کو کھڑے پایا جو تذبذب کے عالم میں ان دونوں کو دیکھتی جھجک کر دروازے میں ہی ایستادہ تھی۔

"آ جاؤ بیٹا! اندر آ جاؤ۔" روبینہ نے پکارا تو اس نے اندر آتے ہوئے دونوں کا سلام کیا۔

"وعلیکم اسلام! آؤ بیٹھو۔" انہوں نے صوفے کی سمت اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئی۔

"میں ام ہانی ہوں زبیر بھائی کی بہن۔" اس نے خود ہی اپنا تعارف کروا کے ان دونوں کی الجھن رفع کی۔

"اوہ اچھا کیسی ہوں آپ؟ آپ لاہور سے آئی ہیں غالباً......؟" سویرا نے جھٹ پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں اور لاہور سے ہی آئی ہوں۔" اس نے بالترتیب دونوں سوالوں کے جواب دیئے۔

"میں ایک دن نوشی کی طرف گئی تھی بٹ آپ شاید گھر پر نہیں تھیں اس لئے ملاقات نہیں ہو پائی آئی تھنک کافی دنوں سے آئی ہوئی ہیں آپ؟" سویرا تو گویا کسی سے بات کرنے کو ترسی بیٹھی تھی۔

"جی مجھے نوشی بھابھی نے بتایا تھا آپ کا۔ ابھی بھی انہوں نے بصد اصرار بھیجا ہے مجھے اکیلے آتے ہوئے بہت جھجک محسوس ہو رہی تھی میں نے بھابھی سے کہا تو وہ کہنے لگی میری طبیعت ٹھیک نہیں تم چلی جاؤ۔" ام ہانی نے قدر تفصیل سے بتایا۔

"ارے بیٹا! تمہارا اپنا گھر ہے جب مرضی آؤ جاؤ۔" روبینہ اپنی ازلی سادگی سے بولیں تو سویرا نے بے ساختہ ٹھنڈی سانس کھینچی۔ ان کی ہی نرم دلی نے تو عافیہ کو بگاڑا تھا۔

"خیر یہ شکل سے تو معصوم لگتی ہے عافیہ کی طرح چالاک و چلتر نہیں لگتی۔" سویرا نے اس کا سرتاپا جائزہ لیتے ہوئے سوچا۔

"تم دونوں باتیں کرو میں آتی ہوں۔" رسمی حال احوال پوچھنے کے بعد وہ ان دونوں کو چھوڑ کر وہ کچن میں چلی آئیں۔

"مجھے کچی میں کوئی شارٹ ہینڈ کورس کرنا چاہ رہی تھی کیونکہ کام کے بعد تو فراغت ہی ہوتی ہے۔ زبیر بھائی نے مجھے کہا تھا کہ میں آپ سے اس سلسلے میں رہنمائی لے لوں کیونکہ آپ تو یہاں کی رہائشی ہیں۔ ہر جگہ دیکھی بھالی ہے۔" ام ہانی نے گویا اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تھا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے میں خود سوچتی رہتی ہوں کہ کچھ نہ کچھ کر لوں مگر یہ سب صرف سوچ تک ہی محدود رہتا ہے۔ کسی دوسرے کا سہارا مل جائے تو بڑی آسانی رہتی ہے۔" سویرا کو خاصی خوشی ہوئی تھی۔ وہ یوں بھی سارا دن اکیلی پڑی بور ہوتی رہتی تھی۔ زارون ہوتا تو خوب محفل جمتی لیکن وہ بزنس میں مصروف تھا اس لئے کم ہی ٹائم ملتا تھا۔

عافیہ کے آنے پر اس نے سوچا تھا کہ نوشی آپی تو شادی شدہ ہیں اس لئے اس کا مزاج ان سے نہیں ملتا چلو اس کی بہن تو ابھی ینگ ہے ایک جیسی ایکٹویٹیز ہوں گی لیکن عافیہ تو اپنی بہن سے بھی چار ہاتھ آگے تھی۔ سو ان دونوں کی نہ بن سکی۔

روبینہ جب کولڈ ڈرنکس وغیرہ لے کر اندر داخل ہوئیں تو ان دونوں میں کافی بے تکلفی ہو چکی تھی جس میں زیادہ ہاتھ سویرا کا ہی تھی۔ تاہم ام ہانی نے برا نہیں منایا تھا۔ کہ اسے بھی کسی کی ضرورت تھی سارا دن نوشی بھابھی کے ساتھ گزارنا بھی محال تھا۔

"آنٹی! آپ نے خواہ مخواہ تکلف کیا میں کون سا دور سے آئی تھی۔ یہاں اینکسی سے ہی تو آئی ہوں دو قدم کے فاصلے پر۔" انہوں نے کولڈ ڈرنک اسے پیش کی تو وہ بے ساختہ بول اٹھی۔

"آئی تو پہلی دفعہ ہو چاہے دو قدم کا فاصلہ ہو یا سو قدم کا اور میں نے کون سا کوئی اتنا لمبا چوڑا تکلف کیا ہے تمہارے لئے بس فریج میں پڑی چیزوں کو فرائی کیا ہے۔" وہ اپنائیت سے بولیں ام ہانی کو بہت اچھی لگیں۔

"شکریہ۔" اس نے گلاس تھاما باقی لوازمات بھی اس نے ان کے بے حد اصرار کرنے پر بھی صرف چکھنے پر اکتفا کیا تھا۔ ہلکی پھلکی باتوں کے درمیان اسے وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔

"بہت مزہ آیا آنٹی! بہت شکریہ۔ سویرا تم آنا ہماری طرف جب فارغ ہو گی پھر سوچیں گے کہ کون سا کورس ہمارے لئے زیادہ موزوں رہے گا۔" وہ جانے کے لئے اٹھتے ہوئے بولی۔

"ضرور میں صبح ہی آتی ہوں۔" سویرا جھٹ بولی۔

لاؤنج سے باہر نکلتے ہوئے وہ ان کے بارے میں بہت اچھی رائے قائم کر چکی تھی اور یہی حال ان دونوں کا بھی تھا۔

☆......☆......☆

اسے یہاں آئے ہوئے تقریباً دو ہفتے ہو چکے تھے۔ زبیر بھائی کا فرض تو گویا اسے یہاں لانا تھا۔ اگرچہ آتے جاتے اٹھتے بیٹھتے وہ اس کا حال احوال پوچھ لیتے تھے مگر جو وعدے وہ اسے لانے کے لئے کر چکے تھے وہ ایسے ہی تھے جیسے حکومت عوام کو ابتداء میں سبز باغ دکھا کر اپنا حمایتی بناتی ہے بعد میں آنکھیں ماتھے پر رکھ لی جاتی ہیں گویا ملک چلانے کے لئے یہ پہلا اصول ہو۔

نوشی بھابھی کو موجودگی میں کون سا کورس اور کہاں کا کورس......؟ سارا دن کاموں سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی۔ یہ تو شکر تھا کہ سویرا کی کمپنی مل گئی تھی اور آنٹی بھی اچھی تھیں۔ فارغ ہوتی تو سویرا کی طرف چلی جاتی اور سویرا فارغ ہوتی تو اس کی طرف آ جاتی یوں دن گزر رہے تھے۔

نوشی بھابھی کی فرمائش پر اس نے آلو کا بھرتہ بنایا تھا۔ روبینہ آنٹی بڑے شوق سے کھاتی تھیں اس نے پلیٹ میں ان کے لئے بھرتہ نکالا اور بھابھی کو بتا کر ان کے پورشن کی طرف آ گئی۔

لاؤنج کا دروازہ کھول کر وہ جونہی اندر داخل ہوئی۔ عین سامنے والے صوفے پر دو نوجوان لڑکوں کو براجمان دیکھ کر اس کے قدم وہیں رک گئے۔ وہ دونوں اپنی باتوں کو چھوڑ کر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ گڑبڑا گئی۔

"سویرا کہاں ہے؟" یہ چار چار نگاہوں کا اثر تھا کہ وہ اچھی خاصی بااعتماد لڑکی بھی پزل ہو گئی۔

"کون سویرا......؟ یہاں کوئی سویرا تو ہرا نہیں رہتی بی بی......! اور تم کون ہو......؟ اس پلیٹ میں کیا بم رکھ کے لائی ہو......؟ ارادہ کیا ہے بی بی تمہارا مجھے تو را یا موساد کی ایجنٹ لگتی ہو۔" ان میں سے ایک نے مشکوک نگاہوں سے اسے سرتاپا گھورتے بھی کچھ تابڑتوڑ سوالات شروع کر دیئے۔ دوسرا اگرچہ کچھ بولا نہیں تھا تاہم اس کے چہرے کے تاثرات بھی کچھ کم خوفناک نہ تھے۔

"یہ روبینہ آنٹی کا گھر نہیں ہے؟" وہ بے تحاشا گھبرا گئی۔ تھوک نگل کے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے وہ بمشکل پوچھ پائی تھی۔ ہاتھوں کی لرزش پلیٹ میں منتقل ہو رہی تھی۔

"یہ کوئی روبینہ نگینہ کا گھر نہیں ہے۔ جان کی امان چاہتی ہو تو بھاگ جاؤ یہاں سے اور زندگی بھر یہاں کا رخ نہ کرنا ورنہ کال کوٹھری میں پابند زنجیر کر دی جاؤ گی۔ جہاں ایڑیاں رگڑ رگڑ کے زندگی گزارنا پڑے گی۔ ایک ایک بوند پانی کو ترسو گی۔" وہی پہلے والا دبنگ لہجے میں غرایا تو ام ہانی کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے بدن میں سے جان ہی نکال لی ہو۔ اس میں تو اتنی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ پلٹ کر سر پر پاؤں رکھ کے بھاگ ہی جاتی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ پلیٹیں اس کے ہاتھوں سے چھوٹیں اور ایک زوردار آواز سے زمین بوس ہو گئیں اس سے پہلے کہ وہ خود بھی لہرا کے زمین پر گرتی روبینہ کچن سے برآمد ہوئیں۔

"کیا ہوا.....؟ کس چیز کی آواز تھی؟" وہ یقیناً پلیٹیں گرنے کی آواز سن کے باہر آئی تھیں۔ ام ہانی پر نظر پڑی تو فوراً اس سے مخاطب ہوئیں۔

"آؤ ام ہانی! بیٹھو۔ تم کب آئیں۔" اس کا کپکپاتا وجود اور چہرے پر اڑتی ہوائیاں دیکھ کر وہ فوراً اس کی طرف بڑھیں۔

"کیا ہوا بیٹا! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" اس کا ہراساں چہرہ انہیں بھی پریشان کر گیا۔

"ماما! کیا ہوا ہانی کو.....؟" اسی لمحے سویرا سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی نیچے آئی تو موجود صورتحال کو دیکھ کر وہ بھی گھبرا سی گئی۔

"میں گلوکوز لے کر آتی ہوں۔" وہ فوراً کچن کی طرف لپکی۔ گلوکوز ملا پانی پی کر اس مختل حواس کچھ اعتدال پر آئے تھے۔ زارون نے ملامتی نظروں سے مہد کو دیکھا تو وہ جواباً یوں جتاتی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"ٹھیک سے اوپر ہو کر بیٹھ جاؤ ہانی!" سویرا ملائمت سے بولی۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" وہ بدقت مدہم لہجے میں بولی۔ اس کے حواس ٹھکانے پر آئے تو سویرا کی بھی جان میں جان آئی۔

"یہ پلیٹیں کس نے توڑی ہیں اور کیا تھا ان میں.....؟" دفعتاً سویرا کی نظر سامنے پڑی تو اس نے اچنبھے سے دریافت کیا۔

"یہ تمہاری دوست غالباً کچھ لائی تھی تمہارے لئے جیسے ہی اندر داخل ہوئیں تو پاؤں سامنے ٹیبل سے ٹکرا لیا۔ پلیٹیں زمین بوس ہوئیں اور یہ بہت زیادہ گھبرا گئیں۔" اسے منہ کھولتا دیکھا کر مہد نے فراٹے سے من گھڑت قصہ سنایا۔ ام ہانی کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

"ٹوٹ گئیں تو پھر کیا ہوا بیٹا! تمہیں تو کوئی چوٹ نہیں آئی؟" روبینہ آنٹی نے فکرمندی سے پوچھا تو وہ مشکل دائیں بائیں سر ہلا پائی۔

"سویرا! اٹھو کر چیاں اٹھا کے ڈسٹ بن میں ڈالو کسی کے پاؤں میں نہ لگ جائیں۔" ان کے حکم پر سویرا فوراً اٹھ گئی۔

"لو تعارف کروانا تو یاد ہی نہیں رہا میرا بیٹا ہے زارون اور یہ بھانجا ہے مہد دونوں نے مل کے نیا نیا بزنس اسٹارٹ کیا ہے اس لئے گھر کم ہی نکلتے ہیں آج خوش قسمتی سے دونوں لنچ پر آ گئے ہیں۔" وہ خوشدلی سے بتا رہی تھیں۔

"اور میں بدقسمتی سے ادھر آ گئی۔" اس نے جل کے سوچا۔

"کیسی ہیں آپ؟" مہد کی خوش اخلاقی قابل دید تھی زارون کو ہنسی آنے لگی۔

"ٹھیک ہوں۔" ام ہانی نے ایک تشنانی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی۔

"میں چلتی ہوں آنٹی!" مزید رکنے کی اسے میں ہمت نہیں تھی۔

"بیٹھو بیٹا! کھانا کھا کے جانا۔" روبینہ پس منظر سے ناواقف اسے روکنے لگیں۔

"شکریہ آنٹی! میں کھا کر آئی ہوں۔ بھابھی کی طبیعت ٹھیک نہیں انہیں جا کر روائی کھلانی ہے۔ میں دو منٹ کا کہہ کر آئی تھی۔" اسے معلوم تھا آنٹی جلدی سے جانے نہ دیں گی اسی لئے عذر تراشا۔

"اچھا چلو میں شام میں آؤں گی نوشی کا پوچھنے۔" انہوں نے کہا تو وہ ایک کٹیلی نگاہ ان دونوں پر ڈال آنٹی کو سلام کرتی باہر نکل گئی۔

"ہر وقت ڈرامے سوجھتے رہتے ہیں تمہیں۔" روبینہ کے باہر نکلتے ہی زارون نے مہد کی کو ایک دھپ رسید کی تو وہ کراہ کے رہ گیا۔

"تمہارا ہی فائدہ کر رہا تھا بیٹے!" اس نے کمر سہلاتے ہوئے جتایا۔

"میرا کیا فائدہ کر رہے تھے؟ وہ کیا میرے حصے کا کھانا کھانے آئی تھی جو تم اسے ڈرا دھمکا کے واپس بھیجنا چاہ رہے تھے۔" زارون نے خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم ابھی کم فہم ہو بچے! میں نے سوچا جس طرح مس عافیہ تمہارے پیچھے پڑ گئی تھیں کہ ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا تھا کہیں اسی طرح مس ام ہانی

بھی ہاتھ دھو کر تمہارے سر نہ ہو جائیں اس لئے خطرہ پیدا ہونے سے پہلے ہی اسے ختم کر دینا چاہیے کیونکہ اس دفعہ مخالف پارٹی نے ڈائریکٹ تم پر حملہ کرنے کی بجائے پہلے تمہاری فیملی کو متاثر کیا ہے۔ اب تمہاری باری تھی۔ لہٰذا میں نے سوچا کہ میں کہیں واقعی اپنے اکلوتے دوست سے ہاتھ نہ دھو بیٹھوں اس معاملے کو یہیں ختم کرنا ضروری ہے۔" مہد کی زبان رواں ہو چکی تھی۔

"بات تو تمہاری ٹھیک ہی ہے لیکن اگر ماما کو علم ہو جاتا ناں کہ ان کی مہمان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ہے تو خیر نہیں تھی۔" زارون نے قدرے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"اسی لئے تو بات سنبھال لی تھی میں نے۔" اس نے دانت نکوسے۔

"ویسے مہد! ایک بات ہے۔" زارون پر سوچ انداز میں گویا ہوا۔

"کیا.....؟"

"یہ لڑکی ام ہانی عافیہ ایسی نہیں لگی مجھے یہ تو بہت مقدس، معصوم اور کومل سی لگ رہی تھی۔" زارون کی آنکھوں میں اس کا سراپا آن سمایا گھبرایا گھبرایا، ہراساں چہرہ۔

"آہم۔ آہم۔" مہد معنی خیز انداز میں کھانسا۔

"پھر کیا خیال ہے میری بھابھی بنا دو اسے آنٹی کی بھی مشکل حل ہو۔" اس نے قہقہہ لگایا۔

"اب میرا یہ مطلب نہیں تھا تم ہمیشہ الٹا ہی سوچنا۔" زارون نے اسے گھرکا۔ جبکہ وہ پرواہ کئے بغیر گنگنانے لگا۔

آئے ہو میری زندگی میں تم بہار بن کے
اب زارون کے ہاتھ تھے اور بے چارے مہد کی گردن!

☆.....☆.....☆

نہ امنگ دل میں رہی کوئی نہ ذہن میں سوال ہے
یہ جو گردشیں ہیں حیات پر میری خواہشوں کا کمال ہے
میں نے کب کہا میں حسین ہوں یا محبتوں کا امین ہوں
میری گفتگو میرا آئینہ میرا ذوق میری مثال ہے

وہ غیر ارادی طور پر کئی دنوں سے ام ہانی کا منتظر تھا۔ اس دن جو کچھ مہد اور وہ اس کے ساتھ کر چکے تھے اس پر مہد تو نہیں البتہ وہ خود خاصا شرمندہ تھا۔ اس بات کا تو وہ بھی معترف ہو چکا تھا کہ اس کی موجودگی میں ام ہانی ان کی طرف نہیں آتی تھی اور اگر وہ چاہتی تو اس دن بھی ان کی اچھی خاصی درگت بنوا سکتی تھی۔ لیکن وہ خاموش رہی تھی اور اس کے آنے سے جس طرح ان کی ایکسی چمکنے دمکنے لگی تھی یہ اس کے سگھڑاپے کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ روبینہ اور سویرا اکثر اس کی تعریفیں کرتی رہتی تھیں۔

آج صبح سے ہی اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ ٹیبلیٹ لے کر کچھ دیر کام کرتا رہا جب سر کا درد زیادہ بڑھا تو لغاری صاحب کو دیکھتے کا کہہ کر وہ آفس سے اٹھ آیا۔

"میں ٹھیک ہوں تم لوگ بہت یاد آتے ہو۔" وہ اپنی دھن میں لاؤنج میں داخل ہوا۔ تو ام ہانی فون پر کسی سے مخاطب تھی۔ اس کی اس طرف پشت تھی وہ اسے دیکھ نہ سکی۔ تھی تو غیر اخلاقی حرکت لیکن اس سے بات کرنے کی غرض سے وہ ناسازی طبیعت کے باوجود وہیں صوفے پر ٹک گیا۔

"تو چار حرف بھیجو تم ان دونوں پر اور آ جاؤ گھر۔" دوسری طرف ضحیٰ نے اسے اپنی عادت کے مطابق مشورہ دیا۔

"اگر یونہی کرنا ہوتا تو میں آنے کی حامی ہی نہ بھرتی۔ اب جس کام کی ذمہ داری اٹھائی ہے جب تک وہ مکمل نہیں ہوتا تب تک تو رکنا ہی پڑے گا۔" ام ہانی نے گہری سانس کھینچی۔

"تمہیں ہی شوق ہو رہا نوشی بھابھی کی "خدمتیں" کرنے کا طلحہ ابھی تک غصہ میں ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں ہی آ گئی ہو۔" ضحیٰ کے لہجے میں بھی دبا دبا غصہ تھا۔

"چلو چھوڑو اب اس بحث سے کیا فائدہ.....؟" اگر مقابل کے طرز عمل کو مانتے ہوئے ہم بھی برے بن جائیں تو ہمیں مقابل کو بھی برا کہنے کا

کوئی حق نہیں۔ وہ اپنے عمل کے جوابدہ ہیں ہم اپنے۔"
حسب عادت وہ رسان سے بولی۔
"آج کے دور میں ایسی سوچ.....؟"
زارون کو حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہوئی۔
"اچھا دفعان کرو نوشی بھابھی کو ان کے اہل خانہ سمیت۔ تم اس دن بتا رہی تھی کہ جس آنٹی کی انیکسی میں تم لوگ رہتے ہو ان کا اک ڈیشنگ سا بیٹا بھی ہے۔" آخری جملہ بولتے ہوئے ضحیٰ نے اپنی آواز کو دھیما کرلیا۔ میادا کوئی سن نہ لے۔
"میں نے صرف بیٹا کہا تھا ڈیشنگ کا اضافہ تم نے خود سے کیا ہے۔" اس کا مطلب سمجھتے ہوئے ام ہانی کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔
"یار! ڈیشنگ بھی ہوگا۔ تم ان کی انیکسی میں رہتی ہو۔ صبح صبح لان میں چہل قدمی کرنے نکلنا ادھر سے وہ ٹریک سوٹ میں جاگنگ سے واپس آئے گا۔ لان میں دونوں کا ٹاکرا ہوگا۔ تم مسکراتے ہوئے اسے فریش جوس پیش کرنا ساتھ میں ہلکی پھلکی باتیں۔ آہ ہاہ کیا افسانوی سین کری ایٹ ہوجائے گا۔" ضحیٰ نے تصوری کی آنکھ سے یہ سب ملاحظہ کرتے ہوئے لطف لیا۔
"لیکن نہ میں کسی افسانے کی ہیروئن ہوں اور نہ وہ ہیرو۔" اس کے زریں قسم کے خیالات سن کر ام ہانی کو بے حد ہنسی آئی۔ خود اسے بھی وہ دن یاد آ گیا۔ جب وہ اپنی لائف کے ہیرو کے ابھی تک نہ ملنے پر سخت نالاں اور برہم ہو رہی تھی۔
"بننے میں دیر کتنی لگتی ہے ویسے نام کیا ہے صاحب بہادر کا۔ اس نے یاد آنے پر پوچھا کہ اگر لڑکے کا نام اچھا ہو تو آدھا پونا ہیرو تو وہ بن ہی جاتا ہے۔
"زارون۔" اس نے محفوظ ہوتے ہوئے بتایا۔
اپنے نام پر زارون کے کان کھڑے ہوگئے۔ تو ان دونوں کے درمیان موضوع گفتگو اس کی ذات تھی اسے الجھا ہوا تاہم فطری تجسس بڑھا تو وہ ہمہ تن گوش ہوا۔
"ارے واہ..... نام کسی ناول کے ہیرو جیسا ہے۔ ہاتھ صاف کرلے یار.....! موقع بڑا اچھا ہے۔ ایسا مواقع تو قسمت والوں کو نصیب ہوا کرتے ہیں تم شکر کرو تمہارا نام بھی ان خوش نصیبوں کی فہرست میں آ گیا۔ پہلی بار مجھے زبیر بھائی پر پیار آرہا ہے کیا نیک کام کیا ہے نہوں نے۔" ضحیٰ کی زبان قینچی کی طرح رواں ہو چکی تھی۔ ام ہانی کا مارے ہنسی کے برا حال ہوگیا۔
"مس ضحیٰ صاحبہ! واپس آجائیں اپنے تخیل کی پرواز سے۔" اس نے ہنستے ہوئے اسے ٹوکا۔
"آہ۔ ہاہ نہایت ان رومینٹک لڑکی ہو تم افسوس ہو رہا ہے مجھے کہ تم یہاں اکیلی ہو اگر میں ہوتی تو معاملہ فٹ کروا کے سانس لیتی چاہے نوشی بھابھی کے سینے پر سانپ ہی کیوں نہ لوٹتے۔" ضحیٰ نے تصور کی آنکھ سے نوشی بھابھی کو تلملاتے ہوئے دیکھا کر چٹخارہ لیا۔ وہ اگر یہاں ہوتی تو کچھ بعید نہ تھا سب کر گزرتی۔ اسی لئے تو نوشی بھابھی نے زبیر بھائی کو بطور خاص "ام ہانی" کا کہہ کر بھیجا تھا کہ ضحیٰ تو بذات خود ان کے لئے دردسر بن جاتی۔
"اچھا اب بکواس بند کرو میں فون رکھ رہی ہوں اور اب ہر وقت روبینہ آنٹی کا فون نہ کھڑکاتی رہنا یوں روز روز کسی کے گھر آنا وہ بھی فون سننے مجھے اچھا نہیں لگتا۔" ام ہانی نے گفتگو کو سمیٹتے ہوئے اسے تنبیہ کی۔ زبیر بھائی تو صبح کے گئے رات کو گھر آتے تھے اور ضحیٰ اگر نوشی بھابھی کے موبائل پر کال کرتی تو وہ بہانہ کر دیتیں ام ہانی سو رہی ہے یا سویرا سے ملنے گئی ہے۔ ام ہانی خود بھی سب سے بات کرنے کے لئے ترس گئی تھی چنانچہ ایک دن اس نے روبینہ آنٹی کی اجازت سے گھر فون کرلیا تھا۔ تب سے ضحیٰ اسی نمبر پر کال کرلیتی تھی۔ کہ اس طرح کھل کے بات ہوجاتی تھی۔
رسیور کریڈل پر رکھ کے وہ نہایت خوشگوار موڈ میں جانے کے لئے پلٹی تھی کہ عین سامنے والے صوفے پر زارون کو براجمان دیکھ کر وہ اچھی خاصی گڑبڑا گئی۔ وہ کب اندر داخل ہوا تھا؟ کب سے اس

کی فضولیات سن رہا تھا اسے کچھ خبر نہ ہو سکی تھی تاہم انداز نشست سے لگ رہا تھا کہ وہ کافی دیر سے یہاں براجمان اس کی ساری گفتگو سن چکا تھا۔
"کیسی ہیں آپ؟" خجالت سے سر جھکائے انگلیاں چٹخاتے ہوئے وہ یوں کھڑی تھی جیسے کوئی بہت بڑا جرم سرزد ہوگیا ہو۔ بالآخر زارون نے اسے خود ہی مخاطب کرلیا۔
"جی۔ ای۔ ای میں ٹھیک ہوں۔" عرق ندامت ماتھے سے صاف کرتے ہوئے بمشکل تھوک نگل کے بولی۔
"بیٹھیں پلیز۔" اسے یوں کھڑا دیکھ کے وہ کہے بغیر نہ رہ سکا۔
"نہیں میں چلتی ہوں بھابھی انتظار کر رہی ہوں گی۔" وہ جلدی سے کہہ کر اس کی بات سنے بغیر تیزی سے باہر نکل گئی وہ اس کی پشت دیکھتا رہ گیا۔

☆.....☆.....☆

"راحیل کو مچھلی بریانی بہت پسند ہے ایسا کرو لنچ میں مچھلی بریانی بنالو۔ ساتھ کوفتے شامی اور چکن کڑاہی بنالینا بیٹھے میں تو راحیل فروٹ ٹرائفل ہی شوق سے کھاتا ہے بس یہی دو تین، چیزیں بنالو باقی تمہارے بھائی بازار سے لے آئیں گے۔" نوشی بھابھی نے تو گویا احسان اور فیاضی کی حد ہی کر ڈالی تھی۔
"ٹھیک ہے۔" نہایت کوفت اور بیزاری کے عالم میں اس نے نوش بھابھی کا مینو سنا اور اپنی بیزاری کو بمشکل دو لفظوں ڈھالا تھا۔
الرجک اسے کھانا پکانے پر نہیں تھی بلکہ "راحیل" سے تھی۔ نوشی بھابھی کا بھائی۔ انتہائی حرص خبث طبیعت کا مالک تھا۔ ام ہانی کو تو سب سے بری اس کی نظریں لگتی تھیں۔ یوں لگتا تھا وجود کے آر پار ہو رہی ہیں۔
"توبہ نظریں کہ نیزر شعاعیں۔" ضحیٰ اکثر بگڑ کے کہا کرتی۔ رائے تو خود اس کی بھی نہایت بری تھی۔ البتہ اس کی پوری کوشش ہوا کرتی تھی کہ نوشی بھابھی کے میکے والوں کے منہ کم کم ہی لگا کرے۔
حکم نامہ جاری کرنے کے بعد نوشی بھابھی خود اپنے بھاری تن و توش کو گھسیٹتی اپنے بیڈروم میں گھس گئی تھیں جبکہ وہ ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کچن کی جانب چل دی۔
"ہیلو..... کیا ہو رہا ہے؟" وہ اپنے دھیان میں مگن چاولوں پر مچھلی کی تہہ لگاتے ہوئے ہڑبڑا کے پلٹی اور مقابل راحیل کو دیکھ کر دل میں اٹھتی نفرت اور ناگواری کی لہروں کو دباتی بمشکل بول پائی۔
"کچھ نہیں۔" اس نے رسماً بھی اس نمونے سے حال چال پوچھنا گوارا نہیں کیا تھا اور دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہوگئی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اس کی رکھائی سے متاثر ہو کر یہ بلا سر سے ٹل ہی جائے۔ لیکن اس کا یہ خیال محض گمان ہی ثابت ہوا اور وہ کمال اطمینان سے چلتا ہوا اس کے برابر آن کھڑا ہوا۔
"واؤ..... تمہیں میری پسند کا اتنا خیال ہے مجھے اب اندازہ ہوا ہے۔" اپنی پسندیدہ ڈشز کو دیکھتے ہوئے اس کے لہجے ہی نہیں آنکھوں سے بھی ندیدہ پن چھلک رہا تھا۔ ام ہانی کو شدید قسم کی کوفت ہو رہی تھی۔
"مجھے نوشی بھابھی نے یہ سب بنانے کے لئے کہا تھا۔" اس نے جتاتے لہجے میں تردید کرنا از حد ضروری سمجھا۔ تاکہ اس کی یہ خود ساختہ خوش فہمی تو ختم ہو سکے۔
"تمہیں تو دل رکھنا بھی نہیں آتا اتنی دور سے صرف تمہاری خاطر آیا ہوں۔" انتہائی دلبرانہ انداز میں کہتا وہ اسے زہر سے بھی زیادہ برا لگ رہا تھا۔
"راحیل بھائی! آپ ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھیں۔ میں بھابھی کو وہیں بھیجتی ہوں۔" اس کی حدیں ختم ہونے پر آئیں تو وہ فوراً بول اٹھی۔ اس کے بھائی کہنے پر وہ تلملایا تو بہت۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا وہ اسے بولنے کے لئے پر تولتا دیکھ کر فوراً نوشی بھابھی کو آوازیں فوراً باہر نکل گئی ناچار راحیل کو منہ لٹکا کر ڈرائنگ روم کا رخ کرنا پڑا۔ ام ہانی نے شکر کا سانس لیا۔
اور پھر سارا وقت اس کی یہی کوشش رہی کہ

ڈھیٹ اس کے سامنے
س وقت کو کوس رہی تھی
تھا۔
ی کام سے باہر نکلا۔ تو
ے کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر
نہیں کیا بات تھی لیکن
یں لگا تھا۔ تیز قدموں
ا۔ ام ہانی کے تنے تنے
ں سے ہرگز پوشیدہ نہیں
جن نظروں سے دیکھ رہا
ی لگا دی تھی۔
ویرا یاد کر رہی ہیں۔" وہ
ے میں مضبوطی اور استحکام
کھوں پائے کے مصداق

اں بھاں کر رہا تھا۔ اس
ور روبینہ آنٹی میں سے
رے میں بیٹھ گئی اور ایک
ع کر دی۔ راحیل کی
نے کی ہمت نہیں کر سکتی

ے قدموں کی چاپ سنائی
تھا۔
دی کسی بھی انسان کے
اگلا بندہ ایسے گلٹس سے
مقابل کو بھی ان ہتھیار کی
۔" وہ آتے ہی اس پر کیوں
ے نہیں آتی تھی تاہم کچھ بھی
ں نے استفہامیہ نظروں سے
ا۔
سے یہ قابل اعتبار نہیں لگتا
یں برتنی چاہیے کہ اگلا بندہ
ئے۔" اس کی سمجھ میں اب آیا
کے ساتھ یوں لان میں تنہا

"میں جان بوجھ کر اس کے ساتھ تھوڑا ہی بیٹھی تھی۔ وہ خود ہی آ گئے تھے بوتل کے جن طرح۔" اس نے جز بز ہو کے صفائی دی۔ زارون کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ وہ ایسی ہی تھی سادہ اور شفاف۔

"او کے آئندہ دھیان رکھنا۔" وہ نرمی سے کہتا پلٹنے لگا تو ام ہانی فوراً اسے پکار بیٹھی۔

"آنٹی اور سویرا کہاں ہیں؟ آپ کہہ رہے تھے مجھے سویرا بلا رہی ہے۔"

وہ تو تمہیں وہاں سے اٹھانے کا بہانہ تھا۔ ماما اور سویرا آج مہد کی طرف گئی ہیں۔ میں ایک ضروری کام سے باہر جا رہا ہوں۔ تم فی الحال یہیں رکو۔ وہ موصوف ابھی جانے والے میں پھر چلی جانا اگر بور ہو جاؤ تو گھر فون کر کے گپ شپ لگا لینا۔" آخری جملہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں معنی خیز سے چمک در آئی تھی۔ ام ہانی اس دن کا واقعہ یاد کر کے نئے سرے سے شرمندہ ہو گئی۔

"ٹھیک ہے.....؟ میں جاؤں اب.....؟"

وہ اس اجازت کا منتظر یہیں کھڑا تھا۔ اس نے آہستگی سے سر اثبات میں ہلایا تو وہ ایک بھرپور نگاہ اس پر ڈالتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

ہمیں تم سے محبت ہے
ہمارا امتحاں لے لو
اگر چاہو تو دل لے لو
اگر چاہو تو جان لے لو
ہمیں تم بھول مت جانا
یہ اک فریاد کرتے ہیں
وفا کی شرط سے بھی ہم
تمہیں آزاد کرتے ہیں
زباں بھی ہم نہ کھولیں
یہ تم ہم سے زباں لے لو
زمانہ کچھ بھی نہیں بس
اک رنگین دھوکہ ہے
تمہارے پیار کا لیکن
ہمیں پورا بھروسہ ہے
خزاں کا غم ہمیں دے دو
بہاروں کا سماں لے لو
اگر چاہو تو دل لے لو
اگر چاہو تو جان لے لو

سویرا کو کچھ شاپنگ کرنا تھی وہ اسے بھی زبردستی ساتھ گھسیٹ لائی تھی۔ اس نے ہزار منع کیا کہ وہ کیا کرے گی جا کر، اسے تو رکھ خریدنا ہی نہیں۔ لیکن وہ سویرا ہی کیا جو مان جائے۔

"مہد کی برتھ ڈے تھی اور سویرا میڈم کو کوئی گفٹ ہی نہیں پسند آ رہا تھا۔ مہد سویرا کا خالہ زاد بھائی تھا اور ان دونوں کی نسبت بچپن ہی سے طے تھی۔ جو کہ اب انتہائی پسندیدگی کو چھو چکی تھی۔

"تم چند دن پہلے نہیں شاپنگ کر سکتی تھی سویرا..... ؟ اب تمہیں اپنے لیے بھی سب کچھ خریدنا ہے اور ابھی مہد بھائی کے لیے بھی گفٹ خریدنا ہے اور میرا نہیں خیال کی آج کی تاریخ میں تم یہ معرکہ سر انجام دے لو گی۔" وہ جھنجھلا کر سویرا پر برسی جو بیس کانٹیں کھنگالنے کے بعد بھی خالی ہاتھ ہی گھوم رہی تھی۔

"میں تو کافی دنوں سے سوچ رہی تھی۔ تمہیں ہی نوشی بھابھی کے ناز برداریوں سے فرصت نہیں ملتی تھی۔" سویرا نے بڑے آرام سے سارا الزام اس کے سر دھرا تو وہ خشمگیں نظروں سے اسے گھورنے لگی۔

"تم کسی اور کے ساتھ بھی آ سکتی تھی میرا آنا کوئی اتنا ضروری نہیں تھا اپنی کاہلی کو میرے سر مت تھوپو۔"

"تمہارا آنا ضروری تھا تو ساتھ لائی ہوں۔" وہ سر جھٹک کے بے نیازی سے کہتی ایک اور شاپ میں گھس گئی۔

"اب کچھ لے بھی چکو۔" ایک انتہائی خوبصورت ڈریس ریجیکٹ کر کے وہ مزید آگے بڑھی تو ام ہانی سے رہا نہ گیا۔ لہٰذا بول ہی اٹھی۔

"کچھ پسند آئے گا تو لوں گی یا یونہی منہ اٹھا کے ہر چیز خرید لوں۔" وہ کمال اطمینان سے گویا ہوئی۔

www.pkdigest.com

ام ہانی کو گھر جانے کی فکر تھی۔ شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے اور وہ کافی دیر سے نکلی ہوئی تھیں۔

"نوشی بھابھی کا غصہ تو اپنے عروج پر پہنچا ہوگا۔" اس نے دل ہی دل میں قیاس لگایا۔

"تم بھی لے لو ایک ایسا ڈریس۔ کتنا اچھا لگ رہا ہے۔" بمشکل اللہ اللہ کر کے سویرا کو ایک ڈریس اپنے لئے پسند آیا تو وہ اس کے پیچھے بھی پڑ گئی۔

"میں کیا کروں گی لے کر.....؟ مجھے کون سا کوئی فنکشن اٹینڈ کرنا ہے۔" وہ ایسے شوخ اور فینسی ڈریسز نہیں پہنتی تھی۔ اسی لئے متامل ہو رہی تھی۔

"ہیلو گرلز.....! کس بات پر بحث ہو رہی ہے۔" وہ دونوں بحث و تکرار میں مشغول تھیں۔ جب عقب سے آتی مہد کی آواز پر چونک کر مڑیں تو مہد کے ساتھ زارون بھی موجود تھا۔ وہ دونوں بھی غالباً شاپنگ کے لئے آئے تھے۔

"کچھ نہیں تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو۔" سویرا جلدی سے مڑی تھی۔ وہ فنکشن سے پہلے ہر چیز سرپرائز رکھنا چاہتی تھی اور اب اس کا حال ہی میں پسندیدہ ڈریس بھی کینسل ہو چکا تھا کیونکہ وہ اب مہد دیکھا چکا تھا۔

"ظاہر ہے شاپنگ سنٹر میں شاپنگ ہی کریں گے انڈے تو بیچنے سے رہے۔" اس کے بے تکے سوال پر مہد چڑ کے بولا۔

"تو انڈے بھی بیچ لو تم سے تو ہر چیز کی توقع کی جا سکتی ہے۔" وہ بھی کون سا کم تھی فوراً چمک کے بولی۔

ام ہانی ان دونوں کی بحث سے لاتعلق بار بار اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جہاں ٹائم کافی ہو چکا تھا۔ نوشی بھابھی نے تو بات کا بتنگڑ بنا دینا تھا۔ فکرمندی کے آثار اس کے چہرے سے ہی ہویدا تھے۔ رسٹ واچ پر بار بار پھسلتی اس کی نگاہیں اور چہرے پر گھبراہٹ و تفکرات کے تاثرات زارون سے ہرگز مخفی نہیں تھے۔ وہ اس کی پریشانی کا سبب سمجھ سکتا تھا۔

"اچھا اب بحث ختم کرو اور جو خریدنا ہے جلدی خریدو اور سویرا تم جلدی کرو ماما گھر میں اکیلی ہوں گی اور ام ہانی کو بھی گھر جانا ہے اس کی بھابھی بھی اکیلی ہوں گی ہری اپ جلدی کرو۔" اس کی بات پر ام ہانی نے بے ساختہ تشکرانہ نظروں سے اسے دیکھا۔ جو بات سویرا پچھلے گھنٹے سے نہ سمجھ سکی تھی۔ وہ بات وہ چند لمحوں میں سمجھ گیا تھا۔

"سن یار! آج تو موقع اچھا ہے۔ بھابھی کو کوئی اچھا سا گفٹ دلا دے۔" موقع ملتے ہی مہد، زارون کے کان میں گھس کر شرارت سے بولا تو زارون کے لبوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

"وہ لے تو سہی میں سادا شاپنگ پلازہ ہی خرید لوں۔" وہ بھی موڈ میں آ گیا تو مہد کو خوامخواہ ہی معنی خیزی کھانسی لگ گئی۔

"یہ تم لوگ کیا کھسر پھسر کر رہے ہو۔" سویرا نے مشکوک نظروں سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے سوال داغا۔

"کچھ نہیں ہمارے پرسنز ہیں۔" مہد کی طرف سے ٹکا سا جواب آیا تھا۔

"او کے یار! میں چلتا ہوں۔ تم لوگ شاپنگ کرو۔ کیوں کہ میری موجودگی میں تو یہ مانو بلی ایک چیز تک نہیں خریدے گی۔" وہ اس کی ہر عادت سے خوب واقف تھا۔ اسی لیے ان سے کو خدا حافظ کہہ کر باہر کی طرف بڑھ گیا۔

"اور آپ بھی ہمارے اس فیملی ڈنر میں شرکت ضرور کیجئے گا مجھے دلی خوشی ہوگی۔" وہ جاتے ہوئے ایک مرتبہ پھر ام ہانی کو کہنا نہیں بھولا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

وہ سب کوئی بھی خوشی یونہی سلیبریٹ کیا کرتے تھے چاہے کسی کی برتھ ڈے ہو یا کوئی اور بات کبھی ساتھ لنچ، کبھی ڈنر اور کبھی کبھار بریک فاسٹ تھی۔ مہد اپنی ماما کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ اکلوتا بیٹا تھا۔ مہد اس کی ماما، سویرا، زارون اور روبینہ آنٹی یہ ان کا خالصتاً فیملی فنکشن تھا۔ جس میں کوئی بھی بیرونی پرسنالٹی شامل

نہیں ہوتی تھی۔ یہاں تو خیر وہ اپنے بھائی بھابھی کے گھر تھی ایسے فنکشن افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔ اگر وہ اپنے گھر میں بھی ہوتی تب بھی یوں کسی کے خالص فیملی ڈنر میں ہرگز ہرگز شرکت نہ کرتی۔

اور پھر یہ زارون ہی تھا جس نے اپنے کم ٹائم میں سویرا کو جلدی جلدی شاپنگ کروائی تھی اور ام ہانی کے لاکھ نہ، نہ کرنے کے باوجود ان دونوں بہن بھائیوں نے ایک ڈریس، میچنگ جوتا اور جیولری اسے بھی دلا دی۔

"یہ تم اس کے اندر ہی رہنے دو تو بہتر ہوگا۔" وہ کاؤنٹر پر آ کر اپنے لئے کی گئی شاپنگ کی پے منٹ کرنے کی غرض سے پیسے نکال رہی تھی۔ جب زارون نے پیسے اس کے ہاتھ سے پکڑ کر سہولت سے اس کی بیگ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"لیکن آپ کم از کم مجھے میری شاپنگ کی تو پے منٹ کرنے دیں۔" وہ بہت سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ اسے قطعی اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ یوں کسی کی جیب سے شاپنگ کرتی پھرے۔

"جب میں باقی ساری چیزوں کی پے منٹ کر سکتا ہوں تو تمہاری چند ایک چیزیں مجھ پر بھاری نہیں ہیں۔" وہ بھی قطعیت سے کہتا کاؤنٹر مین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"لیکن مجھے یہ بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ تو انڈر سٹینڈ می۔" وہ ابھی بھی متامل تھی لہجے میں دبا دبا سا احتجاج تھا اور آنکھوں میں شکوہ ہلکورے لے رہا تھا۔

"لیکن مجھے یہ بہت اچھا لگ رہا ہے ٹرائی تو انڈر سٹینڈ می۔" اس کے الفاظ تھوڑی سی ردوبدل کے بعد اسی کو لوٹاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ایسا کچھ ضرور تھا کہ اس نے پزل ہو کر نظریں جھکا دی تھیں۔ ہتھیلیاں تک نم ہو گئی تھیں۔

"سویرا پتہ نہیں کہاں رہ گئی ہے۔" اپنا دھیان بٹانے کو وہ یونہی دائیں بائیں سویرا کو تلاشنے لگی۔

"چلو جلدی کرو۔ مجھے تو بہت بھوگ لگ رہی ہے۔ پہلے کہیں کھانا کھا لیتے ہیں۔" سویرا پتہ نہیں کس کونے سے نمودار ہوئی تھی اور آتے ہی شور مچا دیا تھا۔

"جب تک شاپنگ کرتی رہی ہو تب تک بھوک تمہارے قریب بھی نہیں پھٹکی اور اب بڑی بھوک یاد آ رہی ہے۔" شاپنگ سنٹر سے باہر نکلتے ہوئے زارون نے اسے گھورا تھا۔

"جب بھوگ لگے گی تب ہی کہوں گی ناں۔" گاڑی کا بیک ڈور کھولتے ہوئے وہ شاپنگ بیگز اس میں رکھتے ہوئے بولی۔

"آئی تھنک یہاں کسی ہوٹل سے کھانا پیک کروا لیتے ہیں۔ گھر جا کے کھا لیں گے اطمینان سے۔ اب ٹائم کافی زیادہ ہو رہا ہے۔ ام ہانی کی بھابھی پریشان ہو رہی ہوں گی۔" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے زارون نے تجویز پیش کی تو سویرا نے بھی بے ساختہ تائیدی انداز میں اثبات میں سر ہلا دیا۔ شاید بات اس کی سمجھ میں بھی آ گئی تھی۔

ام ہانی نے شکر کیا تھا کہ وہ مزید لیٹ ہونے سے بچ گئی تھی۔ تاہم اس کی سابقہ پریشانی جوں کی توں قائم تھی۔

گاڑی پورچ میں رکی تو ام ہانی کی نظریں بے ساختہ انیکسی کی طرف اٹھ گئیں۔ جہاں چند ایک لائٹس روشن تھیں پورچ میں زبیر بھائی کی گاڑی بھی موجود تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ بھی آفس سے آ چکے ہیں۔

"آج تو خیر نہیں نوشی بھابھی اپنے شوہر کے خاصے کان بھر چکی ہوں گی۔ میری جگہ ضحیٰ ہوتی تو خم ٹھونک کر میدان میں اتر آتی پر میں تو ہوں ہی بزدل۔" خود ہی دل میں قیاس لگاتے ہوئے وہ قدرے گھبراہٹ کے تاثرات چہرے پر لیے گاڑی سے اتری تھی۔

"چلو..... آج تمہاری بھابی سے بھی سلام، دعا کر لیتے ہیں۔" سویرا بھی اس کے ساتھ ہی انیکسی کی طرف چل پڑی البتہ زارون اسے خدا حافظ کہتے ہوئے اندر کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"اسلام علیکم بھابھی جان! کیسی ہیں

www.pkdigest.com

آپ؟" اندر داخل ہوتے ہوئے سویرا نے بڑے پرتپاک انداز میں سلام جھاڑا تھا۔ نوشی جو ام ہانی کو دیکھ کر ماتھے پر بل ڈالے سخت سست کہنے کے لیے منہ کھولنے ہی والی تھی۔ سویرا کو دیکھ کر رک گئی۔ بلکہ بڑی گرمجوشی سے اس کے سلام کا جواب دے کر اسے بیٹھنے کی آفر کی تھی۔

"آج تو بہت تھکاوٹ ہوگئی۔ میں نے اپنی شاپنگ تو جاتے ہی کرلی تھی لیٹ تو اس لیے ہوگئے کہ مجھے آپ کے لیے کوئی سوٹ پسند آرہا تھا۔ اگر ام ہانی نے جلدی نہ مچائی ہوتی تو میں خوب گھوم پھر کر آپ کے لیے سوٹ خریدتی۔ دراصل آپ کی ڈریسنگ اتنی یونیک ہوتی ہے کہ بندہ آپ کے لیے کچھ خریدنے سے پہلے ہزار دفعہ سوچتا ہے۔ یہ سوٹ تو بہت مہنگا ہے پتہ نہیں آپ کی پسند پر پورا اترتا ہے بھی یا نہیں۔" سویرا ایک شاپنگ بیگ نوشی بھابھی کی طرف بڑھاتے ہوئے نہایت محبت بھرے لہجے میں کہا تو نوشی بھابھی تو مانو قربان ہو ہو گئیں۔

سوٹ دیکھتے ہی انہوں نے جو سوٹ کے ساتھ ساتھ سویرا کی شان میں بھی زمین آسمان کے قلابے ملانا شروع کیے تو بس۔ ام ہانی البتہ حیرت زدہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے تو یہ سوٹ خریدتے وقت ذکر تک نہیں کیا تھا کہ وہ یہ نوشی بھابھی کے لیے لے رہی ہے۔

"یہ ام ہانی کی چوائس تو بس عام سی ہے بالکل ہلکے سے کپڑے کا ڈریس پسند کیا۔ بھئی اب ہر ایک کی چوائس آپ جیسی تو نہیں ہوسکتی ناں۔" ام ہانی اٹھ کے کچن میں گئی تو سویرا نے بڑے رازدارانہ لہجے میں نوشی بھابھی سے کہا تھا۔ جواباً اپنی شان میں قصیدے پڑھتے ہوئے ان کی کلف زدہ گردن میں مزید اکڑاؤ پیدا ہوگیا تھا۔

"اچھا بھابھی! میں چلتی ہوں بہت تھک گئی ہوں اور ہاں یہ کھانا میں نے راستے میں اپنے لیے لیا تو آپ کے لیے بھی پیک کروالیا تھا۔" ام ہانی کی لائی ہوئی کولڈ ڈرنک پیتے ہوئے اس نے سائیڈ پر رکھا شاپر نوشی بھابھی کی طرف بڑھایا اور کھڑی ہوگئی۔ یہ کھانا تو مانو تابوت میں آخری کیل ٹھونکا گیا تھا۔

"ارے بیٹھو تو سہی کچھ کھاؤ پیو ایسے تو نہیں جانے دوں گی۔" نوشی بھابھی کا تو پور پور اس کا شکر گزار ہو رہا تھا وہ تو سر سے پاؤں تک سویرا کی احسان مند نظر آرہی تھیں۔

"نہیں بھابھی! پھر کبھی سہی ماما اکیلی ہیں۔" بھابھی نے لاکھ اصرار کیا لیکن وہ رکی نہیں۔

"یہ مشورہ زارون کا تھا تمہیں تمہاری بھابھی کے عتاب سے بچانے کے لیے۔" وہ سویرا کو چھوڑنے کے لیے باہر تک آئی تو سویرا نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔

"دیکھنے میں تو نہیں لگتا کہ موصوف نے ایسا زنانہ ذہن پایا ہے۔" ام ہانی کو بھی ہنسی آگئی۔ شاید وہ سب ہی نوشی بھابھی کی عادت وفطرت کو جان گئے تھے۔

"جاکر زارون کو بتاؤں گی تمہارے خیالات۔" سویرا ہنسی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" ام ہانی نے آنکھیں دکھائیں جبکہ وہ ہنستے ہوئے اپنے پورشن کی طرف بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

نوشی بھابھی نے گل گوتھنے سے بیٹے کو جنم دیا تھا۔ زبیر بھائی کے تو پاؤں ہی زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ زبیر بھائی نے اپنے سسرال اور گھر فون کردیا تھا۔ ان کے سسرال والے فوراً پہنچ گئے۔ ماں اور بیٹا دونوں کی کنڈیشن چونکہ نارمل تھی اس لیے چند گھنٹوں بعد ہی نوشی بھابھی کو ڈسچارج کردیا گیا تھا۔

"زبیر بھائی! امی لوگ نہیں پہنچے ابھی تک......؟ آپ نے گھر اطلاع کردی تھی؟" یہ ان کے گھرانے کی پہلی خوشی تھی۔ انہیں نوشی بھابھی اور زبیر بھائی سے لاکھ گلے شکوے سہی پر اس پہلی خوشی کے موقع پر تو ان سب کا آنا لازمی ویقینی بات تھا۔ دوسرا وہ خود بھی ان سب کو آپس میں ہنستا مسکراتا دیکھ کر اے

تھی اور طلحہ بے طرح یاد آگئے۔ پلکیں خود بخود نم ہوگئیں۔

"ہاں میں نے فون کیا تھا۔ طلحہ تو آج کسی انٹرویو کے سلسلے میں گیا ہے شام سے پہلے نہیں آئے گا اور بابا جان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ امی جان کہہ رہی تھیں طلحہ آجائے تو وہ کسی دوست کی گاڑی لے آئے گا۔ پھر آجائیں گے۔" زبیر بھائی آج واقعی بے تحاشا خوش تھے جو انہوں نے اس قدر مفصل جواب سے نوازا تھا ورنہ وہ عموماً ہوں ہاں یا پھر گردن کو ہی دائیں بائیں ہلا کے کام چلا لیتے تھے۔

"کیا ہوا بابا جان کو؟ کب سے طبیعت خراب ہے؟" اسے فوراً فکرمندی نے آن گھیرا تھا۔

"کچھ خاص نہیں بس موسمی سا بخار ہے۔" وہ اپنے ازلی لاپرواہ لہجے میں کہتے نوشی بھابھی کی امی کی طرف متوجہ ہوگئے جو صبح سے اپنے داماد کے واری صدقے جارہی تھیں۔

"زبیر بھائی ہم تو ٹریٹ لیں گے آپ سے اور شاپنگ بھی کریں گے اپنی پسند سے آج تو آپ کی جیب ہلکی کروائی ہے۔ تیار ہو جائیں آپ۔" یہ عافیہ تھی جو بڑے نازو ادا سے اٹھلا کر فرمائش کررہی تھی۔

"ہم حاضر بھی انکار کس کافر نے کیا ہے۔" زبیر بھائی کی اطاعت وفرمانبرداری قابل دید تھی۔

"نیک کام میں تو دیر بالکل نہیں کرنا چاہیے بیٹا!" نائلہ (نوشی بھابھی کی امی) نے بھی داماد کو قابو کرنا چاہا کہ اس موقع کی ہی تو وہ منتظر تھیں۔ جب اس خوشی کو آڑ بنا کر داماد کی جیب ہلکی کروائی جائے۔

"لے جائیں ناں زبیر! سب اصرار کررہے ہیں۔" نوشی بھابھی نے بھی آہستہ لہجے میں بولتے ہوئے کہا تھا۔

"جانے کو تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں تو بس یہ سوچ رہا تھا کوئی ملنے ملانے آگیا کون دیکھے گا اگر گھر پر کوئی بھی نہ ہوا۔ پھر تم بھی ابھی ٹھیک نہیں ہو۔ کوئی ضرورت پڑ گئی تو کس سے کہو گی۔" زبیر بھائی فوراً اپنے گریز کی وجہ بتائی مبادا بیگم خفا نہ ہو جائیں اور فی الوقت وہ ان کی خفگی برداشت نہیں کرسکتے تھے۔

"تم ہم کون کونسا کو اکیلا چھوڑ کر جارہے ہیں۔ یہ ام ہانی ہے ناں اس کے پاس دیکھ بھال تو کیا کرنی ہے نوشی اور اس کا بچہ تو بس اب سو گئے۔ بس ذرا ویسے ہی دل کو ڈھارس رہتی ہے کہ چلو پاس کوئی ہے۔ ہم تو بس یوں آئے اور یوں گئے۔ ام ہانی کو تم پھر کسی وقت لے جانا تب نوشی کے پاس میں رک جاؤں گی۔" نائلہ بیگم تو پورا پروگرام ترتیب دیے بیٹھی تھیں۔ وہ یہ موقع ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتی تھی۔ ابھی تو کوئی نہیں آیا تھا وہ آرام سے داماد کی جیب پر ہاتھ پھیر سکتی تھیں۔ جب سب آجاتے تو یقیناً ان ندیدی اور چھچھوری حرکتوں سے دست بردار ہونا پڑتا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی۔" زبیر بھائی سے تو آج ہفت اقلیم کی دولت بھی مانگی جاتی تو وہ اس سے بھی انکار نہ کرتے بشرطیکہ مانگنے والوں میں ان کے سسرالی رشتہ دار ہوتے۔

ام ہانی بے یقینی سے زبیر بھائی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اگرچہ اسے شاپنگ وغیرہ سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی اور نہ ہی وہ ان کی موجودگی میں جانا پسند کرتی لیکن زبیر بھائی نے تو یوں اسے غیروں کے درمیان بے وقعت کردیا تھا کہ اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ اس کا اپنے ماں جائے سے کوئی خونی رشتہ بھی ہے۔ بے بسی اور بے وقعتی کے احساس نے یوں حملہ کیا تھا کہ اس کی پلکیں جھلملانے لگی تھیں۔

"اچھا بیٹا! تم ذرا خیال رکھنا ہم بس ابھی آجائیں گے۔" نائلہ نے تو جاتے جاتے پھر اس سے دو لفظ بول لیے تھے جبکہ زبیر بھائی کی رنگ اٹھاتے ہوئے تیزی سے باہر نکل گئے تھے۔

یکا یک اسے اپنے آپ خالی ہوتا محسوس ہوا تھا۔ وہ سب جاچکے تھے اور اسے بطور گورنس نوشی بھابھی کے پاس چھوڑ گئے تھے کہ وہ ان کی اور ان کے بچے کی دیکھ بھال کرے۔

نوشی بھابھی دوائیوں کے زیر اثر شاید سو چکی تھیں۔ ام ہانی کو اندر بے پناہ گھٹن کا احساس ہوا تو وہ خالی دل اور خالی ذہن لیے باہر نکل آئی۔ ایک تو صبح

www.pkdigest.com

سے ہی اسے سب گھر والے بہت یاد آ رہے تھے۔ اوپر سے زبیر بھائی کا لاتعلق رویہ اور سسرال والوں کے قدموں میں بچھے بچھے جانا۔ اس کے دل پر کیا نہ گزری تھی۔

یہاں تو نوشی بھابھی اور زبیر بھائی کی دولت بے دریغ لٹاتی تھیں اور وہاں امی جان کیسے سوچ سمجھ کے خرچ کرتی تھیں۔ زبیر بھائی تو دل کرتا بھی کچھ لے آتے۔ طلحہ کی ابھی جاب نہیں تھی۔ شکر تھا کہ بابا جان کی جاب اچھی تھی۔ جو انہیں کوئی پریشانی نہیں آئی تھی۔

"آؤ بیٹا! آج تو بڑے دنوں بعد ملنے آئی ہو۔" اسے خبر ہی نہ ہوئی وہ چلتی ہوئی روبینہ آنٹی کی طرف آ گئی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی خوشدلی سے بولی تھیں۔ سویرا اور روبینہ آنٹی صبح ہی نوشی کو مبارک باد دینے آئی تھیں۔

"ادھر آ جاؤ ہانی! میرے پاس ہی۔" اسے یوں غائب دماغی سے اپنی طرف تکتا پا کر سویرا نے آگے بڑھ کر اسے پاس بٹھا لیا۔ اس کے چہرے پر عجیب و غریب سے تاثرات تھے۔ اس عرصے میں انہیں نوشی اور زبیر بھائی کی عادات کا تو اندازہ ہو ہی گیا تھا اور جو رویہ ان کا ام ہانی کے ساتھ تھا وہ بھی کسی تعارف کا محتاج نہیں تھا۔

"بیٹا! تمہاری امی وغیرہ نہیں آئیں ابھی تک......؟" روبینہ آنٹی اس کی غائب دماغی محسوس کر رہی تھیں اسی لیے اس کا دھیان بٹانے کو پوچھ لیا۔

"امی...... تحی، طلحہ، بابا جان" گھر والوں کے تذکرے پر اس کے لبوں سے ایک کراہ برآمد ہوئی اور بس یہی ایک لمحہ تھا۔ جس میں اس کا ضبط جواب دے گیا تھا۔

"امی جان!" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بری طرح رو پڑی۔ وہ اپنے گھر میں ہوتی تو کم از کم یہ کم مائیگی کا احساس تو نہ ستاتا۔ آج تو اس کی برداشت کی حدیں ہی ختم ہو گئی تھیں۔

"ارے بیٹا! میں جو ہوں یہاں تمہاری ماں کی طرح۔" روبینہ آنٹی فوراً اٹھ کر اس کی طرف بڑھیں اسے سینے سے لگایا۔ ایک مہربان وجود پا کر وہ تو اور بری طرح بکھر گئی۔

"کیا ہوا...... خیریت تو ہے؟" زارون اندر داخل ہوتے ٹھٹک کر رک گیا۔ ام ہانی کو یوں زار زار روتے دیکھ کر اس کا دل بری طرح گھبرایا تھا۔

"بس ایسے ہی دل گھبرا گیا تھا اتنے دن تو ہو گئے ہیں گھر والوں سے دور ہوئے اپنے یونہی یاد آتے ہیں۔" روبینہ آنٹی نرمی سے اس کے بال سہلاتے ہوئے بیٹے سے مخاطب ہوئیں۔

"لیکن ماما! یوں تھوڑی روتے ہیں بچوں کی طرح یہ تو بالکل ہی......" وہ بے چین نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے آنسو بھی تو دل پر گرتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کس قدر حساس لڑکی ہے۔

"یہ لو بیٹا پانی پیو۔" سویرا پانی کا گلاس لے کر آئی تو انہوں نے نہایت نرمی و ملائمت سے اس کا چہرہ اوپر کرتے ہوئے پرشفقت لہجے میں کہا۔

ام ہانی نے گلاس ان کے ہاتھوں سے گلاس پکڑا اور پیاس نہ ہونے کے باوجود وہ سارا گلاس خالی کر گئی۔ آنسو بہانے سے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا۔ پانی پی کر حواس بحال ہوئے تو ان سب کو اپنی طرف متوجہ پا کر اسے بے حد ندامت نے آن گھیرا۔

"آئم ساری" وہ سر جھکاتے ہوئے شرمندگی و ندامت سے چور لہجے میں بولی۔ پتہ نہیں کس کمزور لمحے کی گرفت میں آ کر وہ یوں حواس چھوڑ بیٹھی تھی۔ ورنہ وہ تو ہر طرح کے حالات کو بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ ہنس کے سہہ جاتی تھی۔ شاید اس وقت وہ تحی اور طلحہ سے دل کی باتیں کہہ لیتی تھی اور اب اتنے دنوں سے اکیلی گھر والوں سے دور تھی۔

"ایسے نہیں کہتے بیٹا! تم میرے لیے کسی طور سویرا سے کم نہیں ہو۔ میں تو برملا کہتی ہوں ام ہانی میری دوسری بیٹی ہے۔" ان کے لہجے میں محسوس کیا جانے والا خلوص تھا۔

"شکریہ آنٹی!" احساس تشکر سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"بس بیٹا! وقت بھی ایک سا نہیں رہتا۔ آج بازی ہمارے ہاتھ میں ہے تو کل کسی اور کے ہاتھ میں ہو گی۔ بہترین اور کامیاب انسان وہی ہے جو اس کی قدر کرتا ہے۔ جیو اور جینے دو کے اصول پر عمل کرتا ہے دراصل آج کے دور میں حرص و ہوس اس قدر بڑھ گئی ہے کہ اگر ہمارے ہاتھ میں اقتدار کے چند لمحے ہی کیوں نہ آ جائیں ہم خود سے دینا تو دور کی بات اگلے کے حلق تک سے چھین لینا چاہتے ہیں۔ جس روپے کی مار آج ہم کس کو ماریں گے کل کو وہ جب اس عہدے اس جگہ پر پہنچے گا وہ بھی پھر تمہارے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے گا۔ لیکن افسوس ہم ایسا نہیں سوچتے۔" انہوں نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اسے دیکھا وہ بغور انہیں سن رہی تھی۔

"نوشی اور زبیر کو یہاں آئے ہوئے دو سال ہونے کو ہے۔ دونوں کن عادات و اطوار کے مالک ہیں میں خوب جانتی ہوں۔ اس عمر میں اتنا تجربہ تو ہو ہی گیا ہے کہ کھوٹے اور کھرے کی پہچان ہو جائے۔ ایسے لوگوں پر اتنی توجہ ہی نہ دی جائے۔ بس اپنا دل صاف رکھو اور باقی معاملہ اللہ پر چھوڑ دو۔" وہ صبح جب ام ہانی کے بھتیجے کو دیکھنے گئی تھیں تو زبیر اور اس کے سسرال والوں کی ہنسی ٹھٹھول اور ام ہانی کا خاموش انداز، انہوں نے بہت کچھ محسوس کر لیا تھا۔

"یہ آپ اسے کس صدی کی تعلیم دی رہی ہیں۔ خاموش، چپ، صبر، عفو و درگزر، زارون سے رہا نہ گیا تو بول اٹھا۔ ام ہانی نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہے کسی نیک اور ہمدرد شخص کے لیے انسان ایسے جذبات رکھ بھی لے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن ایسے لوگ جو دن دیہاڑے آپ کے حق پر ڈاکہ ڈالیں۔ ایسے غاصب صفت لوگوں کے لیے تو اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہیے تاکہ آئندہ کوئی بھی ایسی حرکت کرنے سے پہلے مقابل ہزار دفعہ سوچے۔ چپ چاپ ظالم کا ظلم سہتے جانا کہاں کی شرافت ہے ایسے ہیں تو اگلے بندے کو اور شہ ملے گی۔ جہاں تک ممکن ہو وہاں تک تو مقابلہ کرے۔ طاقت رکھتے ہوئے بھی مظلوم بنے رہنا شرافت نہیں حماقت اور بزدلی ہے۔" وہ بلا جھجک اپنے خیالات کا اظہار کر گیا۔ وہ خود بھی ایسا ہی تھا۔

"بھائی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں ہانی! تمہیں چاہیے تھا کہ اس چڑیل کو بالوں سے پکڑ کر اس کی لاڈلی، چہیتی بہن کے پاس چھوڑتی اور خود بڑے کروفر سے گاڑی میں جا کے بیٹھتی۔" سویرا نے کچھ اس لہجے میں اور انداز سے کہا کہ باوجود سنجیدہ ہونے کے اسے ہنسی آ گئی۔

"تمہاری جگہ اگر وہ میں ہوتی تو سیدھا کر دیتی عافیہ اور نوشی کو۔" وہ ناک چڑھا کے مزید بولی۔

"تمہاری تحی بھی ایسے ہی مزاج کی ہے۔ عافیہ اور تحی کی تو ایک سیکنڈ کے لیے نہیں بن سکتی۔ وہ تو نوشی بھابھی کو بھی نہیں بخشتی تھی اسی لیے تو بھائی لوگ الگ شفٹ ہو گئے۔" تحی کے ذکر پر اس کے لب خود ہی مسکرا اٹھے ایک تو بہن تھی اس کی۔

"تو تم نے اپنے بہن سے کوئی سبق کیوں نہیں سیکھا۔" وہ براہ راست اس کی طرف متوجہ ہو کے بولا تو وہ گڑبڑا گئی۔

"میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔" اس کی منمناتی ہوئی سی آواز برآمد ہوئی۔

"پھر بھی قبول ہو دل و جان سے۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔ کہ ماما اور سویرا کی موجودگی میں تو ایسی آزادی رائے کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔

"کیا کہا ذرا اونچی کہنا۔" سویرا کی تیز سماعت نے کچھ نہ کچھ تو کیچ کر ہی لیا تھا۔ اس کی معنی خیز مسکراہٹ کے بدلے میں وہ اسے گھورنے لگا تو وہ ہنس پڑی۔

☆......☆......☆

پھر میٹھی پیاری سی باتیں ہوں
بحث و تکرار کی باتیں ہوں
جب جاتے کی دعوت کرے
اک دم سے بارش آ جائے
یوں اور وہ کچھ ساتھ رہے
کوئی بات سنے کوئی بات کہے

www.pkdigest.com

بارش رکنے کی آس نہ ہو
دن ڈھلنے کا احساس نہ ہو
یوں باتوں میں وہ کھو جائے
اے کاش کہ ایسا ہو جائے!
اے کاش کہ ایسا ہو جائے!

آج تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ امی بابا، ضحیٰ، طلحہ سب آئے تھے۔ وہ صبح سے اڑی اڑی پھر رہی تھی۔

''ارے ہانی! وہ تیرا ہیرو کہاں ہے؟'' وہ کچن میں نوشی بھابھی کے لیے پرہیزی کھانا تیار کر رہی تھی کہ جب ضحیٰ کچن میں داخل ہوئی انتہائی رازدارانہ لہجے میں دریافت کیا گیا تھا۔

''کون سا ہیرو ــــــ؟'' وہ اپنے ہی دھیان میں تھی خاک نہ سمجھی۔ اچنبھے سے بھنویں اچکا کے اسے دیکھا۔

''آہ ــــــ'' ضحیٰ نے لمبی سانس کھینچتے ہوئے شعر پڑھا۔

مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

''اب بھی نہیں سمجھی ــــــ؟'' ضحیٰ نے کچا چبا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

''خاک سمجھوں کہ دھول ــــــ؟ تمہیں تو راہ چلتا لڑکا میرا ہی ہیرو لگتا ہے۔ اتنی تو گری پڑی ہوں نہ میں۔'' کینہ توز نظروں سے اسے تاڑنے کے بعد وہ یخنی باؤل میں نکالنے لگی۔

''جن کی انیکسی میں اتنے دنوں سے دھرنا مارے بیٹھی ہو۔ چرے چرے کے پکوان کھلا کے معدے کے ذریعے دل میں اترنے کی کوشش کی جا رہی ہیں۔ اب بھی سمجھ آئی یا یہ سوپ والا گرم باؤل تمہارے سر پہ انڈیل دوں۔ دماغ کچھ پلپلا ہوگا تو شاید سمجھدار ہو جاؤ۔'' وہ دانت کچکچا کے بولی۔

''زارون ــــــ؟'' وہ ایک دم پورے قد سے اس کی طرف مڑی ضحیٰ نے زور و شور سے سر اثبات میں ہلا کر گویا تصدیق کی تھی۔

''ضحیٰ ...... ! تم بھی نہ بس۔'' زارون کے نام پر لب خود بخود ہی مسکرا اٹھتے تھے۔ آنکھوں میں گویا دیا سے جلنے لگے تھے۔ کچھ لوگ گلابوں کی طرح ہوتے ہیں جن کا نام لیتے ہی ہمارے اردگرد خوشبو پھیل جاتی ہے۔

''چلیں پھر تمہاری متوقع سسرال۔'' ضحیٰ اسے چھیڑنے سے باز نہیں آئی تھی۔

''مرو تم اندر جا کر فضول باتیں مت کرو مجھے کام کرنے دو۔'' اپنی بے ساختہ امڈ آنے والی مسکراہٹ کو بمشکل اندر دباتے ہوئے اس نے ضحیٰ کو گھر کا تھا۔ جس کا حسب عادت اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

پھر تو ضحیٰ نے اسے اس قدر زچ کیا کہ وہ جھنجلا کے رہ گئی۔

''ضحیٰ کی بچی! نوشی بھابھی کیا سوچیں گی۔'' اس نے آخری حربے کے طور پر اسے ڈھکے الفاظ میں باخبر کرنا چاہا۔

''نوشی بھابھی چھوڑ ان کی اماں حضور اور ہمشیرہ صاحبہ بھی بیٹھ کے سوچیں میری بلا سے۔ میری جوتی بھی پرواہ نہیں کرتی۔'' وہ بے نیازی سے اپنی ننھی کی ناک چڑھا کے بولی۔ وہ ایسی ہی تھی کسی کو خاطر میں نہ لانے والی اور نوشی بھابھی کی فیملی سے تو اسے خاص چڑ تھی۔ ویسے بھی وہ خود غرض لالچی اور حریص لوگوں و جوتے کی نوک پر رکھتی تھی۔

''نہایت ضدی ہو۔ اپنی منوا کر ہی دم لیتی ہو۔'' اس نے بالآخر ہتھیار ڈال ہی دیئے۔ ویسے بھی اس کا اندازہ تھا کہ زارون تو اس وقت آفس میں ہوگا۔ روبینہ آنٹی اور سویرا ہی گھر پہ ہوں گی۔

وہ دونوں اس سے بہت پیار اور محبت سے ملی تھیں۔ ضحیٰ تو حسب عادت تھوڑی دیر میں ہی ان سے یوں فری ہوگئی تھی گویا برسوں کی جان پہچان ہو۔

''ضحیٰ! تم بیٹھ کے گپ شپ لگاؤ۔ مجھے دوپہر کے کھانے کی تیاری کرنی ہے۔'' وہ وال کلاک پہ نظر ڈالتے ہوئے کھڑی ہوگئی۔ کہ اب گھر میں بہت سا کام اس کا منتظر تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے جاؤ۔'' اس نے ازراہ مروت بھی اسے رکنے کو نہیں کہا تھا۔ وہ اسے گھورتی ہوئی اٹھ گئی خدا حافظ کہنے سے پہلے وہ اسے نظروں سے جلدی آنا کی تنبیہ کرنا نہیں بھولی تھی۔

''ہیں، یہ کیا ......؟ میں آ رہا ہوں تو تم جا رہی ہو۔'' وہ لان عبور کرکے انیکسی کی طرف بڑھنے ہی لگی تھی۔ جب زارون پتہ نہیں کس لمحے نمودار ہوا تھا۔

''آ ...... آپ ...... اس وقت ......؟'' اس کی حیرت بجا تھی یہ وقت تو اس کا آفس میں نہایت مصروفیت کا ہوتا تھا۔

''مجھے ہواؤں نے خبر دی تھی کہ عزیز ترین ہستی تو اس وقت گھر میں موجود ہے اور تم یوں آفس میں بیٹھ کر وقت ضائع کر رہے ہو۔'' وہ پہلی مرتبہ یوں براہ راست اس کے سامنے شوخ ہوا تھا۔ ام ہانی کی تو سٹی گم ہوگئی۔ اسے کہاں توقع تھی اس کے اس قدر فرینک رویے کی۔ اس کے گھبرائے ہوئے انداز و اطوار نے اسے خوب محظوظ کیا تھا۔

''راستہ چھوڑیں۔'' انتہائی پرتپش نظروں نے اسے بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے وہ بمشکل کہہ پائی۔

''سنا ہے تمہارے پیرنٹس تشریف لائے ہیں۔ کب ان کی قدم بوسی کیلئے حاضر ہوؤں ......؟'' آنکھوں میں ڈھیروں شرارت لیے وہ نظروں کے حصار میں اسے ہی مقید کیے ہوئے تھا۔

''مجھے نہیں پتہ۔'' اس نے سائیڈ سے نکلنا چاہا۔ وہ فوراً ہی اس کا ارادہ بھانپ گیا راستہ اس کے فولادی وجود کے آگے گویا بلاک ہو کے رہ گیا تھا۔

''پلیز ......'' وہ ملتجی ہوئی۔

''او ...... کے ...... بس اتنا بتا دو کب آؤں۔ آج ہی آ جاؤں؟'' اسے گویا ترس آ ہی گیا تھا۔ متبسم آنکھیں، شریر لہجہ وہ ابھی بھی اسے تنگ کرنے سے باز نہیں آیا تھا۔

''آ جائیں ...... میری طرف سے چاہے ابھی آ جائیں۔'' اس نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا تھا۔

''تمہیں تو مجھ سے بھی جلدی ہے۔'' اس کا معنی خیز قہقہہ بلند ہوا۔ ام ہانی کے چہرے پہ سرخی دوڑ گئی۔

''مجھے فضول حرکتیں سخت ناپسند ہیں۔ راستہ چھوڑیں میرا۔'' چہرے پہ حیا کی لالی جبکہ لہجے میں دبے غصے کی آمیزش تھی۔

آئم ساری، اگر تمہیں برا لگا ہو تو ......'' اس کے لہجے کی تبدیلی اس نے فوراً محسوس کر لی تھی۔ لہٰذا فوراً معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا۔ کہ اوچھی قسم کی حرکتیں اسے خود ناپسند تھیں۔ مگر اسے یوں سامنے دیکھ کر آج لہجہ و انداز خود بخود شریر ہو گئے تھے۔

''اٹس او کے'' اسے سنجیدہ ہوتا دیکھ کر اس نے بھی متانت سے جواب دیا تھا۔

''لیکن یہ سچ ہے کہ میں واقعی ماما کو تمہاری کی طرف بھیجنا چاہتا ہوں مگر یہاں نہیں جب تم اپنے گھر چلی جاؤ گی۔'' وہ گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیتا ہوا بولا۔ ام ہانی ایک دفعہ پھر بری طرح گڑبڑائی تھی۔ اس کے ساتھ بھی کبھی یوں افسانوی قسم کی سچوئشن پیش آئے گی۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

اپنی بات کہہ کر وہ مزید وہاں رکا نہیں تھا۔ پر وقار انداز میں چلتا آگے بڑھ گیا تھا جبکہ وہ حق دق کھڑی وہیں اپنی دھڑکنیں شمار کرنے لگی۔

بمشکل خود کو کمپوز کرتی وہ اندر کی طرف بڑھی تھی۔

دوپہر کا کھانا بڑے خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا۔ خلاف توقع نوشی بھابھی کا رویہ ان کے ساتھ اتنا برا نہیں تھا۔ اس کی وجہ شاید ام ہانی کی دو ماہ کی مسلسل محنت و خدمت تھی۔ اور نوشی بھابھی کو شاید یہ خدشہ تھا کہ ان کی ساس جاتے ہوئے ام ہانی کو ساتھ ہی نہ لے جائیں۔

''بہت رہ لیا یہاں۔ چلو اب واپسی پہ ہمارے ساتھ۔'' شام کو وہ تینوں بہن بھائی قریبی پارک میں آئے تھے جب طلحہ اس سے مخاطب ہوا۔ وہ پہلے ہی اس کے یہاں آنے پر نالاں تھا۔ اب جو خود اپنی آنکھوں سے صورتحال دیکھی تو ایک سیکنڈ کیلئے بھی

www.pkdigest.com

اسے یہاں چھوڑنے پر رضامند نہیں تھا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے بہت کر لی خدمت بھابھی صاحبہ کی۔ اب کچھ تو اب عافیہ بی بی کو بھی کمانے دو۔"

ضحیٰ نے بھی طلحہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔ وہ دیکھتی رہی تھی کہ ام ہانی سارا دن گھن چکر بن رہی تھی۔ ایک پاؤں کچن میں ہوتا تو دوسرا نوشی بھابھی کے بیڈ روم میں۔ کبھی زبیر بھائی کا آرڈر آجاتا۔ تو لوازمات سے سجی ٹرائی انہیں ڈرائنگ روم میں چاہیے ہوتی۔ عافیہ تو بس ٹانگ چڑھائے بہن کے ساتھ گپیں لڑاتی رہتی۔ یا پھر بھانجے کی ناز برداریوں میں مصروف ہو جاتی۔ مجال ہے جو ایک تنکا بھی اٹھا کے ادھر سے ادھر کیا ہو۔ ضحیٰ کو تو کبھی سے تاؤ آرہا تھا۔

"ویسے بھی ایک ملٹی نیشنل کمپنی والے مجھے ایک شارٹ کورس اینڈ ٹرائل کیلئے دو ماہ کیلئے مسقط بھیج رہے ہیں۔ میری غیر موجودگی میں تمہارا گھر پہ ہونا ازحد ضروری ہے۔" اس وقت وہ کہیں سے بھی غیر سنجیدہ اور جذباتی سا طلحہ نہیں لگ رہا تھا۔ بلکہ خاصا عمر رسیدہ ٹائپ بھائی محسوس ہو رہا تھا۔

"اتنے اچھی نیوز اب سنا رہے ہو۔ کب آیا تمہارا اپائنٹمنٹ لیٹر......؟" اسے خوشگوار حیرت نے گھیرا تھا۔ طلحہ کی جانب کی وجہ سے وہ خود بھی سب بہت پریشان تھے کچھ نوشی بھابھی اور زبیر بھائی کے طعن و تشنیع نے اسے خاصا چڑچڑا بنا دیا تھا۔

"ابھی چند دن پہلے۔ تمہیں فون پہ اس لئے نہیں بتایا کہ خود آکے سرپرائز دینا تھا۔" وہ خود بھی بہت مسرور تھا۔

"اس خوشی میں تو پھر آئسکریم کھانی چاہیے۔" وہ تائید طلب نظروں سے ضحیٰ کو دیکھتے ہوئے بولی۔ اور ضحیٰ تو پہلے ہی اندھا کیا چاہے دو آنکھوں کے مصداق روز و شور سے اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگی۔

"وائے ناٹ" طلحہ کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

پھر وہ تینوں قریبی آئس بار میں گئے۔ اور دنیا جہاں کی باتیں کرتے ہوئے انہوں نے نہایت پر لطف ماحول میں آئسکریم ختم کی تھی۔ ام ہانی کو تو یوں لگ رہا تھا گویا وہ ایک عرصے بعد اپنوں سے ملی ہوئی۔ تشنگی تھی کہ ختم ہونے میں نہ آرہی تھی۔

وہ لوگ جب گھر پہنچے تو شام کے سائے ڈھل چکے تھے۔ رات اپنے پر پھیلا رہی تھی۔ "اتنی دیر کر دی تم لوگوں نے رات کے کھانے کی تیاری بھی کرنی تھی۔" نوشی بھابھی چھوٹتے ہی بولی تھیں۔ اندر ہی اندر تو خوب غصے سے ابل رہی تھیں مگر مصلحت کے پیش نظر بظاہر آرام سے ہی کہا تھا۔

"سوری بھابھی! ہانی نے تو اپنی پیکنگ کرنی ہے۔ آپ عافیہ سے کہیں آج ڈنر تیار کر لے۔ بلکہ عافیہ سے کہاں ایسے کام ہوں گے وہ کون سا عادی ہے۔ زبیر بھائی کو فون کر دیں وہ آتے ہوئے لیتے آئیں گے۔"

ام ہانی کے کچھ کہنے سے قبل ہی ضحیٰ بول اٹھی تھی۔ لگی لپٹی کی تو وہ ویسے ہی قائل نہیں تھی۔ سو عافیہ پہ چوٹ کرنا نہیں بھولی تھی۔

"تم سے تو بہتر ہی بنانا آتا ہے مجھے۔" عافیہ کیوں چپ رہتی۔ طیش سے بولی۔ بس چلتا تو اس کا منہ نوچ لیتی۔ ضحیٰ کے طنزیہ جملے اسے یونہی باورد پہ بٹھا دیتے کرتے تھے۔

"اتنے بدھووں میں بس ایک ہی چنڈال ہے۔" وہ اکثر اپنے جلے دل کے پھپھولے نوشی کے آگے پھوڑتی رہتی تھی۔

"واہ......! یہ سانحہ کب رونما ہوا۔ میں نے تو پہلے ہی زبیر بھائی سے کہا تھا کہ ہانی کی بجائے عافیہ کو بلا لیں مگر وہ کہنے لگے کہ عافیہ کون سی میری سگی بہن ہے۔ جو اس سے کھانا پانی لیتا پھیروں۔ خیر اب تو کوئی مسئلہ نہیں۔ آنٹی بھی ادھر ہیں اور راحیل بھی۔ ویسے انکل کیوں نہیں آئے......؟ یا وہ بعد میں آئیں گے......؟"

اس نے بڑی معصومیت سے آنکھیں پٹپٹا کے دونوں بہنوں سے دریافت کیا تھا۔

"تم اپنی بکواس بند رکھو اور ہمارے حالات میں زیادہ انٹرفیر کرنے کی ضرورت نہیں۔"

عافیہ کے اندر تو جوار بھاٹا اُبلنے لگا تھا۔

"چلیں یہ بھی ٹھیک ہے۔ آپ لوگ اب اپنی میٹنگ کر لیجئے گا۔ آؤ ہانی! ہم پیکنگ کر لیں۔" اس کے غصے کو خاطر میں لائے بغیر وہ بڑے اطمینان سے بولی۔ اور ام ہانی کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل گئی۔

اس کا یہ مطمئن اور پرسکون انداز دونوں بہنوں کے سینوں میں کس طرح آگ لگاتا ہے۔ وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ اس لیے انہیں چڑانے سے باز نہیں آتی تھی۔ اگرچہ بعد میں ام ہانی کی جھڑکیں اور امی جان کی ڈانٹ کھانا پڑتی تھی۔ مگر ان دو چیزوں کی پرواہ کسے تھی......؟

"ضحیٰ! تم باز نہیں آؤ گی؟" کمرے میں آتے ہی ہانی نے اس کی کلاس لی۔

"اُف......! تم نے دونوں بہنوں کے چہرے دیکھے تھے کیسے لال بھبھوکا ہو رہے تھے۔ قسم سے مجھے تو بڑا مزہ آرہا تھا۔ اتنا مزہ تو آئس کریم کھانے میں نہیں آیا۔ تم اگر نہ ہوتی تو یہ عافیہ بی بی تو میں زمین چاٹنے پہ مجبور کر دیتی۔" اس نے تصور میں ہی لطف لیتے ہوئے کچھ اس انداز سے کہا کہ باوجود متفکر ہونے کے ہانی کو ہنسی آگئی۔

"بڑی غلط فہمی ہے تمہاری۔ اس نے ایسا ہنگامہ کھڑا کرتا تھا کہ الامان والحفیظ۔" ہانی نے اسے آئینہ دکھایا۔

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے ہم کل کی بجائے آج ہی روانہ ہو جاتے۔" ضحیٰ نے ناک پر سے مکھی اڑائی۔

"تمہارا تو اللہ ہی حافظ ہے۔" وہ اس سے مزید بحث کرنے کی بجائے پیکنگ کرنے لگی۔

اگلے دن صبح ہی صبح طلحہ نے واپسی کیلئے شور مچا دیا تھا۔ بابا جان کو بھی آفس جانا تھا لہٰذا وہ ناشتہ کے فوراً بعد ہی نکلنے کیلئے تیار تھے۔

"افراتفری میں، میں نے سویرا کو بھی اطلاع نہیں دی تم رکو میں صرف پانچ منٹ میں ان سے مل کے آئی۔" ضحیٰ سے کہتے ہوئے وہ جلدی سے باہر کی جانب لپکی۔

"اُف......" اپنی دھن میں نوشی کی کمرے سے نکلتی عافیہ اس سے ٹکرا گئی وہ اپنا سر پکڑ کے رہ گئی۔

"تمہاری کون سی ٹرین چھوٹ رہی ہے جو یوں بھاگی چلی جا رہی ہو۔" عافیہ اپنا ناک سہلاتے ہوئے اسے خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے بولی تھی۔

"سوری...... میں ذرا سویرا کی طرف جا رہی تھی۔ طلحہ نے جانے کی جلدی مچائی ہوئی ہے۔ افراتفری میں کچھ سمجھ بھی نہیں آرہا اچھا راستہ تو دو۔" وہ اپنے دھیان میں اس کی طرف دیکھ ہی نہ سکی اور اس کی سائیڈ سے نکلتی ہوئی تیز تیز قدموں سے چلتی ٹیکسی پار کر گئی۔

"یہاں تو ابھی تک ناشتہ چل رہا ہے۔" وہ ڈرائنگ ہال میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ جہاں وہ تینوں بیٹھے ناشتے میں مصروف تھے۔ زارون نے البتہ اپنے سامنے اخبار بھی پھیلا رکھا تھا۔ چائے کے سپ لیتے ہوئے وہ اخبار کی سرخیوں پر بھی نظر دوڑا رہا تھا۔

"ناشتے کے ٹائم پہ ساری دنیا ناشتہ ہی کرتی ہے۔" اسے دیکھتے ہی اس نے اخبار ایک سائیڈ پہ کیا۔ اور چائے کا بڑا سا گھونٹ بھرتے ہوئے تفصیلی نظر سے اس کا جائزہ لیا۔

عام دنوں سے ہٹ کر آج وہ کچھ خاص لگ رہی تھی۔ سکائی بلیو ڈریس پہ ہم رنگ ایمبرائڈری لگائے ساتھ میں بڑا سا دوپٹہ سلیقے سے اوڑھے ہوئے تھی۔ چند کانچ کی چوڑیاں اور میچنگ ٹاپس یہ آج کی اضافی تیاری تھی۔

"آؤ بیٹا! ناشتہ کر لو۔" روبینہ آنٹی اسے دیکھتے ہی مشفق انداز میں بولی تھیں۔

"نہیں آنٹی! میں بہت جلدی میں ہوں۔ بس آپ سے ملنے آئی تھی۔" اس کی بات پہ زارون نے بھنویں اچکا کے اچنبھے سے اسے دیکھا تھا۔ جو اس کی طرف بالکل بھی متوجہ نہیں تھی۔

"خیریت......؟" سویرا نے دریافت کیا۔

"جی! میں امی لوگوں کے ساتھ گھر جا رہی

www.pkdigest.com

ہوں۔'' گھر جانے کی خوشی اس کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ وہ خوشی خوشی بتا رہی تھی جبکہ زارون کو تو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ حالانکہ وہ خود چاہ رہا تھا کہ ہانی جلد اپنے گھر جائے تاکہ وہ ماما اور سویرا کو اس کی طرف بھیجیں۔ لیکن ایک دم سے سن کر اس کا دل اداسی کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔

''یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے کہ تمہاری اس قید خانے سے جان چھوٹی۔ مگر میں تمہارے بغیر اداس ہو جاؤں گی۔ مجھ سے ملنے آتی رہنا۔'' سویرا نے اٹھ کر ساتھ لگایا تھا۔ آخر اتنے دنوں سے وہ اس کی عادی ہو گئی تھی اور پھر اس کی تو عادت ہی اتنی اچھی تھی کہ ہر کوئی اس سے امیریس ہو جاتا تھا۔

''تم آنا مجھ سے ملنے۔ میرے گھر مجھے بہت خوشی ہو گی اور آنٹی آپ بھی آیئے گا۔'' اس نے خوشدلی سے انہیں دعوت دی تھی کہ یہ فیملی چند دنوں میں اسے بھی بہت عزیز ہو گئی تھی۔

''کیوں نہیں بیٹا! ہم ضرور آئیں گے انشاء اللہ!'' روبینہ آنٹی نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا پیار کیا۔ اور جانے سے پہلے اسے ایک بہت خوبصورت سوٹ گفٹ کیا تھا۔

''نہیں آنٹی! اس کی کیا ضرورت ہے۔ میرے لیے آپ کا خلوص اور محبت ہی کافی ہے۔'' وہ سوٹ لینے میں متامل تھی۔

''یہ بھی خلوص اور محبت کی ہی ایک علامت ہے جس کا اظہار ہر ماں اپنی بیٹی سے وقتاً فوقتاً کرتی رہتی ہے۔'' انہوں نے اتنے نرم اور میٹھے لہجے میں کہا تھا کہ مزید انکار کی گنجائش ہی نہیں رہتی تھی۔

وہ بہت محبت اور پیار سمیٹ کر وہاں سے نکلی تھی۔ سویرا نے اس سے پرامس کیا تھا کہ وہ اس سے ملنے ضرور آئے گی۔

''ماما اور سویرا سے تو بڑا پیار جتایا جا رہا تھا۔ مجھ سے نہیں ملنا تھا کیا.....؟'' وہ بھی اس کے پیچھے ہی چلا آیا تھا اور مصنوعی خفگی سے اس سے مخاطب تھا۔

''جی..... ای..... ای'' وہ بھونچکی رہ گئی۔

''کیا مطلب ہے آپ کا.....''

''مطلب، مطالب چھوڑو یہ بتاؤ مس کرو گی مجھے.....؟'' وہ بڑے آس بھرے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ ''میں فضول کام نہیں کرتی۔'' وہ ناک چڑھا کے بولی۔

''یعنی کہ سارے فضول کام تم میرے لیے چھوڑے جا رہی ہو۔'' اس نے آنکھوں میں شرارت سمو کر اسے دیکھا تو وہ جز بز ہو گئی۔

''فضول لوگوں کے پاس فضول کام ہی ہوتے ہیں۔'' اس کی آنکھوں کا مفہوم سمجھتے ہوئے بھی وہ نظر انداز کر رہی تھی۔

''چلو پھر میں آج سے ہی انتظار شروع کر دیتا ہوں کب ان فضول لوگوں کی فہرست میں تمہارا نام بھی شامل ہو گا۔'' وہ اسے چھیڑتے ہوئے بولا۔

بڑی خوش فہمی ہے جناب کی۔'' ٹیکسی قریب آ گئی تھی وہ دروازہ کھول کے اندر کی طرف بڑھنے لگی تھی جب عقب سے اس کی آواز سنائی دی۔

''ہانی!''

''جی'' اس نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

''میں نے رات ماما سے بات کر لی تھی۔ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہم جلد تمہاری طرف آئیں گے۔ انشاء اللہ! تم انتظار کرو گی ناں.....؟'' آنکھوں میں محبت کی ڈھیروں شمعیں روشن کیے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ فطری شرم و حیا کی جھجک کے باعث وہ خود میں سمٹ سی گئی۔ منہ سے کچھ کہنے کی بجائے اس نے آہستگی سے سر اثبات میں ہلایا اور فوراً دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

چمن کو سجائے بہت دن ہوئے
تمہیں پاس بلائے بہت دن ہوئے
کسی دن اچانک چلے آؤ تم
ہمیں مسکرائے بہت دن ہوئے

آتے ہی ڈھیروں کام تھے جو اس کے منتظر تھے۔ اوپر سے طلحہ کے جانے کی بھی تیاری کرنی تھی۔ ضحیٰ تو کالج میں چلی جاتی اور وہ پیچھے سے کام نپٹاتی ہی رہ جاتی۔ ایک دن بھاگتے دوڑتے اس نے سویرا کو بھی فون کیا تھا۔ روبینہ آنٹی تو کہیں باہر گئی ہوئی تھیں۔ سویرا البتہ بہت خوشدلی سے بات کر رہی تھی۔ وہ چونکہ جلدی میں تھیں۔ اس لیے دو چار ادھر ادھر کی باتیں کر کے فون رکھ دیا۔

''پہلے ہانی، زبیر بھائی کی طرف چلی گئی اور اب طلحہ جا رہا ہے ایک آتا ہے اور دوسرا چلا جاتا ہے۔'' مگر ظاہر نہیں کر رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کچھ پانے کیلئے کچھ کھونا تو پڑتا ہے۔ چند دن کی دوری کے بعد ایک بہترین جاب اس کی منتظر ہو گی۔ وہ اپنے ماں، باپ کے خواب پورے کر سکے گا۔ بہنوں کے فرض سے سبکدوش ہو سکے گا۔ یہ احساس ہی بڑا راحت افزا تھا۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' ضحیٰ نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''آرام کرنے دو اب اسے، صبح کی فلائٹ ہے ادھر بھی تھکاوٹ ہو جائے گی۔ تم ابھی تک اسے گھیرے بیٹھی ہو۔'' امی جان نے طلحہ کے کمرے میں جھانکا۔ جہاں ابھی تک ان کی محفل جمی ہوئی تھی۔ وہ ٹوکے بغیر نہ رہ سکیں۔

''رہنے دیں امی جان! پھر پتہ نہیں ایسی فرصتیں کب نصیب ہوں۔ آج تو جی بھر کے دل کی باتیں کر لیں۔''

طلحہ نے مسکرا کر بہنوں کی طرف دیکھا۔ تو ضحیٰ نے جھٹ وکٹری کا نشان بنا دیا۔

''اللہ پاک میرے بیٹے کو خیر سے لے جائیں اور لے آئیں۔ خدا تمہاری محبت یونہی قائم و دائم رکھیں۔ جو برکت آپس میں مل جل کے کھانے سے ہے وہ الگ تھلگ رہنے میں کہاں نصیب ہو سکتی ہے۔'' وہ دعا دینے کے ساتھ ساتھ نصیحت کرنا نہیں بھولی تھیں۔ زبیر کی شادی کے بعد انہیں طلحہ کی طرف سے ہر وقت دھڑکا ہی لگا رہتا تھا۔

''بس امی جان! آپ کی دعائیں چاہیں۔'' طلحہ ان کے احساسات سمجھ سکتا تھا۔

''میری دعائیں تو ہر وقت تم سب کے ساتھ ہیں۔ تم اپنے پاؤں پہ کھڑے ہو جاؤ۔ ہانی اور ضحیٰ اپنے گھر کے ہو جائیں تو ہم والدین کی ذمہ داریاں بھی کچھ کم ہوں۔'' ان کے لہجے میں نمی سی تھی۔

''میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ پہلی فرصت میں ام ہانی کیلئے کوئی اچھا سا پروپوزل دیکھا جائے۔ آپ اس سلسلے میں بات چیت کیجئے گا۔ باقی میں آؤں گا تو پھر فائنل کر لیں گے..... اگر کوئی ہمارے معیار کے مطابق ہوا تو۔'' وہ بڑے مدبرانہ انداز میں ماں سے مخاطب تھا۔ ام ہانی کو اچھی خاصی جھجک محسوس ہو رہی تھی۔

''میں جلد ہی کسی سے اس بارے میں بات کرتی ہوں۔ چلو تم لوگ بھی اب آرام کرو اور بھائی کو بھی کرنے دو۔'' وہ اٹھتے ہوئے انہیں تاکید کرنے لگیں۔

''جی..... امی جان.....!'' ضحیٰ جھٹ سے بولی مبادا انکی مزید نصیحتیں نہ شروع ہو جائیں۔

مہندی لگے گی تیرے ہاتھ
ڈھولک بجے گی ساری رات

ان کے جاتے ہی ضحیٰ نے حلق پھاڑنا شروع کر دیا۔ ام ہانی نے پاس پڑا کشن اٹھا کے اسے دے مارا تھا۔ جسے اس نے بڑی سہولت سے کیچ کر لیا تھا۔

''پہلے طلحہ کی ہو گی وہ بڑا ہے۔'' اس نے کمزور سا احتجاج کرنا چاہا۔

''بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔'' طلحہ نے قہقہہ لگایا۔

''میرے کون سا رشتوں کی لائن لگی ہوئی ہے جو تم میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔'' اس غصے سے ان دونوں کو گھورا جو ڈھیٹ بنے دانت نکال رہے تھے۔

''کیا پتہ لگ جائے۔ ویسے ایک، آدھ کا امکان تو روشن ہے۔'' ضحیٰ کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ ام ہانی کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ ایک خوبصورت احساس اسے اپنے چاروں اور محسوس ہوا تھا۔ ''ہاں..... ہاں، کیوں نہیں'' طلحہ پس منظر سے قطعی ناواقف اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگا۔

ہاتھوں پہ مہندی لگا کے

www.pkdigest.com

بنو میری بنے گی دلہن

ضحیٰ کا خودساختہ ریکارڈ پھر بجنے لگا تھا۔ ام ہانی نے پاس بڑی منرل واٹر کی بوتل اس پر انڈیل دی۔ اب وہ اور طلحہ ہنس رہے تھے۔ جس میں چند لمحوں بعد ضحیٰ کی ہنسی بھی شامل ہوگئی تھی۔

☆.....☆.....☆

بہت ٹوٹے ہوئے ہیں ہم ابھی دستک نہیں دینا
ہماری آنکھ ہے پرنم ابھی دستک نہیں دینا
میرے یارو ابھی کچھ دن میرے احوال مت پوچھو
ابھی دل میں ہے اس کا غم ابھی دستک نہیں دینا
شب تنہائی میں تڑپنا ہے بہت مجھ کو
ابھی ہے درد کچھ مدھم ابھی دستک نہیں دینا

ایسا بھی کچھ ہوگا اس کے تو وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ لاشعوری طور پر وہ زارون اور اس کی فیملی کی منتظر تھی۔ پہلے تو طلحہ کی وجہ سے مصروفیت رہی وہ زیادہ دھیان ہی نہیں دے پائی بعد میں اس نے کئی دفعہ سویرا کو فون کرنا چاہا۔ لیکن بیل جاتی رہتی اور دوسری طرف سے کوئی ریسو نہیں کرتا تھا۔ اس نے سویرا کے موبائل پہ ٹرائی کیا تو Powerd off کا reply آرہا تھا۔

"اللہ خیر ہی کرے۔" وہ اندر ہی اندر کافی پریشان ہوگئی تھی۔ نوشی بھابھی سے پوچھنا اس نے مناسب نہیں سمجھا کہ وہ تو پہلے ہی بات کا بتنگڑ بنانے کیلئے تیار رہتی تھیں۔

"اگر خدانخواستہ کچھ ہوا ہوتا تو سویرا نے مجھے ضرور انفارم کرنا تھا۔ اور ان لوگوں میں سے کسی نے بھی ایک دفعہ بھی فون نہیں کیا اور زارون.....؟ اس کے تو بڑے دعوے تھے۔" وہ خود سے الجھتی رہتی۔

وہ عام شاموں کی طرح ہی ایک شام تھی جب زبیر اپنے کسی آفس کے سلسلے میں آئے تھے واپسی پہ وہ کچھ دیر کیلئے ان سے ملنے بھی آگئے۔ طلحہ کی جاب کا پوچھا ادھر ادھر باتیں کرتے رہے۔

"اس دفعہ تو بہت دنوں بعد چکر لگایا ہے تم نے۔ طلحہ بھی نہیں ہے تو گھر سونا سونا سا لگنے لگا ہے۔" امی جان طلحہ کی غیر موجودگی کو بہت شدت سے محسوس کر رہی تھیں سو کہے بنا نہ رہ سکیں۔

"جی..... بس ارادہ تو کافی دنوں سے تھا مگر مصروفیت بہت رہی ہم لوگ شاید کہیں اور سیٹل ہو جائیں۔ اس لیے کوئی اچھا سا فلیٹ دیکھ رہا تھا میں۔" ان کی بات پر ام ہانی اچھی خاصی چونکی تھی۔

"کیوں بھائی.....؟ ایکسی چھوڑ رہے ہیں آپ.....؟" روبینہ آنٹی اور انکی فیملی تو بہت اچھی ہے۔" ضحیٰ نے بھی حیران ہو کے دریافت کیا تھا۔ ام ہانی کا دل کسی انہونی کے پیش نظر دھڑک رہا تھا۔

"ہاں فیملی تو واقعی بہت اچھی ہے۔ لیکن وہ لوگ کچھ دن پہلے انگلینڈ شفٹ ہوگئے ہیں۔ دراصل ان کا بیٹا ہے زارون۔ اسے انگلینڈ سے کسی بزنس ٹائیکون نے اسے ساتھ بزنس شیئر کرنے کی آفر کی تھی۔ اس کی ایک ہی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس نے شرط رکھی تھی اگر میری بیٹی کے ساتھ شادی کرو گے تو میرے پارٹنر بنو گے۔ اب اتنی اچھی آفر کون reject کرسکتا ہے؟ لہٰذا اس کی پوری فیملی وہیں شفٹ ہوگئی ہے۔ مجھے زارون کا فون آیا تھا وہ گھر بیچنے کی بات کررہا تھا۔ اس لیے میں چاہ رہا ہوں کہ اس سے پہلے پہلے اپنا بندوبست کرلوں۔ لیکن کافی مشکل پیش آرہی ہے۔" وہ واقعی اس سلسلے میں پریشان لگ رہے تھے اسی لیے ان کو اتنی لمبی چوڑی تفصیل بتا دی تھی۔ ورنہ وہ اپنے گھریلو معاملات کو اپنے گھر تک ہی محفوظ رکھتے تھے۔

ام ہانی کے وجود میں آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔ اعتماد، مان، یقین کیا کچھ نہیں ٹوٹا تھا اسکے اندر۔

"آہ....." لوگ بھی کیسے کیسے دھوکے دیتے ہیں اور میرے جیسے عقل کے اندھے کیسے آس لگا کے بیٹھے جاتے ہیں۔" اسے اپنا آپ کسی اتھاہ گہرائی میں ڈوبتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ زبیر بھائی تو غالباً کچھ اور ہی کہہ رہے تھے۔ مگر اس کی سماعت کب اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

زبیر بھائی نے مزید کیا کہا، وہ کب گئے؟ اسے کچھ ہوش نہیں تھا۔ وہ تو گم صم اپنی جگہ سے ہل نہیں

سکی تھی۔

"ہانی.....!" ضحیٰ نے آکے اس کا کندھا ہلایا۔ تو اس نے یوں ویران" اجاڑ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا کہ ضحیٰ کا دل کٹ گیا۔

"اپنے آپ کو سنبھالو.....!" ضحیٰ اس کا درد سمجھ سکتی تھی۔ اور کیوں نہ سمجھتی وہ تو بنا کہے ہی ایک دوسرے کو سمجھ جایا کرتی تھیں۔ اشاروں، کنایوں کی نوبت بھی نہ آتی تھی۔

"اچھا ہوا ناں، ایسے حریص اور لالچی لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ میری ہانی کا نصیب یقیناً ہی بہت اچھا ہوگا۔" اس کے برابر بیٹھے ہوئے ضحیٰ نے بہت نرمی سے کہا تھا۔

"آئی ہوپ۔" اپنے کندھے پہ دھرا اس کا ہاتھ ہولے تھپتھپائے ہوئے وہ خود کو کمپوز کرتی کھڑی ہوگئی۔

درد اتنا چھوٹا نہ تھا کہ جسم وجاں میں تکلیف کی لہریں نہ اٹھتیں۔ کہ چند ہی دنوں میں وہ کتنے ہی خوشنما خواب اپنی پلکوں کو سونپ چکی تھی۔ ان خوابوں کو نوچ کر پھینکنے میں کچھ وقت تو درکار تھا۔ ابھی خود کو سمیٹنے میں کچھ عرصہ تو لگنا تھا۔

"تو کیا زارون بھی بکنے والی چیز تھا.....؟ جس نے زیادہ دام لگائے دل کا پلڑا اسی کی طرح جھکا لیا۔" دل تو چلا چلا کر ایسے خیالات کی نفی کررہا تھا۔ لیکن وہ حقائق سے نظر نہیں چرا سکتی تھی۔

دل کا کیا تھا.....؟ اس خون کے لوتھڑے کی وجہ سے ہی تو آج اس کی ذات اتنی ارزاں اتنی بے مول ہوئی تھی کہ چند کوڑیوں کے عوض اسے رد کردیا گیا تھا۔

سکوں کی کھنک اور پیسوں کے چمک اس کے خلوص پر سبقت لے گئی تھی۔

پتہ نہیں واقعی وقت تیزی سے گزرا تھا یا رینگ رینگ کے اسے تو کچھ بھی محسوس نہ ہورہا تھا ان دنوں عجیب لگی بندھی سی روٹین تھی۔ ضحیٰ نے اسے مشورہ دیا تھا کہ کسی قریبی اسکول کو جوائن کرلے اور اسے ایک، دو اسکولز تو آفرز بھی آئی تھیں۔ لیکن وہ آج کل اتنی آدم بیزار ہوچکی تھی کہ کس چیز میں دل نہ لگتا تھا۔ عجیب غائب دماغی کی سی کیفیت تھی۔ ایسے میں وہ بچوں کو کیا پڑھا سکتی تھی۔

تین ماہ کا عرصہ جیسے تیسے کرکے بالآخر گزر ہی گیا تھا۔ آج طلحہ کی واپسی تھی۔ امی جان اور بابا جان صبح سے ہی بہت خوش تھے۔ ضحیٰ بھی خوشی سے اڑی اڑی پھر رہی تھی۔ اس نے بھی کسی حد تک خود کو سمجھا بجھا لیا ہی تھا۔ اگرچہ وہ پہلے والی زندگی سے بھرپور امی ہانی تو نہیں بن پا رہی تھی۔ مگر ضحیٰ کے حوصلوں اور تسلیوں نے اسے سمیٹنے میں کافی مدد کی تھی۔ سب کے درمیان وہ اب خود کو کمپوز کرلیتی تھی۔ وگرنہ امی جان تو پچھلے دنوں اس کی گرتی ہوئی طبیعت سے کافی پریشان ہوگئی تھیں۔

امی جان نے زبیر بھائی کی فیملی کو بھی آج انوائیٹ کیا تھا۔ مگر زبیر بھائی آفس کے کسی سلسلے میں مظفر آباد گئے تھے جبکہ نوشی بھابھی اپنے میکے میں تھیں۔ البتہ انہوں نے چند دن بعد آنے کا وعدہ کیا تھا۔

"چند دن بعد آنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سارے من گھڑت بہانے ہیں امی جان! اپنی اہمیت جتانے کے اور اپنی دھاک بٹھانے کے۔" ضحیٰ خاصی چڑی ہوئی تھی۔ اس لیے بغیر کسی لحاظ کے چڑ کے بولی تھی۔

"کوئی بات نہیں بیٹا! اگر وہ اس طرح خوش ہے تو اسی طرح سہی۔" بابا جان نرمی سے مسکرائے

"ہمارے معاملات میں زبیر بھائی اور نوشی بھابھی کسی طرح بھی خوش نہیں ہوسکتے۔" اس نے ناک چڑھا کے کہا۔

"کسی سے اتنا بدگمان بھی نہیں ہوئے بیٹا!" بابا جان نے ہمیشہ کی طرح اسے سمجھایا۔

"یہ بدگمانی ہے بابا جان؟" ضحیٰ نے خفگی سے پلکیں اٹھا کے انہیں دیکھا تھا۔ وہ لاجواب ہو گئے۔

"جو لوگ بروقت نہیں سنبھلتے اور نہ ہی سنبھلنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا کوئی علاج نہیں۔ جو شخص زمانے سے بھی سبق نہ سیکھے اسے اللہ ہی سبق سکھائے

www.pkdigest.com

ایسے میں جلنا کڑھنا اپنا وقت اور خون ضائع کرنے برابر ہے۔" ہمیشہ کی طرح ام ہانی نے مداخت کی اور اس بحث کو ختم کیا۔ بابا جان نے بہت مان اور کے ساتھ اپنی بیٹی کو دیکھا تھا جو ان کا پرتو ہی تو تھی۔ ات، اطوار، مزاج، اخلاق وہ بالکل ان کی کاپی ی۔ اسی لئے اپنی اولاد میں انہیں سب سے زیادہ زیز تھی۔

"ٹیکسی آگئی ہے جلدی آجائیں۔" امی جان اندر داخل ہوتے ہوئے بابا جان سے مخاطب ہوئیں۔

"میں تو تیار ہوں چلیں۔" بابا جان نے کہا۔ وہ دونوں طلحہ کو لینے ایئر رپورٹ جا رہے تھے۔ جبکہ ضحیٰ اور ام ہانی گھر پہ ہی تھیں۔ ام ہانی تو صبح سے کچن میں گھسی ہوئی تھی اور ابھی بھی بہت سے لوازمات تیاری کے مراحل میں تھے۔ ضحیٰ البتہ اس کا ہاتھ بٹانے اور اکیلے پن کے سبب رک گئی تھی کہ آجکل زیادہ سے زیادہ ٹائم ام ہانی کے ساتھ گزاری تھی تا کہ اس کا دھیان بٹا سکے۔

☆.....☆.....☆

"ٹرن، ٹرن، ٹرن۔" لاؤنج میں رکھے فون کے بیل متواتر بج رہی تھی۔ ضحیٰ شاید باتھ روم میں تھی وہ بریزر کی آنچ دھیمی کرتے ہوئے عجلت میں کچن سے نکلی تھی۔

"اتنی مصروفیت میں کس کا فون آگیا.....؟" اس نے بڑبڑاتے ہوئے ریسور اٹھایا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام ام ہانی.....؟" دوسری طرف سے سلام کا جواب دینے کے ساتھ ہی تصدیق کی گئی تھی اور ریسور سے ابھرنے والی آواز اسے دم بخود کر دیا تھا۔

"جی آپ کون.....؟" اپنے وہم کو جھٹلائے ہوئے اس نے دریافت کیا۔

"ہانی! یہ میں ہوں زارون، انگلینڈ سے بات کر رہا ہوں۔" اور اسے یوں محسوس ہوا تھا کہ اب وہ اپنا پاؤں پہ کھڑی نہیں رہ سکے گی۔ ان دو ماہ میں خود کو سمجھانے بجھانے، سنبھالنے، سمیٹنے کی سب کاوش ایک لمحے میں غارت ہو گئی تھی۔

"جی فرمایئے کیوں فون کیا ہے یہاں؟ ہر زخم ادھڑنے لگا تھا۔ اس کے وجود کو کانٹوں پہ گھسیٹا گیا تھا پھر لہجے میں تلخی کیونکر نہ آتی.....؟

"بہت سارے حساب ہیں جو بے باق کرنے ہیں اور جو تمہاری طرف نکلتے ہیں اسی لئے فون کرنے کی زحمت کی ہے۔" دوسری طرف بھی لہجہ کم تلخ نہ تھا۔

"میں آپ کی کسی بات کی جوابدہ نہیں ہوں۔ جب میں نے آپ سے آپ کے کسی عمل کے بارے میں دریافت نہیں کیا تو اب آپ کون ہوتے ہیں مجھ سے میرے عمل کی جانچ پڑتال کرنے والے۔" وہ چیخ کے بولی۔ وجود میں اتنے بھانبھڑ جل رہے تھے کہ لہجہ خود بخود ہی بلند اور تیز ہو گیا تھا۔

ضحیٰ جو ابھی باتھ لے کر نکلی تھی۔ اس کو اتنی بلند آواز سن کر گھبرا کے لاؤنج کی طرف لپکی تھی ہانی کے ہاتھ میں ریسور پکڑا دیکھ کر وہیں رک گئی کسی انہونی کے احساس نے اس کے دل کے دھڑکن تیز کر دی تھی۔

"جب میں نے تم سے کہا تھا کہ میں ماما کو تمہاری طرف بھیجوں گا تم انتظار کرنا۔ تم نے بخوشی میری بات کو قبول کیا تھا۔ بعد میں کون سی ایسی آفت آگئی تھی کہ تم چند دنوں تک بھی اپنی بات کو نہ نبھا سکی تمہیں یوں آزاد تو میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔ دیکھوں گا تم کیسے کسی اور کی ہوتی ہو؟ اس کی بات کو نظر انداز کر کے وہ جارحانہ انداز میں غرایا۔

"بہت خوب۔ میں یہاں اپنے قول کو نبھاتی رہتی اور آپ کو وہاں پونڈز کی چمک نے اندھا کر دیا۔ آپ تو شادی رچا کے بیٹھ گئے اور میں یہاں اپنے قول کو نبھاؤں.....؟ بہت خوب مسٹر زارون! ایسا قول کا پکا مرد تو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔" اس کی غراہٹ کی پرواہ کیئے بغیر وہ اس سے بھی زیادہ بلند آواز چلائی تھی۔ وہ تو خود بارود کے ڈھیر پہ بیٹھی تھی زارون کی بات کی گہرائی تک جا ہی نہیں سکی۔ وہ تو اس سے معافی تلافی کرنے

کی بجائے اسے ہی طعن و تشنیع کر رہا تھا۔ یہ بات اسے مزید طیش دلا گئی تھی۔

"میری شادی؟ کس نے کی ہے یہ بکواس تم سے؟" وہ بھونچکا رہ گیا۔ پہلی دفعہ اس نے ہانی کے لب و لہجے پہ غور کیا۔ اتنے دھیمے پن اور نرم مزاج کی حامل لڑکی آخر اس قدر چیخ چلا کیوں رہی تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ کوئی غلط فہمی ان دونوں کے درمیان حائل ہو گئی ہو۔

"ہاں۔ اب پھر جائیں، مکر جائیں اور کہیں کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ نہیں شادی رچا رکھی آپ نے اپنے باس کی بیٹی سے یہی تو وطیرہ ہے آپ مردوں کا۔" وہ کاٹ دار لہجے میں بولی۔

"دس از ٹو مچ ہانی! تم کسی شدید قسم کی غلط فہمی کا شکار ہو۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ میں تو انگلینڈ میں....."

"آپ انگلینڈ میں شادی کریں یا کینیڈا میں، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ برائے مہربانی دوبارہ یہاں یہ فون مت کیجئے گا۔ ورنہ میں کسی کا بھی لحاظ نہیں کروں گا۔" اس کی بات کاٹ کر وہ تند و ترش لہجہ میں کہتی ریسور" کریڈل پہ پٹخ چکی تھی۔

صوفے پہ ڈھیر ہوتے ہی وہ منہ ہاتھوں میں چھپا کے بلک بلک کے رونے لگی تھی۔ ضحیٰ جو اس کی یکطرفہ باتیں سنتی ہکا بکا کھڑی تھی لپک کر اس کی طرف بڑھی۔

"ہانی! میری جان! چپ کرو۔" ضحیٰ نے اس کے ہاتھ ہٹائے اور اسے اپنے کندھے سے لگا لیا۔

"کیوں آیا ہے یہ شخص میری زندگی میں دوبارہ.....؟ اسے کہو نکل جائے۔ میری زندگی سے میں بار بار ٹوٹنے اور بکھرنے کے عمل سے نہیں گزر سکتی۔ اسے کہو ضحیٰ! چلا جائے۔" ضحیٰ کا کندھا بھیگتا جا رہا تھا۔ آنسو لڑیوں کی صورت میں پانی کی آنکھوں سے نکل کر اسکے کندھے میں جذب ہو رہے تھے۔ "بی ریلکس نہیں کرے گا وہ یہاں دوبارہ فون میں خود ہی دیکھ لوں گی اسے۔ ڈونٹ وری تم خود کو ہلکان مت کرو۔ اپنے آنسو پونچھو۔ سب آنے والے ہوں گے۔ تمہیں اس حلیے میں دیکھ کر سب پریشان ہوں گے۔ اور خاص طور پر طلحہ وہ اتنے دن گھر سے دور رہا ہے اب آئے گا تو تمہیں یوں نڈھال دیکھ کر اس پر کیا بیتے گی.....؟ اور اپنے ان آنسوؤں کا سبب کسی کو کیا بتاؤ گی تم.....؟ جانتی ہو ناں طلحہ کتنا جوشیلا اور جذباتی ہے۔ چلو اٹھو شاباش.....! فریش ہو کے کپڑے چینج کرو۔ میں کچن دیکھتی ہوں۔" وہی ساری باتیں جو ام ہانی اسے سمجھایا کرتی تھی آج ضحیٰ اسے سمجھا رہی تھی۔ حالات واقعات انسان کو کیا سے کیا بنا دیتے ہیں۔

ہانی اس سے الگ ہوتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی۔ جبکہ ضحیٰ نے فوراً سی۔ ایل۔ آئی سے نمبر نوٹ کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

"سوری میں ذرا سویرا کی طرف جا رہی ہوں۔ طلحہ نے جانے کی جلدی مچائی ہوئی ہے۔ افراتفری میں کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ اچھا راستہ تو دو۔" اس دن ام ہانی کی باتوں نے اس کو ٹھٹکا دیا تھا۔

نوشی آپی کی زبانی اس نے یہ سنا تھا کہ ام ہانی اکثر روبینہ آنٹی کی طرف چلی جاتی ہے۔ لیکن اسے زارون کی طرف سے پورا اطمینان تھا۔ وہ جتنا لڑکیوں سے بیزار تھا ناممکن ہی تھا کہ خود کسی لڑکی کی طرف متوجہ ہوتا۔ لیکن اس دن ام ہانی کے لہجے میں اسے کچھ اور بات محسوس ہوئی تھی کچھ تجسس اور کچھ حسد کے ہاتھوں مجبور ہو کے وہ ایکسی کے دروازے میں ہی کھڑی ہو کے انتظار کرنے لگی۔

ام ہانی نے واپسی میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ لیکن اس کے ہاتھ میں ایک شاپنگ بیگ دیکھ کر عافیہ چونک گئی تھی۔ غالباً اس میں کچھ تحائف تھے۔ اس نے خود سے اندازہ لگایا تھا۔ یہاں تک تو شاید وہ برداشت کر لیتی۔ لیکن ہانی کی عقب سے زارون نمودار ہوا نہایت عجلت میں قدم اٹھاتا وہ اس کے قریب پہنچا تھا۔ عافیہ فوراً دروازے کی اوٹ میں گئی۔ مبادا ان میں سے کسی کی نظر نہ پڑ جائے۔

www.pkdigest.com

اور اس وقت تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے زارون کو دھیمے لہجے میں اس سے مخاطب ہوتے دیکھا اور ہانی کے چہرے پہ اترانے والے قوس قزح کے رنگ اس سے مخفی نہیں تھے۔ اتنے فاصلے سے وہ ان کی آوازیں تو نہیں سن سکتی تھی۔ تاہم ان کے چہروں کے تاثرات وہ اتنے فاصلے سے بھی بخوبی دیکھ سکتی تھی۔

"دیکھو اس گھنی مسینی کو اوپر سے کتنی معصوم بنتی ہے۔" وہ غصے سے پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

"ملا خطہ کیا آپ نے اپنی نند کا شرافت نامہ۔" جیسے ہی ان کی فیملی رخصت ہوئی وہ فوراً نوشی آپی سے مخاطب ہوئی۔ اتنی دیر تک پتہ نہیں خود پر کنٹرول کیسے کیا رکھا تھا۔

"کیوں کو کیا ہوا؟" وہ قطعاً بے خبر تھیں۔

"ایک تو آپ ہمیشہ اپنی آنکھیں اور کان بند رکھتی ہیں۔ آپ کی موجودگی میں کیا چکر چلتے رہے ہیں۔ آپ کو خبر ہی نہیں آج بھی اگر میں نہ پہنچتی تو پتہ نہیں معاملے کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتا۔" وہ غصے سے بل کھا کے بولی۔ پھر آج جو کچھ دیکھا تھا۔ ساری روداد مرچ مصالحہ لگا کر سنائی۔

"ارے میں مرجاؤں میری آنکھوں کے سامنے یہ سب ہوتا رہتا اور میں ایسی سیدھی کہ کچھ سمجھ ہی نہ سکی۔" وہ تو اپنا کلیجہ تھام کے رہ گئیں۔

"اور وہ زارون..... الو کا پٹھا۔ مجھے تو کبھی لفٹ نہیں کروائی۔ ہر حربہ آزما کے دیکھ لیا اور اس مینسی کے آگے کیسے بچھا رہا تھا کہ اپنی ماں کو اس کے گھر بھیجنا چاہتا ہے۔" غافیہ نے دانت کچکچائے بیک وقت اسے دونوں پر غصہ آرہا تھا بس نہیں چل رہا تھا کہ دونوں کو کچا چبا جاتی۔

"وہ آپ کی نند اگر اس گھر میں مہارانی بن کر آگئی تو آپ کو یہاں برداشت کر سکے گی.....؟" پہلی ضرب میں چلتا کرے گی مجھے تو لگتا ہے یہ سارا ڈھونگ یہی اسی لیے رچایا گیا ہے۔ ایسا عالیشان گھر اور لڑکا اس نے خواب میں بھی نہ دیکھا ہوگا۔ آپ اب اپنا بستر گول کریں یہاں سے۔" اس نے بہن کو آئندہ حالات سے ڈرایا۔

"تمہارا کیا خیال ہے میں یہ سب ہونے دوں گی.....؟" زبیر بڑے بھائی ہیں ان کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہوسکتا۔" نوشی کے لہجے میں ایک دم غرور پیدا ہوا تھا۔ ترپ کا آخری پتہ تو ان کے قبضے میں تھا۔

"اور آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ لوگ آپ سے مشورہ لیں گے.....؟ اور زبیر بھائی کے انکار کو اہمیت دیں گے؟ طلحہ ان چڑیلوں کے کتنی فیور کرتا ہے ایسا چانس تو وہ کبھی مس نہیں کرے گا اور آپ ساری خوش فہمیاں دل سے نکال دیں۔" وہ زہر خند ہوئی۔

"تم فکر نہ کرو میری جان! میں یہ معاملہ بالا ہی بالا سمیٹ لوں گی۔ طلحہ یا اس کی ماں تک تو بات ہی نہیں آئے گی۔ اب تک جو بھی ہوا وہ بے خبری میں ہوا اگر مجھے پہلے ذرا سی بھی بھنک پڑ جاتی تو کبھی معاملہ سیٹ کر دیتی خیر اب بھی کچھ نہیں بگڑا تم دیکھنا تو سہی میں کرتی کیا ہوں۔" ان کے لبوں پہ شیطانی مسکراہٹ تھی۔

"کیا مطلب.....؟ کیا کریں گی آپ؟" عافیہ نے چونک کر بہن کی طرف دیکھا۔

"ادھر آؤ بتاتی ہوں۔" رازداری سے کہتے ہوئے انہوں نے اسے قریب بلایا اور بتانے لگیں۔

"زبردست آپی! شاندار پلان ہے۔ زارون اگر میرا نہیں ہوا تو اس ڈائن کا بھی ہرگز نہیں ہوسکتا۔" دفعتاً مسرت سے عافیہ کا چہرہ چمک اٹھا۔

☆.....☆.....☆

"ماما! اب زارون کی شادی کر دیں آجکل ہر وقت اداس بلبل بنا رہتا ہے۔" سویرا نے زارون کی طرف دیکھتے ہوئے شریر انداز میں کہا تھا۔ آج چھٹی کا دن تھا۔ لہٰذا وہ سب خوشگوار موڈ میں گپ شپ لگا رہے تھے۔

"پہلے تمہاری نہ کر دیں۔ خالہ بھی آج کل بہت اصرار کر رہی ہیں۔" اس نے اسے آنکھیں نکالیں۔

"میں تو بھابھی کے ساتھ رہنے کا شوق پورا

کر کے جاؤں گی۔" وہ اٹھلائی۔

"ساتھ رہنے کا یا لڑائی کرنے کا۔" زارون نے چھیڑا۔

"جی نہیں ام ہانی بہت اچھی بھابھی ثابت ہوگی۔" سویرا نے شرارت سے آنکھیں گھما کے کہا تو زارون کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"السلام علیکم آنٹی!" وہ لوگ اپنی باتوں میں مصروف تھے۔ جب دروازے سے زبیر بھائی نے بلند آواز سے سلام جھاڑ کے آپنی آمد کی اطلاع کی۔

"وعلیکم السلام بیٹا! آؤ بیٹھو" روبینہ نے اسے اندر آنے کا کہا۔ متوقع رشتہ دار کے خیال سے زارون نے اٹھ کے بہت محبت سے مصافحہ کیا تھا۔ سویرا اٹھ کر فوراً کچن میں چلی آئی۔

"نوشی کیسی ہے اور چھوٹا ٹھیک ہے.....؟" اس کے بیٹھتے ہی وہ دریافت کرنے لگیں۔

"جی اللہ کا شکر ہے۔ حمزہ دو تین دن سے بیمار ہے اسے ڈاکٹر کو دکھانے کا بھی ٹائم نہیں مل رہا۔ آج ہی امی جان کی طرف سے آیا ہوں۔ تو اب اسے لے کر جاؤں گا اور یہ آپ کے لیے مٹھائی ہے۔ امی جان نے بطور خاص بھیجی ہے۔" انہوں نے مٹھائی ڈبہ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میری طرف سے انہیں شکریہ کہنا۔ کس سلسلے میں بھیجی ہے۔" انہوں نے خوشدلی سے ڈبہ تھام کر ٹیبل پر رکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"دراصل ام ہانی کی بات پکی ہوگئی ہے ناں میں اسی سلسلے میں ادھر گیا ہوا تھا۔ نوشی تو خرابی طبیعت کی وجہ سے جا نہیں سکی۔ میرا جانا تو ضروری تھا بڑا ہوں ناں ویسے لڑکا بہت اچھا ہے طلحہ کا دوست ہی ہے وہ لوگ بہت عرصے سے خواہشمند تھے لیکن لڑکا جاب لیس تھا تو میں انکاری تھا۔ اب وہ بھی طلحہ کے ساتھ ہی بلکہ اس سے بھی اچھی پوسٹ پر فائز ہوگیا ہے تو میں نے بھی اقرار کرنے میں دیر نہیں لگائی۔" وہ انہیں تفصیلات سے آگاہ کر رہے تھے۔ جبکہ زارون کے سر پر تو بم پھٹا تھا۔ وہ حق دق زبیر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنی سماعت پہ یقین نہیں آرہا تھا۔ روبینہ بھی کچھ کم حیران و پریشان نہ تھیں۔

"مبارک ہو بیٹا!" وہ سنبھل کر بدقت کہہ پائیں کہ بیٹے کی چاہت سے بخوبی واقف تھیں۔ وہ تو خود کئی دنوں سے ام ہانی کی طرف جانا چاہ رہی تھیں لیکن زارون ہی آج کل کچھ زیادہ مصروف تھا۔ وہ چند دنوں بعد انہیں لے کر جانے ہی والا تھا۔ اب انہیں کیا معلوم تھا کہ چند دنوں کا خسارہ ساری عمر پہ محیط ہوجائے گا اور وہ ہاتھ ملتے ہی رہ جائیں گے۔

"خیر مبارک آنٹی! بس دعا کریں شادی بخیر و عافیت ہوجائے ہم نے تیاری تو شروع کر دی ہے۔ آپ کو بھی ضرور بلائیں گے۔ اب تو سب نہایت عجلت ہو اور نہ ام ہانی تو آپ سب کا بہت تذکرہ کر رہی تھی۔ کہہ رہی تھی وہاں جا کر مجھے بہن بھائی اور ماں کی کمی بالکل محسوس نہیں ہوگی سب بہت اچھے ہیں۔ امی جان نے بطور خاص آپ کے لئے مٹھائی بھجوائی ہے۔" وہ جیسے ان کو انوائیٹ نہ کرنے کا عذر بتا رہے تھے۔

"کوئی بات نہیں بیٹا! ہم شادی میں شرکت کی کوشش کریں گی۔" انہوں نے جیسے کہا تھا وہی جانتی تھیں۔

"شکریہ آنٹی! میں چلتا ہوں اگر ہوسکے تو ایک دن نوشی کے ساتھ شاپنگ کے لئے چلی جائے گا۔ ہانی کے لئے کچھ چیزیں خریدنا ہیں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولے۔

"کیوں نہیں ضرور تم بیٹھو ناں سویرا چائے لے کر آرہی ہے۔" انہیں آداب میزبانی یاد آئے۔

"نہیں آنٹی! پھر کبھی سہی میں ذرا جلدی میں ہوں۔" وہ شکریہ ادا کرتے باہر نکل گئے۔

ان کے جاتے ہی زارون ایک جھٹکے سے اٹھا تھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔

"زارون.....!" سویرا نے پکارنا چاہا تو روبینہ نے اسے روک دیا۔

"اسے سنبھلنے کا موقع دو۔" سویرا بھی اس خبر سے ڈھے سی گئی تھی۔

اور ابھی اس واقعے کو ایک دن بھی گزرنے

www.pkdigest.com

نہ پایا تھا کہ مہد کی والدہ نگہت کی طبیعت اچانک بگڑ گئی۔ مہد نے انہیں فوراً ہسپتال منتقل کرتے ہی زارون کو فون کر دیا تھا۔ وہ سب اپنی پریشانی چھوڑ چھاڑ فوراً ہسپتال پہنچے تھے۔ نگہت کی طبیعت انتہائی نازک تھی۔ جگر کے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ ڈاکٹرز کی انتھک کوشش بھی فی الحال کامیاب نہیں ہو رہی تھی۔

"لیور نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے ان کا بلڈ سسٹم بری طرح متاثر ہو رہا ہے اگر مزید کچھ دیر یہی حالت رہی تو شاید ہمیں ان کی باڈی کا بلڈ بھی چینج کرنا پڑے اور پاکستان میں فی الحال اس کا کوئی برابر انتظام نہیں ہے اس صورتحال میں آپ مریضہ کو انگلینڈ لے جائیں وہاں ڈاکٹر رابرٹ، ڈاکٹر فرینک اس کام کے ماہر ہیں۔ اگر ان کی زندگی مزید لکھی ہوئی تو وہ یقیناً کامیاب ہو جائیں گے۔" ڈاکٹر احسان اللہ نے مہد اور زارون نے حقیقی صورتحال سے آگاہ کیا۔

اور اگلے دو دنوں میں ہی انہیں نگہت کو کینیڈا شفٹ کرنا پڑا۔ ایسی صورتحال میں زارون مہد کو اکیلا کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ ویسے بھی نگہت اسے ماں کی طرح ہی عزیز تھی اور روبینہ کی تو ہی ایک ہی بہن تھی۔ وہ کسی صورت میں پاکستان رکنے یہ کے لیے تیار نہ تھیں پیچھے صرف سویرا بچی تھی لہٰذا مجبوراً وہ ان دونوں کو بھی ساتھ لے گئے۔

ڈاکٹر احسان اللہ نے ٹھیک کہا تھا اگر ان کی زندگی باقی تھی تو انہیں شفا ضرور ملنی تھی۔ لیکن اس سارے پراسس میں انہیں دو ماہ کا عرصہ لگ گیا تھا۔ اس دوران نگہت کبھی تو کافی ٹھیک ہو جاتیں اور کبھی طبیعت پھر بگڑ جاتی۔ دو ماہ میں ان کا مکمل ٹریٹمنٹ ہوا تھا۔ تو ان سب نے جیسے سکھ کا سانس لیا تھا۔ دو ماہ سے وہ چاروں اپنا آپ بھلائے ہوئے تھے۔ بزنس کا بھی کافی نقصان ہوا تھا۔ لیکن اللہ کا شکر تھا کہ نگہت کی جان بچ گئی تھی۔

مہد واپسی کی تیاریوں میں ادھر ادھر مصروف تھا۔ جب زارون نے ام ہانی کو فون کیا۔ اس کا معاملہ اگرچہ پر دب گیا تھا مگر اسے فراموش نہیں کر سکا تھا۔ اب جو اس نے ہانی کو فون کیا تو اس کی باتیں سن کر وہ بھونچکا رہ گیا تھا۔ وہ اتنی ڈسٹرب تھی کہ اس نے فی الحال بات کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور پاکستان جا کر صورتحال کا جائزہ لینے کا سوچا تھا۔

رات وہ اس ادھیڑ بن میں تھا جب ضحیٰ کا فون آیا اور جو کچھ ضحیٰ نے اسے بتایا وہ اس کے چھکے چھڑا دینے کے لئے کافی تھا۔ اس نے بغیر کسی لگی لپٹی کے زبیر کی ساری روداد سنا دی تھی۔ جو کہ حقیقتاً ایک گہری سازش تھی۔ جس میں وہ اور ام ہانی پھنس چکے تھے۔ وہ رات انکشافات کی رات تھی۔

☆.....☆.....☆

تجھے روز دیکھوں قریب سے
میرے شوق بھی عجیب سے
میری آنکھ میں بھی ہے عاجزی
میرے شوق بھی ہیں غریب سے
میرے سب دکھوں کی دوا ہو تم
ملے گا سکون کیا طبیب سے
میں بہت خوش ہوں یوں جوڑ کر
نصیب اپنا تیرے نصیب سے

آج ام ہانی کا نکاح تھا۔ صبح سے ہی بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ طلحہ اور ضحیٰ کی شامت آئی ہوئی تھی۔ وہ بیچارے گھن چکر بن کے رہ گئے تھے۔ ام ہانی بھی صبح سے ان کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر ہر دفعہ امی جان اسے ڈانٹ کے رکھ دیتی تھیں۔ بابا جان بھی انتظامات میں لگے ہوئے تھے۔

"رہنے دو تم میں کر لیتی ہوں امی جان نے دیکھا لیا تو میری شامت آ جائے گی۔ ویسے بھی اگر ہاتھ واتھ جلا بیٹھیں تو زارون بھائی نے میری ہی گردن ناپنی ہے کہ میں آج کے دن بھی ان یک منکوحہ سے کام کروا رہی ہوں۔" ضحیٰ نے اس کے ہاتھ سے استری پکڑ کے دوبارہ آئرن اسٹینڈ پہ رکھتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"اتنی ہمت نہیں ہے ابھی تمہارے زارون بھائی میں۔" بے پناہ خوشی سے معمور کھنکتے لہجے میں اس نے ناک چڑھا کے کہا تو اس کا خوشیوں سے مزین چہرہ

ضحیٰ نے بڑی محبت پاش نظروں سے دیکھا تھا۔

اس دن زارون کا نمبر تو اس نے اس لیے نوٹ کیا تھا کہ اس کی خوب عزت افزائی کرے گی اور اس کی اس طرح کلاس لے گی کہ آئندہ وہ یہاں فون کرنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔ لیکن فون کرنے پر زارون نے اسے جو باتیں بتائیں وہ ضحیٰ کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچ لینے کے لئے کافی تھیں۔

"اگر آپ کو میری باتوں پر یقین نہ آئے تو میں آپ کو ڈاکٹر احسان اللہ کا نمبر دے دیتا ہوں۔ آپ ان سے تمام معلومات حاصل کر سکتی ہیں۔ علاوہ ازیں اگر آپ چاہیں تو انگلینڈ کی تمام رپورٹس بھی میں آپ کو دکھا سکتا ہوں۔ مگر بخدا میں یہاں کسی بزنس اور شادی دادی کے چکر میں نہیں آیا۔" زارون کے لہجے میں جو سچ بول رہا تھا ضحیٰ اسے محسوس کئے بنا نہ رہ سکی۔ بلکہ زبیر بھائی کا کارنامہ سن کے وہ زمین میں گڑی جا رہی تھی۔

"آپ پاکستان آئیں باقی باتیں یہیں آ کر ہوں گی۔ مگر آپ حوصلہ رکھیں ہانی کو کوئی بات وات کچھ نہیں ہوئی۔" فون رکھنے سے پہلے اس نے کہا تھا۔

اس دفعہ نوشی بھابھی نے خود آگے آنے کی بجائے زبیر بھائی کو آگے کیا تھا۔ اگر وہ خود ایسا سب کہیں تو شاید کوئی یقین نہ کرتا۔ لیکن جس طرح زبیر بھائی نے سب سے باتیں کی تھیں ان میں کس غلط فہمی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ بڑا مضبوط جال بنا تھا انہوں نے اور اس دفعہ اسے زبیر بھائی پہ نہ غصہ آیا نہ حیرت، نہ طیش۔ بلکہ اسے بے پناہ دکھ ہوا تھا۔ ایسا دکھ، ایسا درد، ایسا کرب کہ وہ ساری رات سو نہیں سکتی تھی۔ اس کا ماں جایا، اس کا خونی بھائی اپنی بہن کا نصیب اجاڑنے پہ تلا ہوا تھا۔ بیوں کے ہاتھوں کسی کٹھ پتلی کی طرح استعمال ہوا تھا۔ نوشی بھابھی نے انہیں یوں سدھایا تھا کہ ان کے گلے میں رسی ڈالنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔

افسوس، رنج، ملال ساری رات اس کا تکیہ بھیگتا رہا تھا۔ ام ہانی صورتحال سے بے خبر سو رہی تھی۔

صبح ہونے سے پہلے پہلے ضحیٰ ایک فیصلہ کر چکی تھی۔

"مجھے آپ سب سے ایک نہایت اہم اور ضروری بات کرنی ہے۔ اور بابا جان! آپ سے میری استدعا ہے کہ بخدا آپ کو انصاف سے کام لینا ہے۔ کیونکہ ظالم کی حمایت کرنا بھی ظلم کرنے کے مترادف ہے۔" وہ جس طرح ٹھہر ٹھہر کر سنجیدہ لب و لہجے میں بول رہی تھی اس نے سب کو ہی چونکا دیا تھا کہ یہ ضحیٰ کی طبیعت کا ہرگز خاصا نہیں تھا۔

اور پھر وہ رکی نہیں۔ روبینہ آنٹی اور سویرا کا ام ہانی کو پسند کرنا، زارون کی تائید، عافیہ کا حسد، نوشی بھابھی کا مکر و فریب اور زبیر بھائی کا کٹھ پتلی کی طرح رقص کرنا، نگہت آنٹی کی بیماری، زارون کا فون..... وہ سب بتاتی چلی گئی۔

"اگر آپ کو میری باتوں پر یقین نہ آئے تو آپ خود اس کی تصدیق کروا سکتے ہیں۔" بات کے اختتام پر وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔ ان سب کے احساسات، اثرات ناقابل فہم تھے چاروں اپنی اپنی جگہ سن تھے۔

"اگر اس گھر میں دوبارہ زبیر نے قدم رکھا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ وہ اپنی بیوی کے چرنوں میں ہی بیٹھے۔" سب سے پہلے طلحہ نے شعلے اگلے تھے۔ شدت جذبات سے اس کا چہرہ دہکنے لگا تھا۔

ام ہانی یہ سب برداشت نہیں کر سکی تھی لہرا کے زمین پہ آ رہی تھی۔ سب اس کی طرف لپکے "اگر میری بہن کو کچھ ہو گیا تو زبیر اور اس کی بیوی دوسرا سانس نہیں لے سکیں گے؟" ام ہانی کو اپنی مضبوط بانہوں میں اٹھاتے ہوئے اس نے سب کو وارن کیا تھا۔

شدید صدمے کے باعث اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا اسے ہوش آیا تو امی جان کے گلے لگ کے وہ پھوٹ پھوٹ کے روئی تھیں خود ان کا کلیجہ بھی منہ کو آ رہا تھا۔

"تمہارا باپ ابھی زندہ ہے۔ تمہیں رونے کی ضرورت نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ!"

www.pakdigest.com

ت نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے مشفق ں کہا تھا۔ چند گھنٹوں بعد وہ ڈسچارج ہو کے گھر ۔

بابا جان نے گھر آتے ہی زبیر کو اس کی فیملی فوراً پہنچنے کا کہا تھا۔ ساتھ ہی زارون کو بھی اس بلایا تھا۔ رات آٹھ بجے کے قریب زارون، ہت، سویرا، مہد پہنچ گئے تھے۔

ان کی اچھی طرح خاطر مدارت کی گئی۔ ایک گھنٹے کے وقفے سے زبیر بھائی اور نوشی ھی پہنچ گئے تھے۔ چند لمحوں بعد ہی عدالت لگ ۔ زارون اگرچہ سارے ثبوت ساتھ لایا تھا ں کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ حقیقت خود ہی ن کی طرح سامنے آ گئی تھی۔

نوشی بھابھی اور زبیر بھائی کو اس طرح ل کھل جانے کا اندیشہ نہیں تھا۔ اس لیے عین وہ دونوں گڑبڑا گئے تھے۔

"تو تم اقرار کرتے ہو کہ تم نے دونوں یہ جھوٹ بولا۔" بابا جان نے سپاٹ لہجے میں کیا تھا۔

"جی۔ ای۔ ای میں معذرت خواہ ہوں بابا ھے معاف......"

"تڑاخ" ان کی بات درمیان میں رہ گئی بابا جان کا بھرپور طمانچہ ان کے چودہ طبق روشن تھا۔ "مجھے ساری عمر افسوس رہے گا کہ میں تم ا اور ذلیل انسان کا باپ ہوں۔ اب دور ہو جاؤ ظروں سے۔ میں نے تمہیں عاق کیا۔ آئندہ شکل مت دکھانا۔" آج سے پہلے وہ کبھی اتنے ں نہیں آئے تھے۔ زبیر کا تو فیوز اڑ گیا۔ ایسی ی انہیں کہاں توقع تھی۔ بابا جان اپنی بات کہہ ے نہیں تھے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے

"امی جان......! آپ......" وہ فوراً گڑگڑا ی طرف بڑھے۔

"میں تو اس دن پر شرمندہ ہوں جس دن میں تمہیں جنم دیا۔ یہ تو سوچ لیتے وہ تمہاری بہن ہے دشمن نہیں۔ یہ ہماری ڈھیل ہی کا نتیجہ ہے۔ جو تم اس حد تک آگے بڑھ گئے۔ نوشی کے پاؤں دبا کر سویا کرو تا کہ تمہیں جنت حاصل ہو سکے کیونکہ ماں تو تمہاری آج سے مر چکی۔" بہتے ہوئے آنسوؤں میں انہوں نے بات پوری کی اور ایک کٹیلی نظر بیٹے پر ڈالی جس سے وہ کٹ کے رہ گیا۔ شوہر کی تقلید میں وہ بھی اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ عرق ندامت سے چور وہ وہیں کھڑے رہ گئے۔

اگلی صبح سب نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ روبینہ آنٹی کو رات بصد اصرار ان لوگوں نے روک لیا تھا۔ اور اگلے ہفتے نکاح کی ڈیٹ بھی فائنل ہو گئی تھی۔ رخصتی دو ماہ بعد ہونا طے پائی تھی۔

زبیر بھائی نے فون کر کے آنے کی اجازت مانگی تھی جو انہیں نہیں مل سکی تھی۔

☆......☆......☆

ایک ہفتہ پلک جھپکتے گزر گیا تھا۔ اور نکاح کا دن آن پہنچا تھا۔

"لڑکے والے آ رہے ہیں۔" کہیں سے آواز ابھری تھی۔

"دلہن ابھی تک پارلر میں ہیں۔" کوئی چلایا۔

حیرت سے ناک پر انگلی رکھ کر بولیں۔

"آپ بہت بھولی ہیں خالہ جان!" ضحیٰ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ ایک عرصے تک تو وہ بھائی کے عیبوں پر پردہ ڈالتی آئی تھیں۔ لیکن آج اس نے اس کی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔

ام ہانی کے آتے ہی نکاح کا مرحلہ بخیر و بخوبی طے پا گیا تھا۔ کھانے کے بعد ان دونوں کو سٹیج پہ بٹھایا گیا تھا۔

"ماشاءاللہ!"

"اللہ نظر بد سے بچائے۔"

"دونوں ہی ایک دوسرے کو مات دے رہے ہیں۔"

مختلف آوازیں ابھر رہی تھیں ام ہانی سمٹی سمٹائی بیٹھی تھی۔

"کیسے ہیں مزاج یار کے......؟" زارون نے اس کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔ وہ خود میں مزید سمٹ گئی۔

"یار! آج تو بولو۔ یادگار دن ہے۔" وہ ابھی بھی اسے چھیڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔ ہانی کا جھکا سر مزید جھک گیا تھا۔

"چھری تلے دم تو لو میاں!" مہد اس کی حرکتیں دیکھ کر خاموش نہ رہ سکا تھا۔

"تمہیں کیا مسئلہ ہے۔" وہ دھیمی آواز میں چلایا لہجہ ہی نہیں آنکھیں بھی خونخوار تھیں۔

"میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں تم سے اس وقت جیلس ہو رہا ہوں۔" وہ مسکین صورت بنا کے بولا۔

"جیلس ہو رہے ہو تو دفعان ہو جاؤ یہاں سے اپنے حسد کی آگ یہاں مت پھیلاؤ۔ ورنہ بہت برا ہوگا۔" اس نے دھمکی دی۔

"ہائے ہائے بیٹا! اتنا نہیں بولتے ورنہ روپ نہیں چڑھتا۔ آجکل کے لونڈے لپاڑے تو بالکل بے حیا ہو گئے ہیں۔" ایک بڑی بی نے تو اس کی کمر پہ اچھا خاصا ہاتھ جما دیا تھا۔ مہد کا قہقہہ آزاد ہو گیا۔ جس پہ زارون کو مزید تاؤ آ گیا۔

"کیوں اماں جان! آپ کے شوہر کیا شادی والے دن گوند سے منہ چپکا کر آئے تھے۔" اس نے جلبلا کے بڑی بی سے دریافت کیا تھا۔

"اے لو...... میں اس عمر میں اب کیا بتاؤں؟" انہوں نے قدرے شرمیلے پن سے اسے ایک ہاتھ مزید جمایا تو وہ کراہ کے رہ گیا۔

"یہ اماں جان کیا اسپیشل میرے لیے بلوائی گئی ہیں۔" وہ ایک دفعہ پھر اس کے کان میں گھس کے بولا۔ تو ایک نرم مسکان نے ام ہانی کے لبوں پہ پھیلی تھی۔

"آپ نے کیا میری بہن کو تنگ کر رکھا ہے۔" ضحیٰ فوراً اس کی مدد کو لپکی تھی۔

"اور آپ کی یہ اماں ٹائپ ہستی اب تک میری کمر کو دو حصوں میں تقسیم کرنے پہ تلی ہیں۔ اس کا کوئی حساب نہیں۔" اس نے فوراً سے کہا۔

"وہ تو آپ کو مستقبل کی ٹریننگ کیلئے تیار کر رہی ہیں۔" ضحیٰ مسکرائی۔

"باپ رے۔ تو کیا مستقبل قریب میں زوجہ محترمہ کے تھپڑ کھانے پڑیں گے۔" وہ بھی شوخ ہوا۔

"جی بالکل۔"

"تیار ہیں جناب! بلکہ اگر چاہیں تو ابھی ہی ریہرسل کر سکتی ہیں۔" اس نے آہستگی سے کہنی اسے مارتے ہوئے کہا تو وہ پہلو بدل کے رہ گئی۔ جبکہ اس کی بات پہ ساری محفل زعفران بن گئی تھی۔

طلحہ نے دور سے ہی اسٹیج کی طرف نگاہ ڈالی تو سب کے خوش و خرم چہروں کو دیکھ کر اس کے اندر ہر طرف اطمینان پھیلنے لگا تھا۔ اس نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ وہ خود سے کبھی بھی اپنے گھر والوں کو مایوس نہیں کرے گا۔ وہ سب کے سامنے سرخرو ہونے کی بھرپور کوشش کرے گا۔

زبیر نے اپنے کسی دوست کے ہاتھ ام ہانی کے نکاح کیلئے رقم بھیجی تھی۔ جو طلحہ نے شکریہ کے ساتھ واپس کر دی تھی۔

"آپ یقیناً بہت اچھے انسان ہیں لیکن ہمیں اب اس رقم کی ضرورت نہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کا بیٹا بھی آپ کی طرح فرمانبردار اور نیک ہو۔" طلحہ نے انہیں جواباً ایس ایم ایس کیا تھا۔

اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ روپے پیسے پر تو سمجھوتا کر سکتا ہے مگر محبت و خلوص پر نہیں۔

"طلحہ ادھر آؤ ناں۔" ضحیٰ نے اسے دیکھ کر دور ہی سے اشارہ کیا تھا۔ اور وہ مسکراتا ہوا اسٹیج کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

www.pkdigest.com

فرزانہ سلیم

حاصلِ مطالعہ

فرمانِ الٰہی

○ "اگر ہم تم پر کاغذوں پر لکھی کتاب نازل کرتے اور یہ اسے اپنے ہاتھوں سے بھی ٹٹول لیتے تو کافر یہی کہہ دیتے کہ یہ جادو ہے۔" (سورہ انعام)

○ "وہی تو ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر (مرنے کا) ایک وقت مقرر کر دیا اور ایک وقت اس کے ہاں مقرر ہے پھر بھی تم اے کافرو (خدا کے بارے میں) شک کرتے ہو۔" (سورہ انعام)

○ "اے محمدؐ! تم سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں۔ سو جو لوگ ان میں سے تمسخر کرتے تھے ان کو تمسخر کی سزا نے آ گھیرا۔" (سورہ انعام)

○ "اور دنیا کی زندگی تو کھیل ہے اور تماشا ہے اور سب سے اچھا گھر تو آخرت کا گھر ہے۔ یعنی ان کے لیے جو (خدا سے) ڈرتے ہیں۔ کیا تم سمجھتے نہیں۔" (سورہ انعام)

○ اور کاش تم اس وقت (کی کیفیت) دیکھو جب فرشتے کافروں کی جانیں نکالتے ہیں ان کے کندھوں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے) مارتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں کہ) اب عذاب آتش کا مزا چکھو۔

شائل وہاب، کراچی

کلمہ طیبہ کی برکتیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: "جنت میں ایک درخت ہے۔ اس درخت کی اونچائی پر ایک چڑیا ہے۔ جس کا نام "صلواۃ" ہے۔ اس درخت کے نیچے ایک چشمہ ہے جس کا نام طیبہ ہے۔ جب کوئی شخص پہلا کلمہ پڑھتا ہے تو وہ چڑیا پر پھڑپھڑانے لگتی ہے۔ اس کے ہزار پر ہیں اور ہر پر میں ہزار سر ہیں۔ ہر سر میں ہزار چہرے ہیں ہر چہرے میں ہزار منہ اور ہر منہ میں ہزار زبانیں ہیں۔ ہر زبان سے وہ ہزار قسم کی بولیوں میں اللہ پاک کی تسبیح بیان کرتی ہے اور اس کے دو بازو ہیں۔ ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں۔ ہر ایک بازو یاقوت و موتی سے جڑا ہوا ہے اور اس کا سر موتی کا ہے پھر وہ چڑیا اس درخت سے اڑتی ہے اور اس چشمے میں غوطہ لگاتی ہے۔ پھر نکل کر اس درخت پر جا بیٹھتی ہے اور بازوؤں کو پھڑپھڑاتی ہے جس سے کثرت کے ساتھ قطرے ٹپکتے ہیں۔ بس اللہ پاک ہر قطرے سے ایک ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے اور وہ تمام فرشتے قیامت تک اللہ کی تقدیس و تسبیح میں مصروف رہتے ہیں۔"

سیماب علی، اسلام آباد

چھوٹی سی بات

☆ دیوار میں چنی ہوئی ہر اینٹ دیوار ہے اگر صرف ایک اینٹ نکل جائے تو دیوار دیوار نہیں کہلائے گی کھنڈر کہلائے گی۔

☆ جل کر کباب ہو جانے سے بہتر ہے کہ انسان کھل کر گلاب ہو جائے۔

☆ مچھلی کا مزہ ہی کانٹوں سے ہے کانٹے نہ ہوتے تو مچھلی اور شکر قندی میں کیا فرق ہوتا۔

☆ رشتے خلوص کے ہوں یا محبت کے بالآخر ٹوٹ جاتے ہیں۔ خواہ کتنے مضبوط ہوں ہمیشہ ذرا سے شک یا معمولی بدگمانی انہیں نفرت میں بدل دیتی ہے پھر اعتماد... اور مان کیسا؟

حنا محمد حنیف میمن، کراچی

انمول موتی

حضور اکرمؐ کی بات پر کسی اور کو فوقیت دینا ایسے ہی ہے جیسے شرک کرنا۔

○ بہترین کلام وہ ہے۔ جس میں الفاظ کم اور معنی زیادہ ہوں۔

○ بچہ بیمار ہو تو ماں کو دعا مانگنے کا سلیقہ خود بخود آ جاتا ہے۔

○ جہاں عورت نہ ہو وہاں نیکی کے فرشتے نہیں آتے۔ (حضرت موسیٰ)

○ ہر آنکھ دیکھتی ضرور ہے مگر محسوس کرنے والی آنکھیں بہت کم ہوتی ہیں۔

○ محبت جب وفا میں ڈھلتی ہے تو امر ہو جاتی ہے۔

○ دکھوں کو دل میں چھپا کر مسکرانا کمال درجے کی ہمت ہے۔

افشاں اشرف، عارف والا

اقوال زریں

☆ بدصورت چہرہ بدصورت دماغ سے بہت بہتر ہے۔

☆ جھوٹ بولنے کا اثر گہرا زخم کا سا ہے جس کے بھر جانے کے بعد بھی نشان باقی رہتا ہے۔

☆ خلوص سب سے بڑا ہتھیار ہے جس سے کئی کام لیے جا سکتے ہیں۔

☆ ایسی باتیں نہیں کہو جس سے کسی کا دل زخمی ہو جائے۔

☆ کسی سے ملو تو اس طرح ملو کہ وہ آئندہ بھی ملنے کی تمنا کرے۔

ایچ ثمینہ ناز، کاموکی

تاثیر میرے لہجے میں

○ آپ کی ذاتی کائنات میں آپ نے خدا ہمہ اللہ تعالیٰ کا رکھا ہے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی کائنات میں آپ کا حصہ ہے۔

○ تعلق، جذبے، محبت سب اتنی ہی شدت سے جواب چاہتے ہیں جتنی شدت سے وہ کسی کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر انہیں ان کی طلب کے مطابق جواب نہ دیا جائے تو سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔

○ نقصان وہ نہیں جو آپ کو ذاتی دکھ سے ہمکنار کرے نقصان وہ ہے جو آپ کو کسی کی نظر میں گرا دے۔

○ پتا نہیں کیوں انسان اپنا غم سہہ لیتا ہے خود پر گزری برداشت کر لیتا ہے مگر جب کسی عزیز ہستی کو اس دکھ کی بھٹی میں جلتا پاتا ہے تو ضبط نہیں کر سکتا۔

○ بعض لوگوں کی زندگی میں اگر غم بڑھ جائیں تو قہقہوں میں شدت آ جاتی ہے کبھی شعوری طور پر اور کبھی لاشعوری طور پر۔

○ ڈھونڈنے میں ملنے کی شرط نہیں ہوتی بلکہ امید ہوتی ہے اور امید سے جھگڑا نہیں کرتے۔

○ بے وفائی کو مجبوری کا نام دے کر دنیا والوں کو بے وقوف بنایا جا سکتا ہے مگر ضمیر کو نہیں۔

رانا محمد شہزاد ناصر، عارف والا

سماج

یہ جہاں جن رشتوں کو آنکھوں کا سکون کہتا ہے ان رشتوں کو ہم نے آنکھوں کی دھرتی پر انگاروں کی طرح سلگتے دیکھا ہے ہم نے یہاں چاہت کو دولت کی دیواروں تلے مرتے دیکھا ہے، خلوص بکتا ہے اس سماج میں یہاں ہم سب کا احساس اندھا ہے ضمیر گونگا ہے ہم اس سماج کو بدل نہیں سکتے کیوں اس سماج نے ہمیں اپنا چلتا پھرتا پرزہ بنا لیا ہے۔

www.pkdigest.com

عابد محمود، ملکہ ہانس

فلاح آخرت کی کنجی

علم ایک نعمت ہے اور عمل کے ذریعے روشنی
ی جا سکتی ہے۔ اگر آپ کے صالح اعمال کی
ی دوسروں تک پہنچ جائے تو معاشرہ سنور سکتا
۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں
"اے علی! اگر تیرے کردار و عمل کے ذریعے
ر او خیر کے راستے پر چلیں تو تیری نجات کی
ت فراہم کی جا سکتی ہے۔"
اللہ رب العزت کے نزدیک فلاح کے راستے
نے والے لوگ وہ ہیں جو نیکی کرتے ہیں اور
سے بچتے ہیں اور پھر لوگوں کو نیکی کی بات
تے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔

نبیہ خان زئی، لاہور

چینل نمبر 3

"اف اتنے سارے امتحان جنہیں دینا عذاب
ب تو رشوت ہی کام کرے گی۔"
کون ہو تم؟"
میں ہوں رشوت کیا حکم ہے؟"
امتحان آسان ہو جائیں، اگر مل جائیں کہیں
پیپر اور ساتھ ہی جوابی حل بھی اور ہال پیپر
یسے جو میں دے سکوں آرام سے۔"
پیش ہے رشوت؟"
ایک ہی بار امتحان دینے میں پاس، میں تو دیتا
ں تین بار۔ ارے مارکٹائی بھی گئی کمال کی
ہے۔"
نہیں یہ رشوت ہے جس کے ذریعے آپ
دے سکیں آرام سے۔"

لولیٹر

رے لانے پڑھ لیا ہے میرا لو لیٹر
Philips, Lets make things b

محمد سعید نوئی، عارف والا

مشہور شخصیات کے آخری الفاظ

☆ مجھے اندیشہ ہے میرے بعد زبردست ہنگامے ہوں گے۔ (اورنگ زیب عالمگیر)
☆ میں بے قصور ہوں۔ (سوکیتی)
☆ پردا گرا دو یہ سوانگ ختم ہو گیا۔ (جان ملٹن)
☆ میرے عزیز ترین دوست موت اٹل ہے اس کو کوئی نہیں روک سکتا۔ (کمال اتاترک)
☆ میں نہیں جانتا کیا ہوگا۔ (ڈیکارٹ)
☆ ڈاکٹر مجھے جانے دو۔ (جارج واشنگٹن)
☆ نبض چلنا بند ہو گئی۔ (بیلیے)

راج کمار پرنس، رنگپورہ سیالکوٹ

نکاح

حضرت ابو طلحہؓ نے اسلام لانے سے پہلے ام سلیمؓ کو نکاح کا پیغام دیا۔ ام سلیمؓ نے کہلوا دیا۔

"میں مسلمان ہو چکی ہوں اور تم کافر۔ میرا تمہارا نکاح ممکن نہیں۔ ہاں اگر تم اسلام لے آؤ تو ٹھیک ہے۔"

حضرت ابو طلحہؓ اسلام لے آئے۔ جب مہر مقرر ہونے لگا تو ام سلیمؓ نے فرمایا۔

"ابو طلحہؓ کا قبول اسلام ہی میرا مہر ہے۔"

آنحضرتؐ نے فرمایا۔

"آج تک کوئی عورت ام سلیمؓ سے بہتر مہر مقرر نہیں کرا سکی۔"

سعدیہ ہما، سرگودھا

بڑے لوگ بڑی باتیں

○ ظالم کی موت پر ملول ہونا ظلم میں شامل ہے۔ (غزالی)

○ اگر تم ہنستے ہوتے و تمام دنیا تمہارے ساتھ ہنسے گی لیکن اگر روتے ہو تو اکیلے روؤ گے۔ (بیکن)

شادی کرنا زندگی کی بندرگاہ پر طوفان کی مانند ہے۔ (ڈاکٹر جے پی سین) ممتاز فاطمہ، خوشاب

اللہ کی راہ میں

ایک قوی اور توانا شخص جس کا ڈیل ڈول بڑا خوبصورت تھا۔ رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کے پاس سے گزرا۔ صحابہ کرامؓ نے اس کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا اور ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

"اگر یہ شخص اپنی طاقت کو اللہ کی راہ میں کام میں لائے تو کیا ہی اچھا ہو۔"

یہ سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا۔

"اگر یہ شخص اپنے والدین کو زندگی کی ضروریات فراہم کرنے کے لیے محنت کرتا ہے تو اس کی یہ محنت اللہ کی راہ میں ہے۔ اگر وہ اپنی بیٹیوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے تو اس کی یہ کوشش بھی اللہ کی راہ میں ہے۔ اور اگر یہ اپنی روزی حاصل کرنے کے لیے خود کام کرے اور دوسروں کا محتاج نہ ہو تو یہ بھی اللہ کی راہ میں ہے۔"

عنبرین ناز، کراچی

مرغ کی اذان

انگلستان کے لوگوں کا خیال ہے کہ مرغ اسی وقت اذان دیتا ہے جب کسی جگہ جھوٹ بولا جاتا ہے۔

ایک شام چند دوست اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ اسی وقت ایک اخبار نویس بھی آگیا، آتے ہی اس نے کہا۔

"مرغ عام طور پر صبح کے وقت اذان دیتا ہے۔"

ایک دوست نے جواب دیا۔

"تمہاری بات سو فیصد درست ہے کیونکہ اسی وقت تو اخبار چھپتے ہیں۔"

شاہینہ یوسف، عمرکوٹ

یاد رکھنے کی باتیں

☆ جب بڑھاپا آ جائے، تنہائی مقدر بن جائے امید کی شمع مدھم ہو جائے، مسکرانے کی عادت چھوٹ جائے، طاقت باقی نہ رہے اور زندگی غموں، دکھوں اور محرومیوں کا میلہ بن جائے تو دنیا کہتی ہے "جا" اور قبر کہتی ہے "آ"۔ (گیٹر مین)

☆ تشکر وہ فرض ہے جس کا ادا کرنا ہم سب کے لیے ضروری ہے لیکن ہمیں دوسروں سے اس کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ (روسو)

☆ انسان کے لیے اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ انسان کا مقدر اور اس کی شان ہے کہ وہ زندگی کی تمام پریشانیوں اور الجھنوں کے چیلنج کو قبول کرکے ہنسی خوشی زندہ رہنے کا عزم کرے۔ (کاہیو)

☆ مت بھولو کہ وہ رقم جو تم کسی مستحق کے ہاتھ پر رکھتے ہو، جو تمہاری جانب پھیلایا گیا ہے، تو وہ نیکی ایک ایسی سنہری زنجیر ہے جو تمہارے دل کو مہربان خدا سے ملاتی ہے۔ (جبران)

☆ لوگ اور کوئی چیز اتنی فیاضی سے نہیں دیتے جتنا مشورہ، مشورے تو سب لیتے ہیں لیکن عقلمند ہی ان سے فائدہ اٹھا پاتے ہیں۔ (فوکالڈ)

سیماب علی، سکھر

مجھے کیا

وہ رنگ فشاں آنکھ، وہ تصویر نما ہاتھ
دکھائیں نئے روز نئے مناظر تو مجھے کیا
دنیا نے تو جانا کہ نمو اس میں ہے میری
اب ہو وہ میری ذات کا منکر تو مجھے کیا

ناہید مریم، ڈیرہ اسماعیل خان

☆ ☆ ☆

www.pkdigest.com

حنا بیاض

تسنیم طاہر

...اویدفری ---- لاہور
...لائے عشق تھے ہرگز نہ کہہ سکے
...ہی رہے کہ تقاضا وفا کا تھا
...تعلق کا اسباب کیا بتائیں
...ہوگئے جدا سوال انا کا تھا
...ملکہ ہانس ----
...ہجر میں اب بھی نزع کے عالم میں کٹتی ہیں
...وحشت ہے تن میں جان ابھی باقی ہے
...منڈیر پہ رکھ آتے ہیں ہم ہر شام نجانے کیوں
...کے لوٹ آنے کا کچھ امکان ابھی باقی ہے
...غزل ---- مظفر گڑھ
...سے کہنا کہ پلٹ آئے اب تو
...درد بنتی جا رہی ہے

....

...ے بعد تو اک دن بھی زندہ نہ رہا
...آ کے پوچھتے ہو اک سال کے بعد

....

...و احساس دلایا ہے تو ملتا ہی نہیں
...تھا تو روز ملا کرتا تھا
...وہ مجھ سے میری ہر بات کے معنی پوچھے
...و میری سوچ کی تعبیر لکھا کرتا ہے
...حنیف ---- کراچی
...ہو گئیں خطا کرتے
...آتی ہے دعا کرتے

....

...ڑے لوگوں سے مل کر میں نے محسوس کیا
...ابت نااہلوں کو کیا دلچسپ گماں ہوتے ہیں

....

...دھرتی محبت کی وفا کی علامت تھی

کس نے نفرتوں کے بیج بو دیئے زمینوں میں
محمود سجاد پرنس ناز ---- چانوٹ پاکپتن
مت کر ذکر میری ادا کے بارے میں
میں جانتا ہوں بہت کچھ وفا کے بارے میں
سنا ہے وہ بھی محبت کا شوق رکھنے لگے
جنہیں خبر ہی نہیں وفا کے بارے میں
کوکب رفیق ---- لاہور
بکھروں گا ایک بار تو نہ آسکوں گا ہاتھ
اے دوست احتیاط سے ٹھوکر لگا مجھے

....

تیرے وعدے پہ ستمگر ابھی وہ صبر کرتے
اک اپنی زندگی کا ہمیں اعتبار ہوتا

....

بے اعتبار وقت پہ جھنجلا کے رو پڑے
کھو کر کبھی اسے تو کبھی پا کے رو پڑے
خوشیاں ہمارے پاس کہاں مستقل رہیں
باہر کبھی ہنسے بھی تو گھر آ کے رو پڑے
نازیہ الیاس شیخ ---- سیالکوٹ
کس طرح بجھتی ہیں شمعیں ٹوٹتے ہیں کیسے خواب
دوستوں کی بے رخی کا زخم کھا کر دیکھنا
کیسی کیسی حسرتوں سے یہ نگر آباد ہے
اک ذرا فرصت ملے تو دل میں آ کر دیکھنا
شہر بانو ---- مظفر گڑھ
بچھڑ کر مجھ سے حبیب میرے اداس ہونا تو لوٹ آنا
اکیلے بن کی پہاڑ راتیں نہ کاٹ سکنا تو لوٹ آنا
پرائے دیسوں میں کون تجھ کو سوائے میرے منا سکے گا
کسی سے یونہی مذاق میں روٹھ جانا تو لوٹ آنا

....

لاکھ دوری ہو مگر عہد نبھائے رہنا

جب بھی بارش ہو میرا سوگ منائے رہنا
تم گئے ہو تو سرِ شام یہ عادت ٹھہری
بس نہر کنارے کھڑے ہاتھ ہلائے رہنا
مینا توحید خان ---- جھنگ صدر
وہ خواب تھا بکھر گیا خیال تھا ملا نہیں
لیکن دل کو کیا ہوا یہ بجھا کیوں پتہ نہیں
ہر اک دن اداس تمام شب اداسیاں
کسی سے کیا بچھڑ گئے جیسے کچھ بچا نہیں
اقصیٰ صابر بٹ ---- اوکاڑہ
یہ بھی ممکن ہے کسی روز نہ پہچانوں اسے
وہ جو ہر بار نیا بھیس بدل لیتا ہے

....

اس لیے کوئی زیادہ نہیں رکتا یہاں
لوگ کہتے ہیں میرے دل پہ تیرا سایہ ہے
شیبا صابر بٹ ---- اوکاڑہ
زندگی بھر جدا نہیں ہوتے
درد بھی بااصول ہوتے ہیں

....

رکوں تو منزلیں ہی منزلیں ہیں
چلوں تو راستہ کوئی نہیں ہے

....

مجال ہے کبھی حرمت پہ حرف آیا ہو
نجانے سیکھی تھی عشاق نے کہاں تہذیب
بلقیس بھٹی ---- لاہور
نہ جینے کی حسرت نہ مرگ تمنا
غم زندگی کے تقاضے نرالے
یہ ممکن ہے اشرف کفن بھی نہ ڈالیں
وہ بچے جو ہم نے لہو دے کے پالے

....

نوک شمشیر پہ یوں ہم نے گزارے لمحے
کانچ کی آنکھ سے خوابوں کا گزر ہو جیسے

....

ہماری یاد کے جگنو سنبھال کے رکھیے
کہیں تو رات پڑے گی جناب رستے میں

حنا ناز ---- پنڈ دادنخان
تیرے آنے کی خواہش عجیب تر رکھی
آنکھوں میں اس کی روشنی بھر رکھی
ہر لمحہ امید کا دیا میں نے جلایا
ترے جانے کی اک راہ بھی کھلی رکھی

....

خوشیاں آنسوؤں میں پوشیدہ ہوتی ہیں
جیسے قوس و قزح بارش کے بعد نکلتی ہے

....

چراغ کی لو دھیمی کر لو
محبت کی شدت کم کر لو
کل تو ایسا رہے نہ رہے
ابھی سے عادت ختم کر لو
علی ناصر ---- حافظ آباد
بے تابی جاں کا چرچا نہیں کرتے
ہر وقت ایک ہی شخص کو ڈھونڈا نہیں کرتے
سو بار قیامت سے گراں وقت پڑا ہے
ایک ہم ہیں تیرے عشق سے توبہ نہیں کرتے

....

میری ذات پہ یہ احسان کسی روز میرا خدا کرے
وہ نہیں جو میرے نصیب میں مجھے حوصلہ تو عطا کرے
میں یہ جانتا ہوں اس شہر میں مجھ سا کوئی نہیں
مجھے اس کے بارے میں فکر کیا جسے چاہے جا کے ملے
طیبہ طاہرہ سید ---- حافظ آباد
تیرے سوا مانگنا میرے مسلک میں کفر ہے
لا دے اپنا ہاتھ میرے دست سوال میں

....

پھر یوں ہوا کہ راستے یکجا نہ رہے
انا پرست وہ بھی تھا انا پرست میں بھی
نازیہ جبیں ---- حافظ آباد
پرکھنا مت پرکھنے میں کوئی اپنا نہیں رہتا
ایک ہی آئینے میں دیر تک چہرہ نہیں رہتا
بڑے لوگوں سے ملنے میں ہمیشہ فاصلہ رکھنا
جب دریا سمندر سے ملا دریا نہیں رہتا

www.pkdigest.com

ین نذر ---- حافظ آباد
پنے اندر ہی کشش پیدا کرو
چہرے کو حسرت سے دیکھا نہیں کرتے
شخص کہاں ہوتا ہے ہر شخص کے قابل
شخص کو اپنے لیے پرکھا نہیں کرتے
یدعلی ---- مردان
ن کے اس موڑ پر دل پریشان تھا
بھی بدل جائے گا کب مجھ کو گمان تھا
کو تو شاعری سے چڑ تھی مگر یہ کیا
شخص کے سرہانے میرا دیوان تھا

....

نہیں ہے ختم قتیل آس کا سفر
ں کٹے ہوئے ہیں مگر جل رہے ہیں لوگ

....

کے ہاتھ میں نرمی ہے ان کے ہاتھوں کی
ٹھہر کے یہ ہوتا ہے آج دل کو گماں
رخان ---- چارسدہ
میں زخم تبسم چھپا چھپا کے ملا
تو تھا وہ مگر مجھ سے مسکرا کے ملا
یہ وہاب ---- اوکاڑہ
ھر کا فاصلہ طے کر کے مجھ پہ یہ کھلا
پہ میں چلتی رہی وہ راستہ میرا نہ تھا

....

ج بھی صدیوں کی مسافت پہ کھڑا ہے
ا تھا جسے وقت کی دیوار گرا کر
حمد ---- ساہیوال
جنوں سہی مگر عشق فقط جنوں نہیں
ہیں کچھ مطالبے عشق سے آگے کے بھی

....

کیا ہیں کہ دو چار خواہشوں کے لیے
عمر کا پندار بیچ دیتے ہیں
زینت و آرائش مکاں کے لیے
مکین در و دیوار بیچ دیتے ہیں

....

چراغ بے نظیر ہے یہ ستار بے زماں ہے
تجھی تجھ سے ملتا جلتا کوئی دوسرا کہاں ہے
کبھی پا کے تجھ کو کھونا کبھی کھو کے تجھ کو پانا
یہ جنم جنم کا رشتہ تیرے میرے درمیاں ہے
توبیہ اسد ---- جہلم
مجھے کچھ طلب نہیں مجھے اور چاہیے کیا
تیرا غم جو مل گیا ہے مجھے بس وہی بہت ہے

....

گنگناتی ہوئی آتی ہیں فلک سے بوندیں
کوئی بدلی تیری پازیب سے ٹکرائی ہے

....

اب تک اسی خیال سے سوئے نہیں سلیم
ہم سو گئے تو پھر یہاں دیدہ بیدار کون ہے
نبیلہ نعمان ---- لاہور
کیا جانئے کیا بات ہے اب دشت کی نسبت
دل خامشیٔ شہر سے ڈرتا ہے زیادہ
اندر کا وہی روگ ہے مجھے بھی تجھے بھی
بنتا ہے زیادہ وہ سنورتا ہے زیادہ

....

دروازہ کھلا ہے کہ کوئی لوٹ نہ جائے
اور اس کے لیے جو کبھی آیا نہ گیا ہو

....

میرے اندر ہی تو کہیں گم ہے
کس سے پوچھوں ترا نشاں جاناں
ثمینہ بابر ---- لاہور
دل کو تیری چاہت پہ بھروسا بھی بہت ہے
اور تجھ سے بچھڑ جانے کا ڈر بھی نہیں جاتا

....

ہوا ہے جب سے دل ناصبور بے قابو
کلام تجھ سے نظر کو بڑے ادب سے ہے

....

دلوں کے بھاگ میں گھر بھرنا بھی کٹ جانا بھی
تم اس حسن کے لطف و کرم پر کتنے دن اترو گے
جنید احمد ---- لاہور

کسی کو اس کی رہائی کا غم نہیں ورنہ
رہا تو وہ بھی نہیں جو قفس سے باہر ہے

....

میں اک قطرہ کیا میری اوقات سمندر میں
گم ہو جایا کرتی ہے برسات سمندر میں

....

اک موج دبے پاؤں تعاقب میں چلی آئی
ہم خوش تھے بہت ریت کی دیوار بنا کر
مہناز فاطمہ ---- خوشاب
ہم تیرے دوست ہیں فراز مگر
اب تو الجھنوں میں ڈال ہمیں

....

نہیں ہے کوئی بھی امید جس کے آنے کی
دل اس کے آنے کے سو سو قیاس رکھتا ہے

....

زرد موسم کے اجاڑ لمحوں میں
ہم رو پڑے یونہی ہنستے ہنستے
یارب اب تو تعبیر بخش دے
کہ تھک گئیں آنکھیں خواب بنتے بنتے
عنبریں ناز ---- کراچی
رسوائیوں کا خوف ہے ورنہ یہ خواہش ہے
تم میرے ہو ہر جگہ یہ خبر ٹھہرے
تیرا وجود ہے اتنا عزیز کہ مجھے
رہوں کہیں بھی نظر تیری منتظر ٹھہرے

....

جب محبت کا جنوں تھا وہ زمانہ اور تھا
اب انا کا مسئلہ ہے وہ خود چل کر آئے گا

....

سمیٹ لیتا ہر اک گل کی خوشبوئیں ناصر
بہار میں اگر اندیشہ خزاں ہوتا
شاہینہ یوسف ---- عمرکوٹ
جو میرے شعر میں مجھ سے زیادہ بولتا ہے
میں اسکی بزم میں اک حرف زیرلب بھی نہیں

....

دل کو کہاں قبول رواجوں کے فیصلے
دل تو محبتوں کے قبیلے کا فرد ہے

....

اے ابر محبت تو کہیں اور برسنا
میں ریت کا ٹیلہ ہوں مری پیاس بہت ہے
سیماب علی ---- سکھر
گھر کی وحشت سے لرزتا ہوں مگر جانے کیوں
شام ہوتی ہے تو گھر جانے کو جی چاہتا ہے

....

گیلے کاغذ کی طرح زندگی ٹھہری اپنی
کوئی لکھتا بھی نہیں کوئی جلاتا بھی نہیں

....

مل ہی جائے گا کہیں دل کو یقین رہتا ہے
وہ اس شہر کی گلیوں میں کہیں رہتا ہے
ناہید مریم ---- ڈیرہ اسماعیل خان
تمام رات دیے پر دیا جلاتی رہی
وہ سوئی سوئی ہوئی آنکھ نیند اڑاتی رہی
نیا شریک سفر چاہتیں جتاتا رہا
جمال پچھلی محبت کی یاد آتی رہی

....

اتنے دنوں کے بعد ملی ہو حال سناؤ کیسی ہو
گھر میں تو سب اچھا ہے اور تم بھی خوش ہو اچھی ہو
یہ کیا مرے ہجر میں تم نے اپنی حالت کر لی ہے
بستی بستی ہیر کی صورت رانجھا رانجھا کرتی ہو

....

نہ محبتوں پر اپنا اختیار ہوتا ہے
نہ چاہتوں کا جاناں کوئی معیار ہوتا ہے
نہ کوشش انسانی نہ ذات کا دخل
خود بخود ہی قائم اعتبار ہوتا ہے
عنبرین انجم ---- حویلیاں

ڈھونڈتا پھر رہا ہے اپنا آپ
وہ مرے ہجر کے اثر میں ہے
اس کا یہ شور و غل یہ ردِ عمل
مری خاموشیوں کے ڈر میں ہے ☆☆☆

www.pkdigest.com

بلقیس بھٹی

رنگِ حنا

پیغام محبت

پری ہم درس میری بات ذرا غور سے سن
کل اس کے کہ یہ خلقت کی زباں تک پہنچے
یں کسی طور شادی کا نہیں ہوں قائل
یرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

شہربانو، مظفر گڑھ

پتھر

را حسن ہے فسادی میں ہوں پتھروں کا عادی
رے دل پہ پتھروں کا بڑا سخت ہے دباؤ
کھراج اور نیلم یاقوت اور زمرد
نہی پتھروں کو لے کر اگر آ سکو تو آؤ

ڈر لگتا ہے

مستورات سے ڈر لگتا ہے
تین سو سات سے ڈر لگتا ہے
اس کے شہر کو جانے والی
ہر برات سے ڈر لگتا ہے

علینہ طارق، لاہور

اطلاع

ہاری گردن پر ایک عجیب چیز ہے
سے دیکھ کر خوف آتا ہے
کیا چیز ہے وہ
ہارا چہرہ

صغریٰ غزل، مظفر گڑھ

اردو

باپ بیٹے سے:
''آج تم اسکول کیوں نہیں گئے؟''
بیٹا: ''آج ماسٹر صاحب نہیں آئے۔''
باپ: ''جھوٹ بولتے ہو؟''
بیٹا معصومیت سے:
''میں جھوٹ نہیں اردو بولتا ہوں۔''

حنا محمد حنیف، کراچی

نیا تماشا

نئی نویلی، شرمیلی دلہن نے سرائے کی مالکن سے کہا۔

''مہربانی فرما کر اپنے ہاں ٹھہرنے والوں کو یہ نہ بتایئے کہ ہم یہاں ہنی مون منانے آئے ہوئے ہیں۔''

اس نے اپنے شوہر کو بھی بتایا کہ اس نے سرائے کی مالکن سے کیا کہا ہے۔

دوسری صبح جب وہ ناشتے کے لیے ڈائننگ ہال پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ سب لوگ انھیں مڑ مڑ کر غور سے دیکھ رہے ہیں۔ دلہن کے شوہر کو غصہ آیا اور اس نے فوراً مالکن سے جا کر کہا۔

''ہم نے آپ کو منع کیا تھا کہ کسی کو ہمارے بارے میں نہ بتائیں؟''

''میں نے یہ قطعاً نہیں بتایا کہ آپ لوگ ہنی مون منانے آئے ہیں بلکہ میں نے لوگوں کو کہا ہے کہ آپ دونوں غیر شادی ہیں۔'' سرائے کی مالکن نے جواب دیا۔

عابد محمود، ملکہ ہانس

ملاقات

چند دن ہوئے
کہ تم سے ملاقات نہ ہو پائی
مگر!

میں تیرے لیے اداس نہ ہو پائی
لیکن کیوں؟
اس لیے کہ رات کو روز چاند کی طرف دیکھ کر
تیرا عکس نظر آتا ہے
اور!
میں اسے دیکھ کر جی بھر کے رو لیتی ہوں
اور پھر!
اپنی نم پلکیں بند کر لیتی ہوں
پھر یوں لگتا ہے
جیسے تجھ سے ملاقات ہو گئی ہو

کوکب رفیق، رنگ محل لاہور

محبت

☆ اگر ہم محبت میں شدت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں بچھڑ جانا چاہیے دوریاں محبت کو امر بنا دیتی ہیں۔
☆ یاد رکھنا بھی محبت کی ایک صورت ہے۔
☆ محبت اور شک ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔
☆ ڈوبتا ہوا شخص بارش کے چھینٹوں کی پروا نہیں کرتا۔

نادیہ الیاس شیخ، سیالکوٹ

خواب

سنو تو خواب ایسے اونچے دیکھا نہیں کرتے
تو صنف نازک ہے تیری تقدیر انوکھی ہے
تیرے معصوم خوابوں کی تعبیر انوکھی ہے
یوں تو، تو آزاد ہے دنیا کی نظروں میں
مگر ان دیکھی زنجیر میں تو جکڑی ہوئی ہے
اک بات طے ہے جو تم کہو نہ کہو
خواب تو اپنے ہوتے ہیں دنیا کو ان پر زور نہیں
خوابوں کے سنگ قدم اٹھاتے
خوابوں کے نگر بڑھتی جا
خوابوں کو نظر میں بٹھاتی جا
خوابوں کو تو رنگ دیتی جا

مریم ماہ منیر، لاہور

جہاز

ایک جہاز میں بش، مشرف اور واجپائی سفر کر رہے تھے۔ بش نے کہا۔

''اگر میں ڈالر نیچے پھینکوں تو میری عوام کتنی خوش ہو گی۔''

مشرف نے کہا۔

''اگر میں اپنی وردی اتار کے نیچے پھینک دوں تو میری عوام کتنی خوشی ہو گی۔''

واجپائی نے کہا۔

''اگر میں اپنے جوتے اتار کر نیچے پھینک دوں تو میری عوام کتنی خوش ہو گی۔''

''اگر میں جہاز نیچے پھینک دوں تو پوری دنیا کس قدر خوش ہو گی۔'' پائلٹ نے جوش سے کہا۔

آپشن

ایک بے وقوف دوسرے بے وقوف سے۔

''اگر تم یہ بتا دو کہ میری جھولی میں کیا ہے تو یہ انڈے تمہارے۔ اگر تم ان انڈوں کی تعداد بتا دو تو بارہ کے بارہ تمہارے اور اگر تم یہ بھی بتا دو کہ وہ کس جانور کے ہیں تو وہ مرغی بھی تمہاری؟''

''یار بڑی مشکل پہیلی ہے کوئی اشارہ تو دو۔'' دوسرا بے وقوف بولا۔

اقصیٰ صابر بٹ، اوکاڑہ سٹی

انڈے

باپ: ''بیٹا بتاؤ وہ کون سا جانور ہے جو سب سے زیادہ انڈے دیتا ہے؟''

بیٹا: ''ہمارے ماسٹر صاحب۔ وہ کاپیوں پر ہر روز سینکڑوں انڈے دیتے ہیں۔''

فرضی کہانی

''امی کیا ساری فرضی کہانیاں 'ایک دفعہ کا ذکر ہے' سے شروع ہوتی ہیں؟'' ننھے گڈو نے ماں سے پوچھا۔

www.pkdigest.com

"نہیں بیٹے۔" ماں نے جواب دیا۔
"کچھ کہانیاں اس طرح بھی شروع ہوتی ہیں' معاف کرنا جان من آج دفتر میں کام بہت تھا۔"

افشین حیدر' جھنگ

نمکین غزل

ایسا بھی کوئی برس آئے گا
جب ان کو ہم پر ترس آئے گا
بیماری بھی سرپٹ بھاگے گی ہم سے
جب محبوب بن کرے نرس آئے گا
امرت سمجھ کے پی لوں گی اس کو
جب وہ کنجوس مکھیوں کا رس لائے گا
بے خوابی بھی ہوگی جلد دور مجھ سے
جب وہ فلسفیانہ قسم کا درس لائے گا
بے سدھ ہو کر بھلا دوں گی غم
جب وہ کھانے کو میرے چرس لائے گا
دل بہل جائے گا بے سبب یونہی
جب وہ نوٹوں سے بھر کر پرس لائے گا

راحیلہ سمیع'

وجہ

ایک صاحب نے دفتر میں اپنے ساتھی کو بتایا۔
"میرے اور میری بیوی کے درمیان پانچ ماہ بے حد خوشیوں بھرے گزرے مگر آج سے ہمارے درمیان زوردار جھگڑے شروع ہوگئے ہیں۔"
دوست نے پوچھا۔
"اس تبدیلی کی وجہ.....؟"
ان صاحب نے جواب دیا۔
"وہ پانچ ماہ کے بعد آج ہی اپنے میکے سے واپس آئی ہے۔"

فریدہ جاوید فری' لاہور

منی اسٹوری

ایک صاحب ایک خاتون کا پیچھا کر رہے تھے۔ خاتون تیز تیز چلتی ہوئی گھر پہنچی۔ مگر وہ کسی نہ کسی طرح گھر میں بھی داخل ہوگئے۔ خاتون کچھ غصے اور کچھ خوف سے بولی۔
"میرے شوہر کاروباری دورے پر لاہور گئے ہوئے ہیں۔ وہ اب پہنچنے والے ہیں۔ وہ بہت خطرناک آدمی ہیں۔ تمہیں دیکھتے ہی شوٹ کردیں گے۔"
اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ عورت جلدی سے بولی۔
"میرے شوہر آگئے۔"
"میں کہاں چھپوں؟" اجنبی نے گھبرا کر پوچھا۔
"الماری میں۔" خاتون نے گویا ترس کھا کر کہا۔
اجنبی الماری میں چھپ گیا۔ بیوی نے گرم جوشی سے شوہر کا استقبال کیا۔ چند لمحوں کے بعد شوہر نے کوٹ لٹکانے کے لیے الماری کھولی تو اجنبی کو کھڑے پایا۔
"کمینے..... مردود کون ہو تم؟" شوہر غصے سے بولا۔
پھر اس کے لہجے میں کچھ پریشانی جھلک آئی۔
"لگتا ہے میں نے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔"
"جی ہاں..... لاہور میں میرے گھر میں دیکھا تھا۔" اجنبی نے جواب دیا۔
"اس وقت آپ الماری میں تھے۔"

مینا توحید خان' جھنگ صدر

ارادہ

دریا میں قطرے کی صورت
گم ہو جاؤں
اپنے آپ سے نکلوں
تم ہو جاؤں

شیبا صابر بابٹ' اوکاڑہ

کچھ کھٹا کچھ میٹھا

اک بات کہوں اگر سنتی ہو
تم مجھ کو اماں لگتی ہو
کچھ پھوپھی سی کچھ تائی سی
کچھ نانی مامی لگتی ہو
اگر چاچی کہوں تو بات نہیں
تم مجھ کو دادی لگتی ہو
کچھ کالی کالی لگتی ہو
اک بات کہوں اگر سنتی ہو
تم مجھ کو اماں لگتی ہو
یوں بات بات پہ کھا جانا
اور کھاتے کھاتے رک جانا
تم مجھ کو ڈائن لگتی ہو
کیوں اتنی ہو تم گرم مزاج
جو بات بات پہ لڑتی ہو
اک بات کہوں اگر تم سنتی ہو
تم مجھ کو اماں لگتی ہو

ثمن حنا' کوٹ عبدالمالک

دست بدست

دوران جنگ جبری بھرتی اسکیم کے تحت ایک نوجوان کو پکڑ کر دفتر لایا گیا۔ اس کی نظر کمزور تھی لہذا اسے امید تھی کہ اسے بھرتی نہیں کیا جائے گا۔ جب نظر ٹیسٹ کرانے کا مرحلہ آیا تو ڈاکٹر نے اسے سامنے کے بورڈ کی عبارت پڑھنے کے لیے کہا۔
نوجوان نے معذرت کردی کہ کچھ نظر نہیں آ رہا۔
ڈاکٹر نے ذرا قریب جا کر پڑھنے کو کہا تو نوجوان پھر بھی نہ پڑھ سکا۔
اب ڈاکٹر نے اسے بالکل قریب جا کر پڑھنے کو کہا۔ تو وہ فرفر پڑھنے لگا۔
"بہت خوب۔" ڈاکٹر نے اچھل کر کہا۔
"دست بدست جنگ میں تمہارے جوہر خوب کھلیں گے۔"

جاوید علی' مردان

ذہانت شرط ہے

ایک برطانوی اور ایک امریکی سیلز مین ایک ہی جہاز میں سفر کر رہے تھے اور اسی جہاز سے افریقہ کے ایک پسماندہ ملک میں پہنچے۔ بندرگاہ پر سیاہ فام افریقیوں کی کافی بھیڑ موجود تھی جو سب کے سب ننگے پاؤں چل رہے تھے۔ یہ حال دیکھ کر برطانوی سیلز مین نے اسے ہیڈ آفس تار دیا۔
"یہاں جوتے کوئی نہیں پہنتا' میں اگلے جہاز سے وطن واپس آ رہا ہوں۔"
مگر امریکی سیلز مین نے جوتا اپنے ہیڈ آفس بھیجا۔ وہ اس طرح تھا۔
"یہاں جوتے کوئی نہیں پہنتا۔ ایک لاکھ جوتے فوراً بھیج دیں وسیع مارکیٹ ہے۔"

عمیر احمد' ساہیوال

سگھڑاپا

ایک عورت سے اس کی سہیلی نے پوچھا۔
"ارے بھئی تمہارے بیٹی کی شادی ہونے والی ہے تم نے اسے سکھایا بھی ہے یا نہیں؟"
اس عورت نے کہا۔
"کیوں نہیں' سب کچھ تو سکھا دیا' بس اب بیلن کا استعمال سکھا رہی ہوں۔"

لائبہ رضوان' فیصل آباد

جواباً عرض ہے

محاذ جنگ سے زخیم سپاہی نے بیوی کو خط لکھوایا کہ میں سخت زخمی ہوگیا ہوں۔ بیوی نے فوراً تار بھیجا۔ "تو کیا میں دوسری شادی کر لوں؟"

☆☆☆ نبیلہ نعمان' لاہور

www.pkdigest.com